پڑھنے والوں سے

بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر آپ کا بہت شکرگذار ہوگا اگر آپ ہمیں اس کتاب، اس کے ترجمے، ڈیزائن اور طباعت کے بارے میں اپنی رائے لکھیں — اس کے علاوہ بھی اگر آپ کوئی مشورہ دے سکیں تو ہم ممنون ہوں گے —

ہمارا پتہ: زوبوفسکی بلوار — نمبر ۲۱
ماسکو، سوویت یونین
21, Zubovsky Boulevard,
Moskow, USSR

رواں تھے، ان پر زمردیں سرکنڈے کھڑے تھے — یہ دنیا جاگی ہوئی تھی، خوب صورت تھی اور لبالب بھری ہوئی تھی، ایسی جیسی بچپن میں ہوتی ہے، جیسی محبت کے دنوں میں ہوتی ہے— گرلوف نے گویا زندگی میں پہلی بار حیرت و مسرت سے اس دنیا کو دیکھا اور اسے سرور آ گیا — اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ یورکا کو سوتے سے جگا دے، اسے جھنجھوڑ کر اٹھا دے، دکھائے کہ یہ معجزہ دیکھے— لیکن صاحب زادے بڑی گہری نیند سو رہے تھے، انھیں جگاتے ہوئے دل دکھا، چناں چہ گرلوف نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا —

اس نے سوچا کہ ابھی لڑکے کے سامنے ایک بہت بڑی، پھیلی ہوئی زندگی پڑی ہے، اور وہ، خدا نے چاہا تو ابھی نہ جانے کتنی بار دنیا کی راحت اور اس کے حسن سے ملے گا!

موڑ سے ایک شان کے ساتھ زوروں میں کاٹی — یورکا اب بھی سویا ہوا تھا، صرف اس کا ننھاسا سر ڈھلک گیا تھا —

دور فاصلے پر سرکاری فارم کے مکانات کی جھلک یکبارگی نظر آئی — ہوا بھورے اور گھنگھور بادلوں کے قافلے اڑائے لئے جا رہی تھی، لیکن یوں لگ رہا تھا کہ یہ انھیں بکھیرکر رہے گی — جہاں سے بادل کی چادریں پھٹ گئی تھیں، وهاں آسمان جھلک جاتا تھا — کھیتوں میں دھوپ کے چکتے دوڑ رہے تھے — اناج کے گچھے، بھیگے ہوئے اور بھاری بھرکم کھیت لہرا رہے تھے، سڑک کے دونوں طرف بارش سے دھلی ہوئی ہری گھاس صف‌بند کھڑی تھی — کیا منظر تھا، دور تک کیا پھیلاؤ نظر آرہا تھا، اس میں کیا تروتازہ ہوا، بوباس اور مہک بسی ہوئی تھی! اور گاڑی کی کیبن میں اس کے بھبکے چلے آ رہے تھے! ٹیلے پر چھوٹے چھوٹے مکان سفید بندکیوں کی طرح دور دور پھیلے ہوئے تھے، سرکاری فارم کا تالاب چمکتا نظر آیا، اس میں تیرتی بطخیں ننھے سے نقطے معلوم ہوتی تھیں اور تالاب سے نکلتے ہوئے گھرے سبز رنگ کے پانی کے دھارے

رواں تھے، ان پر زمردیں سرکنڈے کھڑے تھے — یہ دنیا جاگی ہوئی تھی، خوب صورت تھی اور لبالب بھری ہوئی تھی، ایسی جیسی بچپن میں ہوتی ہے، جیسی محبت کے دنوں میں ہوتی ہے— گرلوف نے گویا زندگی میں پہلی بار حیرت و مسرت سے اس دنیا کو دیکھا اور اسے سرور آ گیا — اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ یورکا کو سوتے سے جگا دے، اسے جھنجھوڑ کر اٹھا دے، دکھائے کہ یہ معجزہ دیکھے — لیکن صاحب زادے بڑی گہری نیند سو رہے تھے، انھیں جگاتے ہوئے دل دکھا، چناں‌چہ گرلوف نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا —

اس نے سوچا کہ ابھی لڑکے کے سامنے ایک بہت بڑی، پھیلی ہوئی زندگی پڑی ہے، اور وہ، خدا نے چاہا تو ابھی نہ جانے کتنی بار دنیا کی راحت اور اس کے حسن سے ملے گا!

موڑ سے ایک شان کے ساتھ زوروں میں کاٹی۔ نورکا اب بھی سویا ہوا تھا، صرف اس کا ننھاسا سر ڈھلک گیا تھا۔

دور فاصلے پر سرکاری فارم کے مکانات کی جھلک یکبارگی نظر آئی۔ ہوا بھورے اور گھنگھور بادلوں کے قافلے اڑائے لئے جا رہی تھی، لیکن یوں لگ رہا تھا کہ یہ انہیں بکھیر کر رہے گی۔ جہاں سے بادل کی چادریں پھٹ گئی تھیں، وہاں آسمان جھلک جاتا تھا۔ کھیتوں میں دھوپ کے چکتے دوڑ رہے تھے۔ اناج کے گھنے، بھیگے ہوئے اور بھاری بھرکم کھیت لہرا رہے تھے، سڑک کے دونوں طرف بارش سے دھلی ہوئی ہری گھاس صف بند کھڑی تھی۔ کیا منظر تھا، دور تک کیا پھیلاؤ نظر آرہا تھا، اس میں کیا تروتازہ ہوا، بوباس اور مہک بسی ہوئی تھی! اور گاڑی کی کیبن میں اس کے بھبکے چلے آ رہے تھے! ٹیلے اور چھوٹے چھوٹے مکان سفید بند کیوں کی طرح دور دور پھیلے ہوئے تھے، سرکاری فارم کا تالاب چمکتا نظر آیا، اس میں تیرتی بطخیں ننھے سے نقطے معلوم ہوتی تھیں اور تالاب سے نکلتے ہوئے گہرے سبز رنگ کے پانی کے دھارے

سے اس نے یورکا کے ہاتھ سے پوٹلیاں لے لیں اور اس کی ٹوپی ٹھیک کر دی — "بالکل اپنی ماں سے صورت ملتی ہے، کاہی ہے"، اس نے سوچا — "خدا نظربد سے بچائے —— خوب صورت بٹھیا نکلے گا، اور ہے بھی ماں کی طرح صاف گو اور خوددار — پاچی کہیں کا! ہے واقعی سوچنے کی بات —— ماں نے اکیلے کس مصیبت سے اسے پالا ہوگا! جیوٹ کی عورت ہے! اکیلی جان بچے کو سنبھالے رہ رہی ہے اور اس بہنگم ٹھکانے میں اپنا کام کر رہی ہے... بڑا ہی کمینہ ہوگا، جس نے ایسے بیٹے اور ایسی ماں کو، تنہا ان کے حال پر چھوڑ دیا!"

اس کی نیند نہیں بھری تھی کیوں کہ صبح سویرے چھ بجے بستر سے اٹھا اور گاڑی کو واپسی کے لئے تیار کرنے میں لگ گیا تھا — مگر اس کے باوجود دماغ اور جسم میں کوئی غیر معمولی زندگی اور تازگی کی لہر دوڑی ہوئی تھی — پہلے کبھی شہر کے پھیرے میں یہ لطف نہیں آیا تھا — اس نے کھڑکی کا شیشہ گرا دیا اور اس میں سے گردن نکالی — سامنے دیکھتا جاتا تھا کہ کب ہمارے فارم کا موڑ آئے گا — گاڑی اس

دیا۔ عورتیں اترنے لگیں، انہوں نے اپنا اپنا سامان اتارا، اٹھنے ہلنے لگیں۔ ڈرائیور نے مڑ کے اپنی کیبن کا دروازہ کھولا، جی چاہا کہ ان عورتوں کو لمحہ بھر کے لئے ہڑبڑا دے تاکہ وہ دیر نہ لگائیں، لیکن پھر سوچا، نہیں، یورکا کو اس مذاق میں لطف نہیں آئے گا۔ عورتوں نے اپنے بٹوے کھولے تاکہ ڈرائیور کا حساب چکا دیں۔ گرلوف نے ہاتھ جھٹک دیا۔

''سب اتر گئیں کیوں؟ اچھا، بس، جاؤ!،، اور گاڑی اسٹارٹ کردی۔

''روپیہ کیوں نہیں لیا تم نے!،، یورکا نے تعجب سے پوچھا۔

''جانے دو، انہیں۔ ان سے کیا لینا، اپنے ہی بھائی‌بند ہیں، کلخوزوالے...،، گرلوف نے خود اپنی نظر میں ایک خلاف معمول بات کہی اور اسے تعجب بھی ہوا کہ کیا سلیقے سے بات سمجھائی ہے!

یورکا گاڑی کے چلنے سے اونگھنے لگا، نیندبھری آنکھوں سے سڑک دیکھتا رہا، پھر ذرا سمٹ کر بیٹھ گیا، جھومنے لگا اور آخر آنکھ لگ گئی۔

ڈرائیور گاڑی سنبھال کر چلانے لگا۔ بہت احتیاط

سے اس نے یورکا کے ہاتھ سے پوٹلیاں لے لیں اور اس کی ٹوپی ٹھیک کر دی — ''بالکل اپنی ماں سے صورت ملتی ہے، کابی ہے '' اس نے سوچا — ''خدا نظربد سے بچائے —— خوب صورت پٹھا نکلے گا، اور ہے بھی ماں کی طرح صاف گو اور خوددار — پاچی کہیں کا! ہے واقعی سوچنے کی بات —— ماں نے اکیلے کس مصیبت سے اسے پالا ہوگا! جیوٹ کی عورت ہے! اکیلی جان بچے کو سنبھالے رہ رہی ہے اور اس بہنگم ٹھکانے میں اپنا کام کر رہی ہے... بڑا ہی کمینہ ہوگا، جس نے ایسے بیٹے اور ایسی ماں کو، تنہا ان کے حال پر چھوڑ دیا!''

اس کی نیند نہیں بھری تھی کیوں کہ صبح سویرے چھ بجے بستر سے اٹھا اور گاڑی کو واپسی کے لئے تیار کرنے میں لگ گیا تھا — مگر اس کے باوجود دماغ اور جسم میں کوئی غیر معمولی زندگی اور تازگی کی لہر دوڑی ہوئی تھی — پہلے کبھی شہر کے پھیرے میں یہ لطف نہیں آیا تھا — اس نے کھڑکی کا شیشہ گرا دیا اور اس میں سے گردن نکالی — سامنے دیکھتا جاتا تھا کہ کب ہمارے فارم کا موڑ آئے گا — گاڑی اس

دیا — عورتیں اترنے لگیں، انھوں نے اپنا اپنا سامان اتارا، الٹنے پلٹنے لگیں — ڈرائیور نے بھڑ سے اپنی کیبن کا دروازہ کھولا، جی چاہا کہ ان عورتوں کو لمحہ بھر کے لئے ہڑبڑا دے تاکہ وہ دیر نہ لگائیں، لیکن پھر سوچا، نہیں، یورکا کو اس مذاق میں لطف نہیں آئے گا — عورتوں نے اپنے بٹوے کھولے تاکہ ڈرائیور کا حساب چکا دیں — گرلوف نے ہاتھ جھٹک دیا —

''سب اتر گئیں کیوں؟ اچھا، بس، جاؤ!،، اور گاڑی اسٹارٹ کردی —

''روپیہ کیوں نہیں لیا تم نے!،، یورکا نے تعجب سے پوچھا —

''جانے دو، انھیں — ان سے کیا لینا، اپنے ہی بھائی‌بند ہیں، کلخوزوالے...،، گرلوف نے خود اپنی نظر میں ایک خلاف معمول بات کہی اور اسے تعجب بھی ہوا کہ کیا سلیقے سے بات سمجھائی ہے!

یورکا گاڑی کے چلنے سے اونگھنے لگا، نیندبھری آنکھوں سے سڑک دیکھتا رہا، پھر ذرا جم کر بیٹھ گیا، جھومنے لگا اور آخر آنکھ لگ گئی —

ڈرائیور گاڑی سنبھال کر چلانے لگا — بہت احتیاط

نے انجن کا ڈھکنا اٹھایا، موٹر کی ٹنکی میں تیل دیکھ کر اطمینان کیا : اسے یہ لگا کہ تیل ٹھیک سے نہیں آرہا، لیکن خیال ٹھیک نہیں نکلا، تیل اچھی طرح جا رہا تھا —

جب پہاڑی سے اتار آیا تو وہاں سے گزرے جہاں سڑک سے باہر گڑھے میں ٹہنیاں بھری تھیں اور ان کی کرچیں ہو گئی تھیں — اب وہاں پہلے سے کہیں زیادہ بھراؤ نظر آیا — مطلب یہ کہ ان کے بعد ایک بھی گاڑی اس جہنمی چڑھائی سے سلامت نہیں گزری تھی — گرلوف نے یورکا کو ٹھوکا دیا —

''یاد ہے؟ کیوں؟''

''آں ہاں''، اس نے تائید کردی —

یورکا نے وہ قیمتی پوٹلیاں سینے سے لگالیں، ایک میں میٹھے سموسے موجود تھے — حسن اتفاق کہیے کہ اس چھوٹے سے مکان کی مالکن، یعنی بھولی ہوئی عورت نے توشے کے طور پر میٹھے سموسے ہی ساتھ کیے تھے —

ٹرک کے اندر سے جلدی جلدی کھٹکھٹایا گیا تو گرلوف نے گاڑی سڑک کے ایک بازو لے کر بریک لگا

ہوئی تھی، وہ کروٹوں پر کروٹیں لیتا رہا، بڑبڑاتا رہا اور سوتے میں یہ لفظ اس کے منھ سے نکلے :

''ہاں، ہاں! ذرا جلدی ہاتھ چلاؤ— ہاں، وہ، بیرنگ میں تیل دے، تھوا!،،

۳

دوسرے دن بھر ویسا ہی موسم تھا— ہوا تھی، سیلن تھی لیکن بارش نہیں ہوئی— صبح کا سارا وقت گوداموں کے چکر کاٹتے، مختلف فارم بھرتے، دستخط کراتے گزر گیا— ٹرانسفارمر وصول ہو گیا، وہ لے کر، گاڑی پر لاد کر پٹرول بھرنے چلے—

دوپہر کے بعد روانگی ہوئی— ریل کے پھاٹک پر سلاویانوکا گاؤں تک جانےوالی درجن بھر سواریاں مل گئیں عورتوں کی—

ہوا نے سڑک ذرا خشک کر دی تھی، خاص کر کھلے میدان والی— ٹرک بڑے مزے میں، تیز رفتاری کے ساتھ، ایک بچھلے گھوڑے کی طرح اڑا چلا جا رہا تھا— راستے میں کئی بار گاڑی روکی گئی—گرلوف

''یورکا، یورکا، دیکھو تو کیا ٹھونگا رسید کیا اس نے پادری کے! چھت تک اچھل گیا پادری!،،

''آھاں — ،،

''اور وہ جو سمندر سے نکلا تھا شیطان، چیتھڑوں لگا! کہتا کیا ھے : ''ھاں بول، کیوں ستایا ھیں؟،،

یورکا تمیزداری کے خیال سے ھاں ھاں کرتا گیا اور مسکراتا رھا، یہاں تک کہ اس کی آنکھ لگ گئی —

رات کو اس نے خواب میں وہ پیڈل‌والی موٹر دیکھی جس کا نام تھا ''راکٹ،، — گرلوف اور اماں نے وہ موٹر اسے تحفے میں دی — یورکا اسے دھیرے دھیرے گھاس میں چلاتا رھا، پھر وہ اپنی جگہ سے اکیڑی اور ھوا میں اڑ گئی — اور یورکا اس میں پائلٹ کی طرح بیٹھا رھا — ذرا اور جلدی سے اڑنے کی خاطر اس نے اپنے دونوں ھاتھ بھی باھر نکال دئے، جیسے پر پھٹپھٹا رھا ھو — سارے لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے — بھلا پہلے سے کیوں نہ خیال گیا اس طرف کہ یوں، اتنی آسانی سے، مزے میں، شان کے ساتھ اڑا جا سکتا ھے؟

نیچے اماں اور گرلوف کھڑے چھوٹے چھوٹے نظر آ رہے تھے — خوشی کے مارے سر اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے تھے — اماں کو فکر پڑی تھی: ''تار وار میں مت پھنس جائیو، بیٹے، کہیں اپنا کوٹ پتلون مت پھاڑ لیجئو!،، گرلوف چاچا مسکرا رہے تھے: ''چل، چل، چلائے جا، یورکا!،،

یورکا تو سوتا رہا لیکن ڈرائیور کی دیر تک آنکھ نہیں لگی — کروٹیں بدلتا رہا اور سگریٹ پر سگریٹ دھونکتا رہا — اس کے دماغ پر الٹے پلٹے خیالات کی یورش تھی — وجہ اس کی یہ کہ آج کی شام پیے بغیر گزار دی — آنکھوں کے سامنے بچوں کے اسٹور کا بوڑھا دوکاندار، تھیٹر میں لکڑی کے ٹائلوں کا فرش اور آئینے گھومتے رہے — وہ اٹھا، کھڑکی کا شیشہ کھولا، اپنا اطمینان کیا کہ یورکا آرام سے سو رہا ہے یا نہیں — اسے یاد آتا رہا کہ روپیہ کیوں کر خرچ ہوا، کاہے پر خرچ ہوا — اس کی اپنی جیب کی رقم ایک غیر کے لڑکے پر لگ گئی — تو یہ کہنے کے کیا معنی کہ روپیہ آدمی کو چلاتا ہے؟ کہیں آدھی رات گئے بمشکل اسے نیند آئی، لیکن نیند اچٹی

''یورکا، یورکا، دیکھو تو کیا ٹھونگا رسید کیا اس نے پادری کے! چھت تک اچھل گیا پادری!،،

''آھاں — ،،

''اور وہ جو سمندر سے نکلا تھا شیطان، چیتھڑوں لگا! کہتا کیا ہے: ''ھاں بول، کیوں ستایا ھمیں؟،،

یورکا تمیزداری کے خیال سے ھاں ھاں کرتا گیا اور مسکراتا رھا، یہاں تک کہ اس کی آنکھ لگ گئی —

رات کو اس نے خواب میں وہ پیڈلوالی موٹر دیکھی جس کا نام تھا ''راکٹ،، — گرلوف اور اماں نے وہ موٹر اسے تحفے میں دی — یورکا اسے دھیرے دھیرے گھاس میں چلاتا رھا، پھر وہ اپنی جگہ سے اکھڑی اور ھوا میں اڑ گئی — اور یورکا اس میں پائلٹ کی طرح بیٹھا رھا — ذرا اور جلدی سے اڑنے کی خاطر اس نے اپنے دونوں ھاتھ بھی باھر نکال دئے، جیسے پر پھڑپھڑا رھا ھو — سارے لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے — بھلا پہلے سے کیوں نہ خیال گیا اس طرف کہ یوں، اتنی آسانی سے، مزے میں، شان کے ساتھ اڑا جا سکتا ہے؟

دو سینڈوچ اور شربت کی ایک بوتل منگالی — یورکا ان پلیٹوں پر ایسا ٹوٹ کر گرا کہ دونوں کلے بھر لئے — گرلوف نے بھی شوق سے ہاتھ صاف کیا اور ایکدم اسے خواہ مخواہ یہ خیال آیا: ''کیوں، کیسا رہے جو پینا ہی چھوڑ دوں؟''، یہ خیال آنا تھا کہ دل پر بہت بوجھ پڑ گیا —

ہال میں ان دونوں کو پانچویں صف میں جگہ ملی تھی — گرلوف کی چوڑی چکلی کمر پیچھے والوں کے تماشا دیکھنے میں حائل ہو گئی — پیچھے سے تقاضا ہوا کہ ذرا جھک جاؤ — وہ جھک کر بیٹھ گیا — پادری اور اس کے نوکر بدھو کا تماشا ڈرائیور کو بھی اتنا ہی پسند آیا جتنا یورکا کو — وہ بہت مزے میں آ گیا، خوب قہقہے لگائے، تالیاں بجائیں، فرش پر جوتے پٹکے — آخر یورکا نے اسے روکا —

بلکہ بہت بعد میں، جب وہ اس چھوٹے مکان کے تنگ اور گھٹے ہوئے کوٹھے میں اندر ٹوٹواں پلنگوں پر سونے لیٹے تھے، تو گرلوف کروٹ لیتا رہا — اسے تماشے کے سین یاد آئے اور وہ خوب ہنسا —

گندے— آئینوں مس اپنا دیہاتی حلیہ دیکھ کر انہیں بے انتہا شرم آنے لگی—

وہ فوراً پاخانے میں گئے جس کے اوپر لکھا تھا ''لڑکوں کے لئے،،— گرلوف نے وہاں دونوں پیکٹ کھولے اور حکم دیا:

''جلدی سے کپڑے بدل ڈال!،،

یورکا نے نیا سوٹ ڈانٹ لیا، یہ ایسا فٹ تھا کہ نہ اسے موڑ کر سینے کی ضرورت تھی، نہ کہیں چھوٹا بڑا کرنے کی— نئے بوٹ جوتے بھی اس سوٹ سے میل کھاتے ہوئے نکلے، جن میں مردانہ ٹانکے لگے ہوئے تھے— پرانے کپڑے اور جوتے کاغذوں میں لپیٹ کر وہاں رکھوا دئے جہاں کپڑے اتارے تھے— گرلوف نے بھی اپنے جوتے صاف کئے، خدمتگار کے پاس سے برش لے کر کپڑے جھاڑے اور یودی کلون خوشبو لگائی، یورکا کا ھاتھ تھاما اور پھر ہال میں آگیا— کن انکھیوں سے آئینہ دیکھا تو اسے تعجب ہوا: یورکا کی جوڑ میں وہ دونوں کیسے اچھے لگ رہے تھے! بوفے مس دونوں ایک میز پر جا بیٹھے، پیسٹریوں کا آرڈر کردیا، زبان کے سے لمبے دو کیک، کیوئیر کے

”لعنت بھیجو سب پر، چلیں تماشے کو، یورکا؟“ گرلوف نے گھڑی دیکھتے ہوئے یہ ارادہ ظاہر کیا۔

”ضرور چلیں“، یورکا نے بھی تائید کر دی۔

ہاتھ کے ہاتھ ٹکٹ مل گیا۔ عمررسیدہ ٹکٹ چیکر نے ٹکٹ کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر اپنے پاس رکھ لیا اور انھیں تھیٹر کی شاندار، بنی سجی، آئینہ بند گیلری میں اندر جانے دیا۔

لکڑی کے فرش پر نہایت سلیقے کے ساتھ چند لڑکیاں گھوم رہی تھیں، جنھوں نے وردی قسم کے ستھرے کپڑے پہن رکھے تھے اور لال پٹیاں لگا رکھی تھیں۔ وہ لوگوں کو بتا رہی تھیں کہ اوپر کا لباس اتار کر رکھنے کی جگہ کہاں ہے۔ وہاں پہنچ کر برساتیاں، چھتریاں رکھوالی جاتی تھیں اور کہا جاتا تھا کہ اگر دوربین چاہئے ہو تو لے لیجئے۔

گرلوف اور یورکا مرعوب ہو گئے۔ جدھر رخ کرو آئینے ہی آئینے لگے ہیں، اپنا حلیہ نظر آرہا ہے: بےڈول اور بیڈھب دکھائی دے رہے ہیں اس تمام حسن اور دلفریبی کے درمیان۔ اور ہاں، جوتے بھی

''مس تو راضی ہوں کہ بالکل ٹھیک سوٹ لیا ہے۔''

''پتلون کے پائینچے بھی لمبے نہیں ہیں'' بورکا کو یاد آیا۔

''اچھا تو بورکا، چلا جائے پھر تب ـــ رہنے کرنے! اور ہمیں کرنا ہی کیا ہے؟''

چناں‌چہ دونوں اللہ‌ٹپ گھومنے لگے، دو مرد آدمی، جنھیں کسی ماں کی فرماں‌برداری نہیں کرنی تھی۔ ملواروں میں دیر تک سرگشت کرتے پھرے، اسٹینڈوں پر جو نئی طرح کی گاڑیاں کھڑی تھیں، انھیں ایک ایک کل پرزہ کرکے دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے تلے کا بھی جھک جھک کر معائنہ کر ڈالا، ان کنوؤں میں جھانک کر دیکھا جن کے اندر مزدور کام کر رہے تھے، منھ سے بجانے کا باجہ خریدا، گوشت بھرا ایک ایک سموسہ لیا۔ بجلی کے کھمبے کے پاس پانی میں بھیگا ہوا اشتہار لگا تھا کٹھ پتلی کے تماشے کا۔ اس میں لکھا تھا کہ آج شام کو ۸ بجے وہ مشہور قصہ پیش کیا جائے گا کہ پادری سے اس کے نوکر بدھو نے کیسے شرط جیتی۔

ہوتی جا رہی ہے اور تنگ ہوتی ہے ... جب سے لوگوں اور
بولیں بارش نہیں رکتی، اس وقت تک ...
وہ منہ بنا کر مسکرا دی ...
"میں تنہا ہو گئی ہوں، کتنی دیر تک [illegible] میں ہوں
کہ ایسے ایسے لمحے ٹوٹی تھی میں ....."
گرزیف اور بورژ نے تنہائی چہروں کی اس
جلوہ گاہ سے باہر نکلے ان کے ہاتھوں میں دو بیگ
تھے — گرزیف اسٹیشن پر لیتا ہوا ٹیکسی ان کے لئے
سگریٹ خریدنے اور بورژ کے لئے ایک تلاش کر رہی
گاڑی نہیں کہیں —
بارش کی ہلکی سی پھوار پڑ رہی تھی، ہر طرف
خوشگوار منظر تھا — لوگ چھتریاں لئے ہوئے،
ہاتھوں میں بیگ لئے، پریشان اِدھر اُدھر جا رہے
تھے — نیلے رنگ کی رنگین روشنیاں جھلملا رہی
تھیں، کہیں سے ریڈیو کی آوازیں آ رہی تھیں —
"کیوں رے، کیا خیال ہے تیرا — موسم تو
کچھ برا نہیں رہا،" گرزیف نے پوچھا —
"بالکل بھی خراب نہیں ہے،" بورژ نے فیصلہ
سنانے کے انداز میں کہا —

اس نے ایک انگلی سے چھوٹی سی سائیکل اٹھالی جو بالکل دو پہیوں والی اصلی سائیکل معلوم ہوتی تھی۔

''عب تررے کی، یہ بھی مشین ہے! کیوں بورکا؟''

''چلیں، بس اب چلیں!'' بورکا نے سہم کر اور بےغرضی سے کام لیتے ہوئے اسے کھینچا۔

''ذرا ٹھہر تو، دیکھیں، یہ ہے کیا۔ دیکھنے میں روپیہ تھوڑئی لگتا ہے۔ مشین میں تو پیڈل وغیرہ بھی لگے ہوئے ہیں، بورکا، تو اس گاڑی کو دیکھیو، کیا شیطان چیز ہے ـــ راکٹ!''

''اچھا، اب چلیں، چل دیں''، بورکا یہ کہتے وقت بالکل ہی روہانسا ہو گیا تھا۔

''ہاں... ہمارے یہاں تو اس سائیکل کے چلانے کو بھی جگہ نہیں ہے۔ [illegible] زمیں پر چلتی ہے یہ گاڑی [illegible] ہے چلتی ہے؟''

''اور [illegible] جیسی ہے جیسے کہیں''

دوکاندار نے جواب [illegible] نہیں چلتی۔''

[illegible] اصلی گاڑی بھی نہیں چلتی'' گوشک نے افسوس کے ساتھ [illegible] ہوئے ہوئے [illegible] ''ہاں، تو بورکا، دیکھو بیٹے، یہ چیز

کی طرف گئی — بورکا کے جوتے بالکل نکلے ہوئے تھے اور ان کا تلا باہر کو جیبھ نکالے دے رہا تھا — کرلوف نے مٹھی بھینچ لی اور اکڑ کر بولا :

"لاؤ، یہ بھی سہی! لاؤ، دیکھیں تو! اور تو بیٹھ جا، ذرا ان کی ٹرائی کر لے!"

جوتے چم چم کر رہے تھے، نرم تھے اور ان میں مردانہ ٹانکے لگے ہوئے تھے — بورکا کا دل بےقرار ہو گیا : واقعی، یہ جوتے پہن کر اگر میں اسکول گیا ہوتا تو واہ، فارم کے سارے کے سارے لڑکے جلن کے مارے غش کھا جاتے...

"کتنے کا ہے، لپیٹ دیجئے!" کرلوف نے دوکاندار سے کہا —

بورکا کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا — کرلوف نے روپے کا بٹوا لیا اور کھڑکی پر رقم ادا کرنے چل دیا — جوتے کاغذ کے پیکٹ میں تیار تھے — انہیں جوتے کے ڈبے میں ڈالا، اوپر سے فیتہ باندھا اور بورکا کے حوالے کر دیا —

"سائیکل کتنے کی ہو گی؟" کرلوف کو جوتوں کے برابر والے سیکشن کی طرف توجہ ہوئی —

کی چیز بیچنے کے لئے نہیں ھوتی— لیکن گرلوف گھونسے بجائے گیا اور اسی پر زور دئے جاتا تھا:

"آپ نمونےوالا اتار کر لائیے! میں دکھاتا ھوں "خاص موقع کا کپڑا"، کیا ھوتا ھے، میں دکھاؤں گا معیار سے ھٹاھوا بدن کیا ھوتا ھے!"

آخر ھال میں لگے ھوئے نمونوں میں سے ایک اتارا گیا، اس پر سے سوٹ نکالا— کپڑا اتر جانے سے وہ نمونہ بچارا ایسا ننگا بچا، چپکایا ھوا اور ٹانکے لگا ھوا نظر آنے لگا کہ بورکا کو اس پر بڑا ترس آیا— بورکا نے وہ اپنے بدن پر پہنا تو سوٹ قطعی مٹ آیا— گرلوف نے سوٹ خرید لیا— وجہ یہ کہ اس کا کپڑا اور قسم کا تھا اور سوٹ فرمائشی سا تھا، اخبار کے پیکٹ میں جو روپے لپٹے ھوئے دیموروا نے دئے تھے، وہ بمشکل پورے ھوئے— صرف ایک روبل بچ رھا—

دوکاندار نے ماتھے سے پسینہ پونچھا اور کہا:

"میں نے جھٹ دیکھ لیا کہ آپ ایک اچھے باپ ھیں تو صرف آپ کی خاطر یہ نمونے کا سوٹ نکال کر دیا ھے— دیکھئے، جوتے اس کونے میں ملیں گے—"

گرلوف اور بورکا دونوں کی نظر بےاختیار پیروں

''یہاں ذرا سا ترپ دو اور سیدھے فیشن گھر کو روانہ کر دو—''

''لعنت بھیجو، کیا بیہودہ سلائی ہے— شرافت تو نام کو نہیں آپ لوگوں میں!'' گرلوف واقعی خفا ہو گیا— ''بےوقوف کسے بنا رہے ہیں آپ؟ یہ بچوں کا سوٹ ہے؟ ہمارے بچوں کے لئے ہے؟ کیا بےایمانی ہے!''

''ہم نہیں سیتے ہیں کپڑے'' ایکدم بڑے میاں نے گہرا سانس لےکر کہا— ''فیکٹری سے سلے سلائے آتے ہیں— ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ انہیں بیچیں اور ان کی تعریف کریں— تعریف نہیں کریں گے تو بکنے کا نہیں—''

''وہ جو نمونے کے لگا رکھے ہیں، وہ بھی کیا فیکٹری سے سل کر آتے ہیں؟''

''نمونے والے کپڑے، ماڈل پر سئے جاتے ہیں—''

''تو وہی اتارکر لائیے!'' گرلوف نے کاؤنٹر پر گھونسہ مار کر کہا—

دوکاندار دوڑنے لگے، منیجر کو بلا لائے، ضدی گاہک کو ٹھنڈا کرنے لگے، سمجھانے لگے کہ نمونے

''نہیں جی، تنگ ہے! اور دکھاؤ، سب دکھا ڈالو!،،

''آپ چاہے کوئی سا سوٹ خریدیں، لیکن آتی گرمیوں تک تنگ ہو جائے گا،، بڑے میاں نے کہا — ''بچے تو بڑھتے ہیں، ایسے بڑھتے ہیں کہ ایک مصیبت ہے — میں جانوں، آپ نے اگر اس کے بالکل قد کا کوٹ پتلون لیا تو بعد میں روئیں گے موسم بدلنے پر — ،،

''ہم سوٹ کو برسوں سنبھال کر نہیں رکھتے ہیں،، گرلوف نے اکڑ کر جواب دیا— ''ہم تو پہن ڈالتے ہیں، کیوں، یورکا، ٹھیک ہے؟ آتی گرمیوں میں اور خرید لیں گے، روپے کا ٹوٹا نہیں ہے — ،،

''آپ اچھے باپ نہیں ہیں!،، دوکاندار کی زبان سے نکلا — ''مجھے آپ پر تعجب آتا ہے —،،

''لاؤ، بڑے میاں، ذرا اور دکھاؤ کوئی سوٹ!،، گرلوف پھسل پڑا —

''یہ لیجئے، کیا لاجواب کوٹ ہے، یہ خاص موقعوں پر پہننے کی چیز ہے! پتلون کس قدر نفیس ہے!،، دوکاندار نے بڑھا چڑھا کر تعریف کرڈالی —

''یہاں ذرا سا ترپ دو اور سیدھے فیشن گھر کو روانہ کر دو — ''

''لعنت بھیجو، کیا بیہودہ سلائی ہے — شرافت تو نام کو نہیں آپ لوگوں میں!'' گرلوف واقعی خفا ہو گیا — ''بےوقوف کسے بنا رہے ہیں آپ؟ یہ بچوں کا سوٹ ہے؟ ہمارے بچوں کے لئے ہے؟ کیا بےایمانی ہے!''

''ہم نہیں سیتے ہیں کپڑے'' ایکدم بڑے میاں نے گہرا سانس لے کر کہا — ''فیکٹری سے سلے سلائے آتے ہیں — ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ انہیں بیچیں اور ان کی تعریف کریں — تعریف نہیں کریں گے تو بکنے کا نہیں —''

''وہ جو نمونے کے لگا رکھے ہیں، وہ بھی کیا فیکٹری سے سل کر آتے ہیں؟''

''نمونے والے کپڑے، ماڈل پر سئے جاتے ہیں —''

''تو وہی اتار کر لائیے!'' گرلوف نے کاؤنٹر پر گھونسہ مار کر کہا —

دوکاندار دوڑنے لگے، منیجر کو بلا لائے، ضدی گاہک کو ٹھنڈا کرنے لگے، سمجھانے لگے کہ نمونے

"یہ تو ٹانگ کی بوری ہے، اور پتلون زمین تک جا رہا ہے!" کرلوف نے خفا ہو کر کہا۔

"پتلون لڑکے کے بڑھتے ہوئے قد کا ہے" دوکاندار نے شکایت کے لہجے میں جواب دیا۔ "میں تو جانوں، آپ کو ایسا ہی پتلون چاہئے۔ پہلے اس کو نیچے سے ترپ دیا جائے، بعد میں قد بڑھنے پر کھولا جا سکتا ہے۔ اور اگر نہیں چاہئے تو آپ جانیں، آپ کا کام!"

"ہونہہ، ہوں تو دیکھ لے" تیوری چڑھاتے ہوئے کرلوف نے دوسرا سوٹ اس کے ہاتھ میں دیا۔ "کیا ہے، دباتا ہے؟"

"ٹھیک آپ کے صاحب زادے کے قد کا ہے!" دوکاندار پکارا۔ "اگر ذرا آستینیں چھوٹی پڑتی ہیں تو وجہ یہ کہ لڑکے کا بدن معیار سے ہٹا ہوا ہے۔ شانوں پر دیکھئے، کیا ٹھیک آیا ہے کیوں بیٹی لڑکے، دباتا تو نہیں ہے نا؟"

بورکا ایسا حواس باختہ ہو رہا تھا کہ خود اسے بھی پتہ نہیں چلا، یہ سوٹ کہیں سے تنگ ہے یا نہیں۔ لیکن کرلوف نے خود ہی فیصلہ کر دیا:

بڑا تماشا تھا: ایک ملوٹا جوتے پہنے ہوئے جھولا جھول رہا تھا، لکڑی کے نقشین کھلونے تھے، قصہ کہانی والا مکرمچھ حوتوں کا جھڑا کھائے جارہا تھا، لکڑی کے بچے بچیاں ایسے اچھے اچھے کپڑے پہنے کھڑے تھے جیسے تہوار کے موقع پر پہنتے ہیں — گرلوف یورکا کو کھینچتا ہوا دوسری منزل پر لے گیا جہاں شور غل نہیں تھا، سلیقے سے بہت لمبی قطاروں میں اوورکوٹ ، واسکٹیں، لڑکیوں کے ڈریس لٹکے ہوئے تھے، قسم قسم کے جوتے اور بوٹ بھرے ہوئے تھے —

''سب سے زیادہ چلنےوالا کوئی سوٹ دلوائیے!،، گرلوف نے بیزاری سے کہا —

دبلا پتلا بوڑھا دوکاندار دو جوڑ کوٹ پتلون لے کر آیا — گرلوف نے اسے چٹکیوں سے مل کر دیکھا، الٹا پلٹا، روشنی میں اٹھا کر دیکھا، کوئی بات تھی جو اسے پسند نہیں آئی — اندر کوٹھری میں گئے کہ بدن پر ناپ کر دیکھ لیں —

''بہت عمدہ، اور پتلون تو بالکل ٹھیک آیا،، دوکاندار نے کہا —

کوٹ پتلون تو موجود ہیں لیکن بڑوں کے ہیں — اور تین دوکانوں کے چکر کاٹے — غصے کے مارے گرلوف کی وہ حالت ہو رہی تھی جو کوٹھری میں بند اس کتے کی تھی — یورکا کو کھینچ کر وہ ٹرام کے اسٹاپ پر لے گیا —

"باندھ دیا میرے گلے، اونہہ، میرے گلے باندھ گئی!" وہ بہت ناراض ہوا اور سختی سے یورکا کو ہاتھ پکڑکر کھینچنے لگا — "چلتے ہیں، جب گھر پہنچیں تو ماں سے کہیو کہ سو کا نوٹ رکھ دے میری مٹھی میں —"

شہر کے بیچوں بیچ کا علاقہ رنگارنگ تھا اور اس میں شور برپا تھا — ڈامر کی گیلی سڑک پر موٹروں، لوگوں اور مکانوں کا عکس نظر آ رہا تھا : ہر طرف لاٹری کے ٹکٹ، آئس کریم، سموسے اور غبارے بک رہے تھے — یورکا کو اتنا بھی موقع نہیں ملا کہ جی بھرکر ان تماشوں سے لطف‌اندوز ہو سکے، گرلوف اس کا ہاتھ تھامے گھوڑے کی طرح ڈک بھرتا چلا جا رہا تھا —

دومنزلہ عمارت کی ایک دوکان جس پر لکھا تھا "بچوں کا اسٹور"، اس کی سجی ہوئی کھڑکیوں میں

کی خنجر کی — "ہیں تجھے کبھی نہیں ستانے کا،
کسی حق سے مت ڈرے —"

"میں نہیں ڈرتا،" جرکی نے جواب دیا —

"اچھا، ہے — کرتے ہو... اچانک گرلوف
نے غصے سے کہا — "آج ہی قصہ پاک کئے
دیتا ہوں، صاف سچی تم نے ہوئے تاڑی‌خانے جاتا
ہوں — .."

جرکی نے معذرت مسکی کے ساتھ کوٹ تانا
شروع کر دیا — اس نے جی میں سوچ لیا کہ جو
کچھ بھی گزر جائے، چپ چاپ برداشت کروں گا —
دونوں خاموشی کے ساتھ مکان سے نکلے، گیلی سڑکوں
پر جیب جیب کرتے رہے، گلی کوچوں میں دھکے
کھاتے رہے اور آخر ایک بنیچر دوکان میں پہنچے
جہاں بڑی بڑی برساتیاں لٹک رہی تھیں، سلولائڈ کے
کھلونے تھے، لیکن بچکانہ سائز کے کوٹ پتلون کہیں
نظر نہ آئے —

"اوکتیابرسکایا میں ملیں گے،" مایوسی کے ساتھ
گرلوف نے اپنی گدی سہلائی —

اوکتیابرسکایا چلے — وہاں پہنچ کر دیکھا کہ

''ارے جا، نکھٹو!،، گھر کی مالکن میز لگاتے ہوئے بولی — ''میں واقعی سمجھی، تیرا بیٹا ہوگا — بھول گئی کہ تیرا تو بیاہ ہی نہیں ہوا — دھوبی کے کتے کی طرح نہ گھر کا، نہ گھاٹ کا —،،

''بن بیاہے کی آزادی ہے، ایوانوونا!،، گرلوف ہنس کر بولا —

''بےوقوف ہو تم تو، بالکل بےوقوف!،، عورت نے لمبا سانس لیا — ''جس کے بال بچے نہیں اس نے زندگی ہی نہیں دیکھی — ابھی کیا، بوڑھاپے میں جا کر پتہ چلےگا — میرا بس چلتا تو ایسے بن گھر بار کے لنڈورے پھرنے کی مناہی کرا دیتی!،،

گرلوف قہقہہ مار کر ہنس پڑا، گھروالی سے اور یورکا سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا، بےتابی سے سالن بھر بھر کر کھاتا رہا، لیکن یورکا نے کھانا نہیں چاہا — گرلوف کی جملہ بازی اسے پسند نہیں آئی — دل دکھ گیا —

''تو، کھانا کھا رے لڑکے، کھانا کھا، اس مسخرے کی مت سن،، پھپھس عورت نے چمکار کر اس

جھٹکے دیتا تھا، اچھلتا کودتا تھا اور غراتا تھا۔ پھر دوباری میں ایک موٹی تازی پھپھس عورت نکل کر آئی، اور اس نے کتے کو کوٹھری میں بند کر دیا۔ جماھیاں لیتے ہوئے بھاری پھاٹک کھولا، اور گرلوف نے بہت احتیاط کے ساتھ مکان کے احاطے میں ٹرک لاکر لگا دیا۔

''کیوں پیارے، یہ کس کی چھوکری ہے تمھارے ساتھ؟'' اس عورت نے تعجب سے پوچھا۔

''ذرا آنکھیں کھول کے دیکھو ایوانوونا، نوجوان پٹھا ہے!'' گرلوف گویا چڑ گیا۔

''کہیں تمھارا ھی تو نہیں ہے؟''

''چلو، میرا ھی سہی، اچھا ہے نا؟''

''اچھا لڑکا ہے۔ صورت بھی کیسی ملتی ہے!''

''جھوٹ بہکا رہے ھیں'' یورکا بول پڑا، گرلوف کے بیٹا کہہ دینے سے اس پر جھینپ سوار ہو گئی تھی۔

''لو، اور دیکھو، باپ نہیں مانتا مجھے! اچھا، تو خیر۔ چلو، ایوانوونا، چائے وائے سے تواضع کر دو ھماری!''

کی اس حالت پر بڑا افسوس ہوا، بہت ہی افسوس ہوا ــ جھک کر انھیں اٹھا لیا جائے؟ نہیں، وہ طے نہیں کر سکا، لیکن پھر یہی سوجھی: ''ممکن ہے، سارے کے سارے برباد نہ ہوئے ہوں، ممکن ہے ان میں کوئی صاف ستھرا نکل آئے ــ''

۳

بجلی کے ڈپو پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ٹرانسفارمر آج نہیں، کل نکال کر دیا جا سکے گا ــ حسب معمول بڑی بڑی سڑکوں پر گاڑی گھمانے کے بعد گرلوف نے تنگ اور پیچدار گلیوں میں چکر کاٹے ــ ''کلخوز ہوٹل''، پر وہ کبھی نہیں ٹھیرتا تھا کیونکہ وہاں قیام وطعام کے پیسے ادا کرنے پڑتے ہیں، بلکہ اپنے مختلف جان پہچان والوں کے ہاں رات بسر کر لیتا تھا، جو کسی نہ کسی خدمت کے بدلے اس کے احسان‌مند رہا کرتے تھے ــ

اب کے ایک چھوٹے سے، نیچی چھت کے مکان میں ٹھیرنا ہوا، جہاں احاطے پر ایک غضبناک کتا بھی زنجیر میں بندھا ہوا موجود تھا ــ وہ زنجیر کو

سلامت تیرے تخیل کو، اس کا یہ کہنا یاد آیا: "خواہ مخواہ کی تکلیف دیتے ہیں۔" گولوں کے دل دھڑکنے لگے—

"عجیب ملاقات ہے" کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے میں نے اپنے آپ سے کہا "اس عورت کو سمجھو کیسے کہ اپنی خواہش میرے سر باندھ رہی ہے؟ کیا میں حقیقت سے انتقام کے ڈر نکلا ہوں؟ میں جانتا ہوں اس کی نظر میں کوئی بھوت ہوں اور مسکراتی ہے۔ وہ تو سمجھ میں کوئی ایسی بات ہو جسے کہتے ہیں... قسم نہیں، غرض کہ بے حد عجیب... اس کے جی چاہے سوچے کہ "یہ عورت۔" لیکن نہ جانے کیوں، صرف یہ سوچا "یہ محترمہ۔"

بچہ [illegible] اپنے کمرے میں سکڑ سمٹ گیا تھا— وہ جب میں سوچنے پر [illegible] تھا: "بھلا ایسی کونسی [illegible] بات میرے منہ سے نکل گئی ہوگی جس پر [illegible] ہو گیا—" دیکھا تو وہ [illegible] کی [illegible] میں [illegible] پیروں کے نیچے [illegible] میں [illegible] — بچے کو [illegible]

ہے! میں اس معاملے کو جانوں ہوں۔ خود بھی باپ کے بغیر پلا بڑھا، بڑی ویسی زندگی ہوتی ہے...''

''ہاں، نہیں تو، ہی پلا کر مارے پیٹے گا مجھے''
یورکا نے ریمارک کیا۔

''ارے نہیں، ہر ایک باپ نہیں مارا کرتا''
گرلوف نے اس کی تردید کی۔ ''تجھے تو ایسا باپ ملنا چاہئے، جیسے میں ہوں۔ کیوں، بتا، ڈرائیور جس کے پاس گاڑی ہو، ایسا باپ چاہئے تجھے یورکا؟''

یورکا سوچ میں پڑ گیا۔ پھر ایک دم بولا:

''نہیں۔''

گرلوف کے کان کھڑے ہوئے۔ اس کے سدھے ہوئے کانوں میں انجن کی بگڑی ہوئی آواز پڑی: ''پرانے پسٹن ہیں، پرزہ پرزہ ڈھیلا ہو چکا ہے، کباڑ خانے میں ڈالنے قابل ہو گئی لیکن ڈائریکٹر اسے کھینچے جا رہا ہے: ''ذرا اور ہوشیاری سے اسے چلائے جاؤ۔ اور گھسیٹ لو، روپیہ نہیں ہے نئی گاڑی کے لئے...'' تف ہے ایسی زندگی پر! گرلوف کو یاد آیا کہ نام کرن کا موقع نکل گیا اور وہ پہنچ نہیں سکا۔ استانی دیموا کی

''رک جا، ھاں، اب چالو کر دے — رفتار بدلنا مت بھولیو! چلا، چلا، چلا دے!،، وہ یورکا کو گاڑی چلانا سکھا رھا تھا —

''عائے، ذرا اماں دیکھ لیتیں!،، یورکا نے کہا، جو بے انتہا خوش تھا اور یہ کہہ کر اپنی جگہ سرک آیا — ''چچا میشا، آپ فارم میں پہنچ کر مجھے ذرا چلانے دیں گے گاڑی؟ آج ھی نہیں، کبھی اور؟،،

''ھاں، کبھی اور اجازت دے دوں گا،، گرلوف نے مسکراتے ھوئے جواب دیا — ''تیری اماں کو بھی گاڑی پر بٹھا کے گھما دیں گے مزے میں، ہے نا یورکا؟،،

''آھا! آپ ان پر بگڑیں گے نہیں — وہ تو بہت اچھی ھیں — ،،

''بگڑنا کا ہے کا؟ سنجیدہ بردبار عورت ھیں،، گرلوف نے خیالوں میں کھوئے ھوئے کہا — ''ہے، بہرحال بری بات، یورکا کہ تیرا باپ نہیں — واقعی نہیں ہے کیا؟ اپنی ماں سے کہیو کہ ڈرنا ورنا کیا ہے، شادی کرلے اب — باپ کے بغیر بری بات

ہے! میں اس معاملے کو جانوں ہوں — خود بھی باپ کے بغیر پلا بڑھا، بڑی ویسی زندگی ہوتی ہے...،،

”ہاں، نہیں تو، بی پلا کر مارے پیٹے گا سجھے،، یورکا نے ریمارک کیا —

”ارے نہیں، ہر ایک باپ نہیں مارا کرتا،، گرلوف نے اس کی تردید کی — ”تجھے تو ایسا باپ ملنا چاہئے، جیسے میں ہوں — کیوں، بتا، ڈرائیور جس کے پاس گاڑی ہو، ایسا باپ چاہئے تجھے یورکا؟،،

یورکا سوچ میں پڑ گیا — پھر ایک دم بولا:

”نہیں —،،

گرلوف کے کان کھڑے ہوئے — اس کے سدھے ہوئے کانوں میں انجن کی بگڑی ہوئی آواز پڑی: ”پرانے پسٹن ہیں، پرزہ پرزہ ڈھیلا ہو چکا ہے، کباڑ خانے میں ڈالنے قابل ہو گئی لیکن ڈائریکٹر اسے کھینچے جا رہا ہے: ”ذرا اور ہوشیاری سے اسے چلائے جاؤ — اور گھسیٹ لو، روپیہ نہیں ہے نئی گاڑی کے لئے...،، تف ہے ایسی زندگی پر! گرلوف کو یاد آیا کہ نام کرن کا موقع نکل گیا اور وہ پہنچ نہیں سکا — استانی دیمووا کی

غڑاپ! ٹہنیاں جواب دے گئیں، اور ٹرک پھر وہیں دھنس گیا جہاں سے سرکا تھا —

اتنے ڈرائیور اور ٹہنیاں توڑ کر لائے، یورکا نے ہاتھ چلا چلا کر اپنی کمر پر کسا ہوا پٹکا ڈھیلا کر لیا، کیبن سے اتر آیا اور ٹرک کا ایک چکر لگایا — پچھلے پہیوں کے نیچے کیچڑ گرا تھا —

''لائیے، میں انہیں بھرتا رہوں گا،، یورکا نے عالی ظرفی سے اپنی خدمات پیش کر دیں —

''یہ شیطان اور اپنا ہاتھ پاؤں توڑے گا!،، گرلوف چیخا — وہ سرخ ہو رہا تھا — لیکن منھ پونچھ کر آہستہ سے بولا: ''اچھا، لے دیکھ... ذرا ہٹ کر لکڑی ڈالیو، پہیوں سے بچ کر رہیو!،،

ٹرک اپنی جگہ سے کچھ ہی سرکا ہوگا کہ یورکا نے بے تحاشا گھومتے ہوئے پہیے کے نیچے ٹہنیاں ڈالنی شروع کر دیں — کام ٹیڑھا بھی تھا، دل چسپ بھی — وہ ٹہنیاں ڈالتا جاتا تھا، ٹہنیاں پستی اور چیخ کر باہر اچھلتی جاتی تھیں، اور یورکا جوش و خروش کے ساتھ اپنے کام میں لگا ہوا تھا جیسے شیر کے کٹہرے میں ہڈیاں جھونک رہا ہو —

دیا — اور ابھی تین دن کی بات ہے کہ سرخ بالوں والی چھوکری تانیا کی مرمت کردی — بڑی چھیڑ خانی کرتی ہے، بہت اکڑتی ہے بے ایمان — خیر اس تانیا کی بچی کو تو پٹنا ہی چاہئے تھا — آئندہ بھی اس کی مرمت کی جائے گی — یہ ایسا کوئی قصور نہیں ہے —

گرلوف دھم سے ٹرک کی کیبن میں پہنچا، موٹر اسٹارٹ کرنے میں زور سے گیرکا ہینڈل گھمایا — گاڑی نے پھٹ پھٹ کی لیکن اپنی جگہ سے نہیں ہلی — گرلوف باربار دوڑ کر پیچھے کے پہیوں کی طرف جانے لگا، ان کے نیچے ٹہنیوں کی روک بھرتا، پھر جلدی سے اپنی سیٹ پر آتا، گاڑی بڑھانے کی کوشش کرتا، گاڑی پھر گھرر گھرر کرتی اور جانوروں کی طرح دھڑوکنے لگتی — یورکا برابر اس کوشش میں تھا کہ کم سے کم جگہ میں سمٹ جائے — بلکہ ڈرائیور پر اسے ترس آنے لگا تھا — وہ ہانپ رہا تھا، ماتھے سے پسینے کی بوندیں ٹپک رہی تھیں — ہر بار یہ لگتا تھا کہ ذرا سی کسر رہ گئی ہے، پہیے اپنی جگہ سے آگے کو سرکے، انھوں نے دھچکا کھایا اور...

پڑا — دیر تک بارش میں بے بس کھڑا رہا — کبھی اپنی چھجے دار ٹوپی ماتھے پر کھسکاتا، کبھی گدی پر — سیٹ کے نیچے سے کلہاڑی کھینچ کر وہ ٹہنے کاٹنے چل دیا —

پہاڑ کی چڑھائی پر آس پاس جہاں کوئی زندہ چیز تھی، ڈرائیوروں نے اپنی اپنی کلہاڑیاں ان پر برسوں آزمائی تھیں، وہ پھر اگس اور انہوں نے پھر کاٹ پیٹ کر صاف کر ڈالا، اس لئے مجبوراً گرلوف کو جھاڑ جھنکڑ کاٹنے کے لئے اندر اتنی دور نکل جانا پڑا کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا —

گرلوف نے جاتے وقت دروازہ بند نہیں کیا — ہوا نم خوردہ غبار لئے ہوئے اندر آتی رہی — موٹر آہستہ آہستہ ٹھنڈا پڑتا گیا — بورکا ایک کونے میں سکڑ سمٹ کر بیٹھ گیا اور اس کا جی چاہا کہ رو پڑے — اس بات کا سخت پچھتاوا ہونے لگا کہ خواہ مخواہ کیوں نفیدیچ کے باغ میں ناشپاتی توڑنے گھسا تھا — اور ایک ساتھ وہ ساری بتائیں یاد آنے لگیں کہ ایک دفعہ ماں نے منع کر رکھا تھا مگر وہ تالاب میں نہانے نکل گیا، پڑوسی کے کتے کو چھیڑ

دیا — اور ابھی تین دن کی بات ہے کہ سرخ بالوں والی چھوکری تانیا کی مرمت کردی — بڑی چھیڑ خانی کرتی ہے، بہت اکڑتی ہے بے ایمان — خیر اس تانیا کی بچی کو تو پیٹنا بھی چاہئے تھا — آئندہ بھی اس کی مرمت کی جائے گی — یہ ایسا کوئی قصور نہیں ہے —

گرلوف دھم سے ٹرک کی کیبن میں پہنچا، موٹر اسٹارٹ کرنے میں زور سے گیرکا ہینڈل گھمایا — گاڑی نے بھٹ بھٹ کی لیکن اپنی جگہ سے نہیں ہلی — گرلوف باربار دوڑ کر پیچھے کے پہیوں کی طرف جانے لگا، ان کے نیچے ٹہنیوں کی روک بھرتا، پھر جلدی سے اپنی سیٹ پر آتا، گاڑی بڑھانے کی کوشش کرتا، گاڑی پھر گھرر گھرر کرتی اور جانوروں کی طرح دھڑوکنے لگتی — یورکا برابر اس کوشش میں تھا کہ کم سے کم جگہ میں سمٹ جائے — بلکہ ڈرائیور پر اسے ترس آنے لگا تھا — وہ ھانپ رہا تھا، ماتھے سے پسینے کی بوندیں ٹپک رہی تھیں — ہر بار یہ لگتا تھا کہ ذرا سی کسر رہ گئی ہے، پہیے اپنی جگہ سے آگے کو سرکے، انھوں نے دھچکا کھایا اور..

پڑا — دیر تک بارش میں بے بس کھڑا رہا — کبھی اپنی چھجے دار ٹوپی ماتھے پر کھسکاتا، کبھی گدی پر — سیٹ کے نیچے سے کلہاڑی کھینچ کر وہ ٹھنے کاٹنے چل دیا —

پہاڑ کی چڑھائی پر آس پاس جہاں کوئی زندہ چیز تھی، ڈرائیوروں نے اپنی اپنی کلہاڑیاں ان پر برسوں آزمائی تھیں، وہ پھر اگیں اور انہوں نے پھر کاٹ پیٹ کر صاف کر ڈالا، اس لئے مجبوراً گرلوف کو جھاڑ جھنکاڑ کاٹنے کے لئے اندر اتنی دور نکل جانا پڑا کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا —

گرلوف نے جاتے وقت دروازہ بند نہیں کیا — ہوا نم خوردہ غبار لئے ہوئے اندر آتی رہی — موٹر آہستہ آہستہ ٹھنڈا پڑتا گیا — بورکا ایک کونے میں سکڑ سمٹ کر بیٹھ گیا اور اس کا جی چاہا کہ رو پڑے — اس بات کا سخت پچھتاوا ہونے لگا کہ خواہ مخواہ کیوں نفیدیچ کے باغ میں ناشپاتی توڑنے گھسا تھا — اور ایک ساتھ وہ ساری ستائیں یاد آنے لگیں کہ ایک دفعہ ماں نے منع کر رکھا تھا مگر وہ تالاب میں نہانے نکل گیا، پڑوسی کے کتے کو چھیڑ

"ماں نہیں راضی —"

"کیا وجہ؟"

"اسے ڈر ہے کہ میری مصیبت کر دیں گے"

یورکا نے سنجیدگی سے وجہ بیان کی اور اعتماد کے ساتھ یہ جملہ اور بڑھایا "ٹھیک کرتی ہے ماں —"

"کیا برے آدمی ہیں رشتہ دینے والے؟"

"کئی طرح کے ہیں..."

"ہوں — اور یہ تو نے اپنا آخری بتلون کیسے پھاڑ لیا؟"

"ناشپاتی توڑنے... گئے تھے —"

"نفیدیچ کے باغ میں گئے ہوگے کانٹوں والے تاروں کی باڑھ میں سے؟"

"آں — ہوں —"

"ابھی کچی ہیں ناشپاتیاں..." کرلوف نے اظہار خیال کیا —

"کیا ہرج ہے..."

"کدھر سے گئے تھے تم لوگ، فارم میں سے ہو کر؟"

"آں — ہاں" یورکا نے پورا سانس نکال دیا —

گرلوف نے رفتار تیز کر دی — اسے دکھ تھا کہ ابھی بہت فاصلہ طے کرنا ہے — خاص فکر اس کی تھی کہ بیریگونوکا کے پاس پہنچ کر بڑی چڑھائی آتی ہے —

''ابے او، سو مت!،، اس نے اپنے مسافر شانے کو ٹھوکا دیا — ''آگے راستہ بڑے جھٹکوں ہے — انجن جبر ڈھیلے ہو جائیں گے — جواب تو دینا ہے... خواہ مخواہ تجھے نہیں میرے ہی پڑنا تھا!،،

یورکا نے لمبا سانس لیا اور بالکل ہی کونے پہنچ کر بیٹھ گیا — گرلوف نے دروازے کن انکھیوں سے دیکھا: ٹھیک طرح بند ہے نا نہیں تو، جھٹکا کیا کر یہ مسافر ہی نیچے پڑے —

''تیری ماں دوسرا باپ کیوں نہیں دلوا تجھے؟ کیا رشتے پیغام نہیں آتے اس کے؟،، نے کڑے لہجے میں پوچھا —

''رشتے پیغام تو آتے ہیں...،،

''پھر کیا ہے؟،،

''ماں نہیں راضی — ''
''کیا وجہ؟''
''اسے ڈر ہے کہ میری مصیبت کر دیں گے''
یورکا نے سنجیدگی سے وجہ بیان کی اور اعتماد کے ساتھ یہ جملہ اور بڑھایا ''ٹھیک کرتی ہے ماں —''
''کیا برے آدمی ہیں رشتہ دینے والے؟''
''کئی طرح کے ہیں...''
''ہوں —— اور یہ تو نے اپنا آخری پتلون کیسے پھاڑ لیا؟''

''ناشپاتی توڑنے... گھسے تھے —''
''نفیدیچ کے باغ میں گھسے ہوگے کانٹوں والے تاروں کی باڑھ میں سے؟''
''آں —— ہوں — ''
''ابھی کچی ہیں ناشپاتیاں...'' گرلوف نے اظہار خیال کیا —
''کیا حرج ہے...''
''کدھر سے گھسے تھے تم لوگ، فارم میں سے ہو کر؟''
''آں — ہاں'' یورکا نے پورا سانس نکال دیا —

گرلوف نے رفتار تیز کر دی — اسے دکھ تیا که ابھی بہت فاصلہ طے کرنا ہے — خاص فکر اس کی تھی کہ پیریگونوفکا کے پاس پہنچ کر بڑی چڑھائی آتی ہے —

''اے او، سو مت!،، اس نے انہیے مسافر کے شانے کو ٹھوکا دیا — ''آگے راستہ بڑے جھٹکوں کا ہے — انجرپنجر ڈھیلے ہو جائیں گے — جواب تو مجھے دینا ہے... خواہ مخواہ تجھے بھی میرے ہی سر پڑنا تھا!،،

یورکا نے لمبا سانس لیا اور بالکل ہی کونے میں بھیج کر بیٹھ گیا — گرلوف نے دروازے کو کنانکھیوں سے دیکھا: ٹھیک طرح بندھے نا، اور نہیں تو، جھٹکا کھا کر یہ مسافر ہی نیچے نہ جا پڑے —

''تیری ماں دوسرا باپ کیوں نہیں دلوا دیتی تجھے؟ کیا رشتے پیغام نہیں آتے اس کے؟،، گرلوف نے کڑے لہجے میں پوچھا —

''رشتے پیغام تو آئے ہیں...،،

''پھر کیا ہے؟،،

بیٹھا جائے گا — چم چم کرتے چھری کانٹے — واہ، یہ کلیجز ہوا! پیلے رنگ کی کسیلی بیئر ''ژیگولیوفسکوئے،، نظر کے سامنے ہو گی اور اس سے لگا ہوا ایک جام وادکا کا... ذہن میں تصویر ابھرتے ہی منہ میں پانی بھر آیا — میز پر پہلے والوں کی کچھ چھلکائی ہوئی موجود ہے، راکھدان میں سگریٹوں کے ٹرے بجھے پڑے ہیں — قہوہ خانے کی ملازمہ پھرتی کے ساتھ میز صاف کرنے لگتی ہے اور وہ چھیڑخانی میں اسے گلے لگانے کو ہاتھ بڑھاتا ہے اور ہاتھ جھٹک دیا جاتا ہے — دھواں ہی دھواں، شور ہی شور، اتنے میں بات چیت کرنے والے پیدا ہو جاتے ہیں — ذرا دیر بعد ایک ملاقاتی نظر آتا ہے — کہیں راستے میں رہ گیا تھا، بھیگا ہوا ہے، کسا گورسک کا پھیرا کرکے سیدھا چلا آ رہا ہے، جہاں بغلے آدمی نے دوٹائر تباہ کرکے رکھ دئے — ''ارے اے، میشا! چار یار موجود ہیں، پانچویں کرسی تیری سہی — کھسکالے ادھر!..،، ڈرائیور کے جنے کی ساری دنیا سے آشنائی ہے: ریل کے ہر پھاٹک پر اس کے یار، ہر کھمبے پر ملاقاتی —

یورکا خاموش رہا اور خیال دوڑانے لگا۔

''نہیں، یہ نہیں ہوتا ہے،،'' لڑکے نے تڑ سے منہ پر جواب دیا۔

''ہشت، بےوقوف!،،'' گرلوف نے قصہ تمام کردیا اور جیب میں سگریٹ کے لئے ہاتھ ڈالا۔ سگریٹ سلگانے بھی نہ پایا تھا کہ عورتیں کیس کی چھت پر کھٹکھٹانے لگیں کہ گاڑی روک دی جائے، انہیں بیریگونوفکا بستی کے موڑ پر اترنا تھا۔ گرلوف ٹرک روک کر اترا، انہیں اتارا، حسب معمول سب سے پیسے وصولے، بھیٹے ہوئے نوٹ پر تو تو میں میں کی، اور جب ان سے نمٹ کر واپس آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ یورکا آنکھیں بند کئے ایسے پڑا ہے جیسے سو گیا ہو۔

''سور، ویسے بڑا چالاک ہے!،،''

روپیہ اندر رکھ کر اور سگریٹ سلگا کر ڈرائیور کا موڈ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے تصور کیا کہ سفر طے کرکے وہ سب سے پہلے ''چائکا،، نام کے قہوہ خانے میں پہنچ کر دم لےگا، وہاں سنگ مرمر کی تپائی کے سامنے سردی سے محفوظ ٹھکانے پر ذرا جم کر

بیٹھا جائے گا— چم چم کرتے چھری کانٹے — واہ، یہ
کلچر ہوا! پیلے رنگ کی کسیلی بیئر ''ژیگولیوفسکوئے،،
نظر کے سامنے ہو گی اور اس سے لگا ہوا ایک جام
وادکا کا... ذہن میں تصویر ابھرتے ہی منھ میں پانی
بھر آیا— میز پر پہلے والوں کی کچھ چھلکائی ہوئی
موجود ہے، راکھدان میں سگریٹوں کے ٹرے بجھے
پڑے ہیں— قہوہ خانے کی ملازمہ پھرتی کے ساتھ
میز صاف کرنے لگتی ہے اور وہ چھیڑخانی میں اسے
گلے لگانے کو ہاتھ بڑھاتا ہے اور ہاتھ جھٹک دیا
جاتا ہے— دھواں ہی دھواں، شور ہی شور، اتنے
میں بات چیت کرنے والے پیدا ہو جاتے ہیں— ذرا
دیر بعد ایک ملاقاتی نظر آتا ہے— کہیں راستے
میں رہ گیا تھا، بھیگا ہوا ہے، کساگورسک کا پھیرا
کرکے سیدھا چلا آ رہا ہے، جہاں پہلے آدمی نے
دوٹائر تباہ کرکے رکھ دئے— ''ارے اے، میشا!
چار یار موجود ہیں، پانچویں کرسی تیری سہی—
کھسکالے ادھر!..،، ڈرائیور کے جنے کی ساری دنیا
سے آشنائی ہے: ریل کے ہر پھاٹک پر اس کے یار،
ہر کھمبے پر ملاقاتی—

یورکا خاموش رہا اور خیال دوڑانے لگا۔

"نہیں، یہ بھی ہوتا ہے،" لڑکے نے تڑ سے منہ پر جواب دیا۔

"ہشت، بےوقوف!،" گرلوف نے قصہ تمام کردیا اور جیب میں سگریٹ کے لئے ہاتھ ڈالا۔ سگریٹ سلگانے بھی نہ پایا تھا کہ عورتیں کیبن کی چھت پر کھٹکھٹانے لگیں کہ گاڑی روک دی جائے، انہیں پیریگونوفکا بستی کے موڑ پر اترنا تھا۔ گرلوف ٹرک روک کر اترا، انہیں اتارا، حسب معمول سب سے پیسے وصولے، پھٹے ہوئے نوٹ پر تو تو میں میں کی، اور جب ان سے نمٹ کر واپس آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ یورکا آنکھیں بند کئے ایسے پڑا ہے جیسے سو گیا ہو۔

"سور، ویسے بڑا چالاک ہے!،"

روپیہ اندر رکھ کر اور سگریٹ سلگا کر ڈرائیور کا موڈ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے تصور کیا کہ سفر طے کرکے وہ سب سے پہلے "چائکا" نام کے قہوہ خانے میں پہنچ کر دم لےگا، وہاں سنگ مرمر کی تپائی کے سامنے سردی سے محفوظ ٹھکانے پر ذرا جم کر

[illegible] شکوہ [illegible] بالکل [illegible] چھوڑا اور
[illegible] تھا
''[illegible] گھبرائے [illegible] اوسط میں تھی سے
[illegible] ہوئے ... [illegible] تھا۔
''[illegible] ... [illegible] ہونگے [illegible] اس نے سہم کر
[illegible] اور [illegible] سے [illegible] ڈالی۔ ''باپ نہیں
[illegible] میرا ...
''[illegible] [illegible] [illegible] نہیں تھے ... ڈرائیور نے
[illegible] کر کہا۔ ''[illegible] ہو ...
''نہیں تھا ...
''[illegible] ...
''نہیں [illegible] ہوتا۔'' [illegible] ہوئے کہا اور
[illegible] کی [illegible] سے ذرا ادھر سرک جانے۔
''کچھ [illegible] تھا۔'' [illegible] سے ڈرائیور نے کہا
''کوئی باپ تو ضرور رہا ہوگا میرا ...''
''نہیں رہا میرا ...'' [illegible] نے بڑے یقین
کے ساتھ جواب دیا۔
''باپ کے بغیر بچے پیدا نہیں ہوا کرتے،
سمجھا؟'' ڈرائیور نے اسے سمجھایا اور ننھے مسافر
کو ایک نظر دیکھا۔

ایک ترکیب اور ہے: اسے چکر کٹواکر واپس
بھیجا دوں اور جھوٹ موٹ بات بنا دوں کہ بچوں
کے نوٹ بٹوے میں ملے" گرلوف بات بنانے میں
استاد تھا — کوئی ڈھنگ کا قصہ تلاش کرنے میں
اس کے خیالات بھٹک گئے تھے لیکن فوراً یاد آیا کہ
دھمویا ہے اس محسن کے پیسے ادا کرنے کا وعدہ کیا
تھا — مگر یہ تھا تو معنی [illegible]
آ پڑی تھی تو جیسے [illegible]

[illegible]

خریدوانا آتا ہو، نہ آتا ہو، یہ کوئی نہیں پوچھتا دھت تیری ایمانداری کی بھی ایسی تیسی!..

کرلوف کو بچوں سے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا، ان سے محبت بھی نہیں تھی، ان سے وہ ڈرتا تھا— اگر کہیں کوئی ماں اپنے بچے کو بہلانے کی خاطر کہہ بیٹھتی: "یہ لو چچا ہیں— کون سے چچا ہیں یہ؟" تو وہ حواس‌باختہ ہو جاتا، ڈر جاتا اور کوشش کرتا کہ کسی طرح کنی کاٹ جائے، کیوں کہ ایسی صورت میں وہ خود کو انتہائی کودن پاتا تھا—

مانا کہ یورکا بالکل ننھا نہیں تھا، لیکن پھر بھی کرلوف سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس معاملے سے نمٹا کیسے جائے گا— دوکان میں جا کر اس کے لئے کوٹ پتلون کا چناؤ کرنا اسے اپنے بس کی بات نہیں معلوم ہوتی تھی— توبہ ہے، اس سے تو یہی غنیمت تھا کہ لڑکے کو راستے میں کہیں گاڑی سے اتار دیا جائے! بچکانہ چیزوں کی خریداری سے تو یہی اچھا تھا کہ کسی کے لئے گائے، ٹریکٹر، کمبائن کی خریداری اپنے ذمے لے لی جاتی—

کے ہاتھ اسٹیرنگ پر کام کر رہے تھے، پاؤں کلچ دبا
رہے تھے لیکن دماغ اس ادھیڑبن میں کہ بتا نہ
میں نے بھی نیا زندگی پائی — جو گزر گئی اس
میں کچھ اچھائی نظر نہیں آتی، جو آگے گزرنے والی
ہے، اس میں کہیں اجالے کا پتہ نہیں —

کیا کیا جائے، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا —
یہی کہ کلٹو بٹ کر یہاں سے بھاگ لیا جائے؟
کیونکہ یہاں تو کچھ مرا نہیں، کسی کو اس کی
ضرورت نہیں، صرف اس کے سر اور ہاتھ پاؤں چاہئے —
کوئی اس سے محبت نہیں کرتا — محبت کیا ہوتا
تو واقعی محبت کی بات تھی — ادھر بیٹھو، ادھر
بیٹھو، اور دوڑ لگواؤ — کل بھی یہی تھا، آج بھی
یہی ہے اور کل بھی یہی ہونے والا ہے — ایسا بھی
نہیں کہ ماہ برس کے سہارے پر ہی بہلا لیں،
اور جان اوپر سے، جس میں یہ آخری کڑوی بوند
کہ محبت سچ کی ایک ڈوبی سرد ہوتی ہے —
سوچو تو ہنسی آئے: دیکھئے تو، نوٹ بیسوں خریدوانا
ہے صاحب زادے نوا جی ہوتا ہو، نہ چاہتا ہو،

دیموو‌ا نے اپنے نور چشم کو ڈرائیوروالی سیٹ
میں ٹھونستے ہوئے خوش ہوکر کہا: ''لو، بھئی،
بالکل وقت پر پہنچ گئے! یورکا، میشا چاچا کا کہنا
ماننا، راستے میں شرارت مت کرنا — وہ تمہیں کوٹ
پتلون دلوا کر واپس لے آئیں گے — اور یہ لو، راستے
کے لئے میٹھے سموسے رکھ دئے ہیں — بیٹھ جاؤ،
نچلے بیٹھے رہنا! میشا، میری آپ سے بہت بہت عرض
ہے... اس لڑکے کے بدن پر کوئی چیز ٹھیرتی نہیں!
ذرا خوب مضبوط سا چھانٹ کر دلوائیےگا اسے —
یہ روپیہ ہے — میں آپ کا بڑا احسان مانوں گی!،،
گرلوف نے مشین کی طرح روکھےپن سے روپیہ
لےلیا جو اخبار میں سلیقے سے تہہ کرکے رکھا گیا
تھا، روپیہ لیا اور اس کے جی میں آئی کہ کیبن سے
باہر کود جائےاور لاری کا پٹ کھول کر گلا پھاڑ
پھاڑ کر کہے: ''ہاں، ہاں، لگا دو، لگا دو، اسی
میں بچوں کا باغ — بالک گھر میں سے اٹھا لاؤ دودھ
پیتوں کو، چسنیاں لینے جا رہے ہیں نا ہم!،، کہنے
کو تھا کہ استانی، کی آنکھوں [illegible] کھیں چار ہو
گئیں اور ایک [illegible]
عمل ک [illegible]

تماش کا آدمی ہے، ورنہ بچے کو اس کے سپرد کرنے کی جرأت ہی نہ کرتی—

اور استانی کو یہ بھی خبر نہیں تھی کہ گرلوف اگر شہر کو روانہ ہو گیا تو اس کا یہ قیاس غلط ہے کہ بس، وہ سیدھا جائےگا اور واپس آ جائےگا، نہیں، رات وھیں کاٹےگا، آدھا دن گزارےگا، شہر کے جتنے تاڑیخانے معلوم ھیں، گن کر ایک ایک کا چکر لگائےگا— گاڑی لےکر شہر جانے کی سخت محنت کے صلے میں اس نے خود اپنی یہ متبرک تفریح مقرر کر رکھی تھی— ایسے میں بچہ بھی ساتھ جاتا تو وہ اگر اس سے بدتر نہیں تو گاڑی کا پانچواں پہیہ ضرور بنا رھتا—

روانگی کے وقت تک ڈرائیور یہ ناگوار واقعہ بھول بھال چکا تھا، اور چلتے وقت جب گودام کے انچارج سے خوب گالم گلوچ کر چکا اور موٹر اسٹارٹ کرنے لگا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دیمووا پھر موجود ہے— ایک چھوٹے سے برخوردار کو ھاتھ پکڑ کر گیراج کی طرف کھینچے لئے آ رھی ہے اور رومال کی پیٹی سے کس رکھا ہے—

"آپ کو کیا مشکل ہے! چند منٹ لگیں گے..."
وہ منمنائی اور اس کے پیچھے ہولی۔ "میں خود قصوروار ہوں، جانے کی تیاری کرلی تھی، تیار تھی بالکل... آپ کو صرف اتنا کرنا ہوگا کہ اس کے ناپ کا دلوا دیں... میں آپ کی محنت کا ادا کر دوں گی..."

گرلوف اس بات سے تنگ آ گیا۔ وہ چلتے چلتے رک گیا۔ جیسے شیر شکاری کتے کے پیچھا کرنے سے طیش میں آ جاتا ہے، اس نے استانی کو سر سے پاؤں تک گھور کر دیکھا اور گیراج میں چلا گیا۔ دیموا وہیں رہ گئی۔

پھر یہ بھی ہے کہ گرلوف کے لئے یہ کوئی راحت کا سامان نہیں تھا۔ دیموا نوجوان عورت تھی، اچھی خاصی صورت شکل کی۔ دور سے آئی تھی۔ جاتی سردیوں میں باہر کہیں سے آ کر اس نے یہاں کام سنبھالا تھا۔ اور تنہا بغیر شوہر کے آئی تھی صرف بچے کو لئے ہوئے۔ غالباً ابھی وہ ٹھیک سے سمجھ نہیں سکی تھی کہ یہ گرلوف کس

آئے ۔۔۔ آرڈر جا چکا تھا اور وہ ڈپو پر تیار رکھا تھا ۔ گرلوف نے آفت مچا دی ۔ اسے دھمکی دی گئی کہ جاؤ، نہیں تو نوکری سے ہاتھ دھونے پڑیں گے ۔ طیش میں وہ دفتر سے نکلا اور استانی دیموِوا سامنے سے آ رہی تھی، اسی سے بھڑ گیا ۔ غصے میں وہ پہلے تو یہ سمجھ ہی نہیں پایا کہ یہ عورت آخر مجھ سے چاہتی کیا ہے ۔

استانی صرف یہ التجا کر رہی تھی کہ میرے بچے کو ساتھ لیتے جاؤ اور اسے ایک کوٹ پتلون دلوا دینا ۔ گرلوف اسے گھورنے لگا ۔ وہ بولی:

''میشا، مجھ پر عنایت کیجئے، مجھے آپ کی مدد چاہئے ۔ وقت نہیں ہے کہ خود جاؤں ۔ میری چھٹی پوری ہو چکی ہے ۔ اس لڑکے نے اپنا رہا سہا پتلون بھی ستیاناس کر لیا، اور پہلی ستمبر کو اسے اوپر جانا ہے ۔ لڑکے کا اسکول میں پہلی پہل جانا، آپ سمجھئے، ایک بڑی بات ہے... فکر نہ کیجئے ... آپ کے کام کا ادا کر دوں گی...''

''مس کوئی ٹیکسی نہیں ہوں، نہ کوآپریٹیوالوں کی دوکان ہوں!'' گرلوف نے اس طرح گرج کر کہا کہ بچاری استانی بچک گئی ۔

کو تیار ہو اس کا چاہئے بھوسا ہو، لکڑی ہو، المارہ ہو، سب لاد کر پہنچا دیا اور پیسے وصول کرلئے۔ کوئی ڈرائیور اس کی طرح آفت نہیں مچاتا تھا، لیکن گرلوف اپنی ڈیوٹی بجانے میں بہت چست تھا، اور ڈائرکٹر کا جب اس سے سامنا ہوتا تو وہ گرلوف پر ذرا کٹکٹاتا ضرور تھا — اس کی صورت تک برداشت نہیں تھی لیکن کوشش کرتا تھا کہ ڈرائیور کام میں اچھا ہے، اس سے نباہ ہوتا رہے — سبھوں کو معلوم تھی یہ بات، خود گرلوف کو سب سے زیادہ معلوم تھی، مگر بلا سے، اس کی بھی ایسی تیسی —

سات برس کا ننھا مسافر یورکا بالکل اتفاق سے گرلوف کے ساتھ آ گیا تھا — یہ کافی عجیب سی بات تھی —

شروعات یوں ہوئی کہ کسی کے مکان پر نام کرن کا تہوار تھا — گرلوف تفریح کرنے نکلا — راستے میں اسے پکڑ لیا اور ڈائرکٹر کے پاس لے گئے — بجلی اسٹیشن پر ٹرانسفارمر جل گیا تھا، اس کی وجہ سے سرکاری فارم پر اندھیرا تھا — ضرورت یہ تھی کہ کوئی جلدی سے شہر جائے اور نیا ٹرانسفارمر لے کر

گئی تھی بلکہ کچھ اور بدمزاج، بےقرار اور افسردہ رہنے لگا تھا—

وہ رویل کافی مار لاتا تھا اور یار دوستوں کے ساتھ شراب میں اڑایا کرتا تھا— پینے پر بیٹھتا تو خوب دون کی لیتا: ارے کیا رکھا ہے پڑھنے لکھنے میں! روپیہ ہے اصل چیز وہی چلاتا ہے آدمی کو— مجھی کو دیکھ لو—ڈرائیور ہوں، لیکن کسی انجنیر سے تو زیادہ ہی مٹھی گرم رہتی ہے— یار دوست بھی ہاں میں ہاں ملایا کرتے تھے— کیسی کھری کہتا ہے! واہ وا!

اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سرکاری فارم میں گرلوف کو لوگ پسند تو نہیں کرتے تھے لیکن رکھے ہوئے تھے خوشی سے—

جب روپیہ بنبے کی امید ہو تو گرلوف بھوت کی طرح کام کرتا تھا— اپنے مطلب سے غافل کبھی نہیں ہوتا تھا— اپنے حق کی خاطر ہمیشہ آنکھیں نکال لینے کو تیار رہتا تھا— ہمیشہ ادھر ادھر سے ہاتھ مار لیتا تھا، شہر کے ہر پھیرے پر عورتوں کو خوب اینٹھتا تھا، جو کوئی اس کی جیب گرم کرنے

ان قسموں کو مہینہ بھر گزرا ہوگا کہ اکاؤنٹ کلر ک
اس کے هاں بس گیا — خیر، مگر اس قصے سے همیں
کیا — گرلوف خود سمجھتا تھا کہ مجھ جیسے آدمی
کا کسی سے نباہ مشکل ہے، لیکن اس کی بلا سے، سب کی
ایسی تیسی!

پہلے کی بات اور ہے — وہ اچھا خاصا نوجوان تھا — لڑکپن میں بے پروائی سے گھومتا پھرتا تھا — سرکاری فارم کے آوارہ گرد چھوکروں کا سرغنہ بنا رهتا تھا — سال بیتے — وہ جو کل تک هوائی دیدہ پھرا کرتے تھے، اپنی جوروؤں کے لہنگوں سے چپک کر بیٹھ گئے — گرلوف نے ٹکنیکل اسکول میں داخلہ لیا، وهاں سے بھاگا — پھر کام سیکھنے بھیجا تو وهاں سے نکالا گیا، کیونکہ وهاں اس نے مارپیٹ اور آفت مچانی شروع کر دی — جب وہ فوج میں بھرتی هو کر گیا تو سرکاری فارم کے بہت سے نیک سیرت لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا — لیکن فوجی ٹریننگ کی میعاد پوری کرتے هی وہ پھر آ لیا اور اب کے ڈرائیوری سیکھ کر آیا — اس کی طبیعت کی ٹیڑھ اب بھی نہیں

راستہ مل گیا رہا تھا اس پر آنکھیں گاڑ دیں۔ بے طرح جی چاہ رہا تھا کہ کچھ پی لی جائے۔

ڈرائیور آدمی ٹیڑھا تھا۔ ایک زمانے سے اس کے متعلق لوگ جانتے تھے کہ شرابی ہے، بدتمیز ہے اور سنکی ہے۔ عمر کے ۳۳ سال گزر چکے تھے، پھر بھی نہ تو پختگی اور سنجیدگی کا پتہ تھا، نہ عقل آئی تھی اور نہ شادی شدہ زندگی بسر کرنے کی طرف دھیان تھا۔

البتہ یہ کہ وقتاً فوقتاً مختلف عورتوں کے ساتھ وقت گزاری کرتا رہا۔ چھ مہینے ایک بیوہ کے ساتھ رہا جو عمر میں اس سے کوئی دس سال بڑی تھی۔ لیکن یہ کوئی خانہ‌داری کی زندگی تو تھی نہیں، اس کے بڑے چھینٹے اڑے۔ ایک رات کیا ہوا کہ اس بیوہ نے ہائے واویلا مچائی، گرلوف کا سارا کاٹھ کباڑ صندوقچے سمیت اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینکا اور جو لوگ ہلڑ سن کر آ گئے تھے ان کے سامنے ایک اندر کا کرتہ پہنے پہنے قسمیں کھا کھا کر کہنے لگی کہ اب میں زندگی میں کبھی کسی مردوے سے شادی نہیں کروں گی۔

سے دھواں تیز ہوا میں دھار بن کر ابلتا تھا — گائے بیل تالاب کے پاس مٹر گشت کر رہے تھے اور تالاب ایسا چھوٹا سا نظر آ رہا تھا جیسے آنگن —

پتہ نہیں، سب سے پہلے کسے سوجھی ہوگی کہ یہاں، اس بے ہنگم چٹیل میدان میں بستی بسائے اور ان پرانے لوگوں کو ایسی کون سی خوبی نظر آئی تھی جو اس جگہ چھتر چھایا کر کے آباد ہو گئے — کوئی خزانہ چھپا ہوا تھا یا خستہ‌حالی سے ایسے تنگ آ گئے تھے کہ اس سے جان بچانے کو یہاں ٹھکانا کیا؟ سیکڑوں سال جیسے، اولاد پیدا کی، مر گئے، پرانی شکستہ جھونپڑیوں کی جگہ نئے گھروندے کھڑے ہوتے گئے — چھوٹی عمر کے باغ بغیچے گرم ہوا میں جل گئے، لیکن لوگوں کو نہ جانے کیا ضد تھی کہ پھر ان کی جگہ نئے باغ لگا دئے — لوگوں کا کیا ہے، جہاں جی میں آئی، بس گئے، لیکن سمجھ میں نہیں آتا، وجہ کیا ہے اس طرح بس جانے کی — ڈرائیور چوں کہ خود بھی انھی لوگوں میں سے تھا، الجھن اور بذدلی کے مارے اس نے بائیں طرف کا شیشہ بند کر دیا اور انجن کے سامنے جو ٹیڑھا میڑھا

ہوا چل رہی تھی۔ علاقے میں بہت سے لوگوں کو پریشانی تھی کہ فصل کا کیا ہوگا۔

لاری کے پہیوں میں کیچڑ بھر گئی تھی اور وہ ٹیلوں کی پھسلن پر داھنے بائیں جھولتی چلی جا رہی تھی تاکہ لیکھ سے نکلے تو پھر لیکھ پر پڑ جائے۔ گاڑی کے سامنے والے دوھرے شیشے کا دھندصاف کرنے والا کانٹا بہت ڈھیلا چل رہا تھا اور میل کچیل کو صرف لیپ سکتا تھا، صاف نہیں کر پاتا تھا۔ ڈرائیور نے پہلو کا شیشہ گرا دیا تھا تاکہ بائیں طرف جھک جھک کر آگے کا راستہ دیکھتا جائے۔

راستے نے موڑ لیا اور پانی بھرے ہوئے لمبے چوڑے کھیتوں کے گرد پھندے کی طرح موڑ کاٹا تو لاری کے مسافروں کو وہاں سے سرکاری فارم نظر آ سکتا تھا، نشیبی علاقہ اور وہ سڑک دکھائی دے رہی تھی جس سے وہ گزر رہے تھے۔

کھلی جگہ میں، جہاں چار طرف سے ہوا آتی تھی، سرکاری فارم کے چھوٹے چھوٹے کچے گھروندے لوک رہے تھے۔ ان کے درمیان چھدرے پودے کھڑے ہوئے تھے۔ ان دیہاتی مکانوں کی منبیوں

وہاں ہے مہم کے دفتر میں... انہیں خط لکھ دینا...
ہرمن کے بارے میں بھی...
ہماری ٹیم کے آدمیوں کی جو موت ہوئی، اس میں کسی کی خطا نہیں ہے — سوائے میرے...،،

پرانی کاپی کی عبارت پڑھ کر سنانےوالے تریانوف نے آخری ورق الٹا اور کاپی ایک طرف رکھ دی — کھڑکی کے باہر دن کا اجالا ہو چکا تھا — ہم کو احساس تک نہیں ہوا اور رات گزر گئی —

''کتوں کا بھونکنا اور لوگوں کی صدائیں کیا واقعی اسے سنائی دی تھیں؟ ،، جھبرے ساتھی نے سوال کیا —

''ہاں، واقعی،، تریانوف نے جواب دیا — ''مرحوم کی لاش برف پگھلنے کے بعد بہار میں ایوینکی لوگوں کی بستی سے صرف بیس کلومیٹر کے فاصلے پر پڑی پائی گئی — ہوا کے جھونکے میں، عجب نہیں، جو بستی کی آوازیں اس تک پہنچی ہوں — شاید بار بار پہنچی ہوں — وہ اس کٹیا کے اندر سے نہیں ملا، بلکہ وہاں سے نکل کر بستی کی طرف سرکتا جا رہا تھا — مگر دور تک نہیں جا سکا — دس پندرہ قدم

سر کتا ہوں — روٹی کی اتنی عادت نہیں، جتنی اس خط کی ہے — لکھنا ترک کر دوں تو غالباً اسی کے ساتھ میرا بھی خاتمہ ہے...

چھوٹی سی کٹیا بنائے دے رہا ہوں — اس کٹیا کو دیکھ کر عنقریب میرا اور نقشے کا پتہ لگا لیں گے...

آوازیں سنائی دیں، کتے بھونکے — ذرا سرکا — نہیں، کوئی نہیں —— مجھے یونہی لگا ہوگا — پھر کٹیا میں لیٹا جاتا ہوں — پالے کی شدت کم ہو گئی — آخری ماچس سے کل الاؤ جلایا تھا، وہ اب نمٹ رہا ہے — ہائے ویرا، آج یہاں تمہاری کتنی ضرورت ہے مجھے —— دم قدم کے ساتھ رہنے والی محبوب چاہئے، دل بہلاوے کی محبوب نہیں! قسمت ایسی! کیا کروں...

آخری بار نقشے کی طرف سے اطمینان کیا — ٹھیک ہے، اپنے ٹھکانے پر —

ویرا، تم تانیا کی ماں کا پتہ معلوم کرنا...

کیا یہ کچھ کم ثبوت ہے ان کی روحانی طاقت کا، عالی ظرفی کا، محبت کی گہرائی کا!

نہیں، ابھی سے ہمت نہیں ہارنی— چلنا ہے، دھیرے دھیرے، رینگ کر، ہاتھ پاؤں مار کر، لڑھک کر، جیسے بھی بن پڑے...

ممکن ہے، ویرا، یہ میری آخری تحریر ہو...

نہیں... آخری نہیں، ابھی میں زندہ ہوں— نقشے کا کیا کروں؟ مہم کے دفتر میں اس کا انتظار ہو رہا ہے— کس کے ہاتھ بھجواؤں، کس کے ہاتھ؟..

اس نقشے کا کیا کروں؟ بس، زندگی میں یہ میرا آخری سوال ہے...

آدمی کم بخت بڑا سخت جان ہے! میں گھسٹتا ہوں، گھٹنوں پر اٹھتا ہوں، گرتا ہوں، پھر سرکتا ہوں— ممکن ہے اور آگے تک سرک جاؤں— ہاتھ سے پنسل نہیں سنبھلتی— لکھ رہا ہوں، اس لئے کہ عادت ہو گئی ہے— دو سطر گھسیٹتا ہوں، پھر

کیا یہ کچھ کم ثبوت ہے ان کی روحانی طاقت کا، عالی ظرفی کا، محبت کی گہرائی کا!

نہیں، ابھی سے ہمت نہیں ہارنی — چلنا ہے، دھیرے دھیرے، رینگ کر، ہاتھ پاؤں مار کر، لڑھک کر، جیسے بھی بن پڑے...

ممکن ہے، ویرا، یہ میری آخری تحریر ہو...

نہیں... آخری نہیں، ابھی میں زندہ ہوں — نقشے کا کیا کروں؟ مہم کے دفتر میں اس کا انتظار ہو رہا ہے — کس کے ہاتھ بھجواؤں، کس کے ہاتھ؟..

اس نقشے کا کیا کروں؟ بس، زندگی میں یہ میرا آخری سوال ہے...

آدمی کم بخت بڑا سخت جان ہے! میں گھسٹتا ہوں، گھٹنوں پر اٹھتا ہوں، گرتا ہوں، پھر سرکتا ہوں — ممکن ہے اور آگے تک سرک جاؤں — ہاتھ سے پنسل نہیں سنبھلتی — لکھ رہا ہوں، اس لئے کہ عادت ہو گئی ہے — دو سطر گھسیٹتا ہوں، پھر

ویرا، پیاری! مجھے تمھاری ضرورت تھی یہاں
اپنے پاس، اور کہیں نہیں — تمہاری اصلی ہستی
در کار ہے، پرچھائیں نہیں چاہئے — دل چاہتا ہے
کہ میری محبوب یہاں الاؤ کے پاس میرے پہلو میں
موجود ہو، اور میں ہیروں کی جائے پیدائش کا یہ
نقشہ اس کے حوالے کرکے سکون کے ساتھ دنیا سے
سدھار جاؤں، اور مجھے اطمینان رہے کہ میری محبت
اس نقشے کو لوگوں تک پہنچا دے گی —
مگر میں کسے سونپوں یہ امانت — کوئی نہیں
ہے — نجانے کیوں، پھر ہرمن کی طرف خیال جاتا ہے،
اور مجھے اس پر رشک آ رہا ہے —

معلوم ہوتا ہے کہ مجھ پر غشی کا غلبہ ہو
چلا... نہیں، ابھی ہوش ہے — میں پھر خط لکھتا
ہوں — اس وقت اور کچھ مجھ سے بن نہیں پڑتا،
سوائے اس کے کہ جیسے تیسے لکھوں — ہاں، واقعی
ہرمن پر رشک آ رہا ہے — تانیا اور ہرمن کو دل
سے آفریں نکلتی ہے — انہوں نے اپنی نوجوانی کی
زندگی ہم سب کے مشترکہ مقصد پر نثار کردی —

تمہارے تعلقات مرد و زن کے تعلقات کے لئے ایک نمونہ ہیں — لیکن اب میں نجانے کیوں، عرس اور تانایا پر رشک کر رہا ہوں — انہوں نے خوشی اور غم کو ایک ساتھ بھوگا — زندگی کی راہ پر ایک ساتھ چلے، ان کی محبت ایسی عظیم محبت تھی کہ اسے اظہار تک کی حاجت نہ رہی — آخری لمحے تک وہ ساتھ ساتھ تھے — محبت نے انہیں اپنا فرض ادا کرنے سے نہیں روکا —

میرا معاملہ اس سے مختلف ہے — میں روزانہ تمہیں لکھتا رہا، میری کوشش تھی کہ سب سے تمہارا تذکرہ کروں، اپنے چار طرف ہر شے کو میں نے تمہارا رنگ دے دیا — مگر یہ سچی راحت نہیں، یہ تو صرف دلاسا ہے —

میں نے تمہیں کسی بار بلایا، کتنا کہا، ویرا، یہاں آ جاؤ، شمال کی دنیا میں — میرا جی چاہتا تھا کہ ہم تک کا فاصلہ سمٹ جائے — مگر تم نہیں آئیں، ماسکو میں ہی رہیں — اب جو مجھے اس کا خیال آ رہا ہے تو دل کتنا دکھتا ہے! رنج ہے — طبیعت پر بوجھ ہے — یہ رنج میری آخری قوت چھینے لے رہا ہے —

ویرا، پیاری! مجھے تمھاری ضرورت تھی یہاں اپنے پاس، اور کہیں نہیں — تمھاری اصلی ہستی در کار ہے، پرچھائیں نہیں چاہئے — دل چاہتا ہے کہ میری محبوب یہاں الاؤ کے پاس میرے پہلو میں موجود ہو، اور میں ہیروں کی جائے پیدائش کا یہ نقشہ اس کے حوالے کرکے سکون کے ساتھ دنیا سے سدھار جاؤں، اور مجھے اطمینان رہے کہ میری محبت اس نقشے کو لوگوں تک پہنچا دے گی — مگر میں کسے سونپوں یہ امانت — کوئی نہیں ہے — نجانے کیوں، پھر ہرمن کی طرف خیال جاتا ہے، اور مجھے اس پر رشک آ رہا ہے —

معلوم ہوتا ہے کہ مجھ پر غشی کا غلبہ ہو چلا... نہیں، ابھی ہوش ہے — میں پھر خط لکھتا ہوں — اس وقت اور کچھ مجھ سے بن نہیں پڑتا، سوائے اس کے کہ جیسے تیسے لکھوں — ہاں، واقعی ہرمن پر رشک آ رہا ہے — تانیا اور ہرمن کو دل سے آفریں نکلتی ہے — انھوں نے اپنی نوجوانی کی زندگی ہم سب کے مشترکہ مقصد پر نثار کردی —

تمہارے تعلقات مرد و زن کے تعلقات کے لئے ایک نمونہ ھیں — لیکن اب میں نجانے کیوں، شرمن اور تانیا پر رشک کر رھا ھوں — انہوں نے خوشی اور غم کو ایک ساتھ بھوگا — زندگی کی راہ پر ایک ساتھ چلے، ان کی محبت ایسی عظیم محبت تھی کہ اسے اظہار تک کی حاجت نہ رھی — آخری لمحے تک وہ ساتھ ساتھ تھے — محبت نے انہیں اپنا فرض ادا کرنے سے نہیں روکا —

میرا معاملہ اس سے مختلف ھے — میں روزانہ تمہیں لکھتا رھا، میری کوشش تھی کہ سب سے تمہارا تذکرہ کروں، اپنے چار طرف ھر شے کو میں نے تمہارا رنگ دے دیا — مگر یہ سچی راحت نہیں، یہ تو صرف دلاسا ھے —

میں نے تمہیں کتنی بار بلایا، کتنا کہا، ویرا، یہاں آ جاؤ، شمال کی دنیا میں — میرا جی چاھتا تھا کہ تم تک کا فاصلہ سمٹ جائے — مگر تم نہیں آئیں، ماسکو میں ھی رھیں — اب جو مجھے اس کا خیال آ رھا ھے تو دل کتنا دکھتا ھے! رنج ھے — طبیعت پر بوجھ ھے — یہ رنج میری آخری قوت چھینے لے رھا ھے —

ویرا، پیاری! مجھے تمھاری ضرورت تھی یہاں،
اپنے پاس، اور کہیں نہیں — تمھاری اصلی ہستی
در کار ہے، پرچھائیں نہیں چاہئے — دل چاہتا ہے
کہ میری محبوب یہاں الاؤ کے پاس میرے پہلو میں
موجود ہو، اور میں ہیروں کی جائے پیدائش کا یہ
نقشہ اس کے حوالے کرکے سکون کے ساتھ دنیا سے
سدھار جاؤں، اور مجھے اطمینان رہے کہ میری محبت
اس نقشے کو لوگوں تک پہنچا دے گی —
مگر میں کسے سونپوں یہ امانت — کوئی نہیں
ہے — نجانے کیوں، پھر ہرمن کی طرف خیال جاتا ہے،
اور مجھے اس پر رشک آ رہا ہے —

معلوم ہوتا ہے کہ مجھ پر غشی کا غلبہ ہو
چلا... نہیں، ابھی ہوش ہے — میں پھر خط لکھتا
ہوں — اس وقت اور کچھ مجھ سے بن نہیں پڑتا،
سوائے اس کے کہ جیسے تیسے لکھوں — ہاں، واقعی
ہرمن پر رشک آ رہا ہے — تانیا اور ہرمن کو دل
سے آفریں نکلتی ہے — انھوں نے اپنی نوجوانی کی
زندگی ہم سب کے مشترکہ مقصد پر نثار کردی —

تمہارے تعلقات مرد و زن کے تعلقات کے لئے ایک نمونہ ھیں — لیکن اب میں نجانے کیوں، عرمن اور تانیا پر رشک کر رھا ھوں — انہوں نے خوشی اور غم کو ایک ساتھ بہوگا — زندگی کی راہ پر ایک ساتھ چلے، ان کی محبت ایسی عظیم محبت تھی کہ اسے اظہار تک کی حاجت نہ رھی — آخری لمحے تک وہ ساتھ ساتھ تھے — محبت نے انہیں اپنا فرض ادا کرنے سے نہیں روکا —

میرا معاملہ اس سے مختلف ہے — میں روزانہ تمہیں لکھتا رھا، میری کوشش تھی کہ سب سے تمہارا تذکرہ کروں، اپنے چار طرف ھر شے کو میں نے تمہارا رنگ دے دیا — مگر یہ سچی راحت نہیں، یہ تو صرف دلاسا ہے —

میں نے تمہیں کتنی بار بلایا، کتنا کہا، ویرا، یہاں آ جاؤ، شمال کی دنیا میں — میرا جی چاھتا تھا کہ تم تک کا فاصلہ سمٹ جائے — مگر تم نہیں آئیں، ماسکو میں ھی رھیں — اب جو مجھے اس کا خیال آ رھا ہے تو دل کتنا دکھتا ہے! رنج ہے — طبیعت پر بوجھ ہے — یہ رنج میری آخری قوت چھینے لے رھا ہے —

انتظار کرتے؟ شاید بہت دیر تک ہماری تلاش
تلاش نہ کی ہو ـــــ یہ ہو نہیں سکتا ـ تلاش کی ـ
تائیگا میں اس کے حال پر نہیں چھوڑتے ہیں ـ آدمی کو
کچھ بھی ہوا، ہم خود قصوروار ہیں ـ جو
ہیں ـ

... لگتا ہے کہ خاتمہ ہو چکا ـ میرے
پاؤں کا خون جم گیا ـ صرف تین دیاسلائیاں رہ گئی
ہیں ـ اب صرف ایک فریضہ انجام دینا ہے ـــــ نقشے
کو، جہاں تک ہو سکے، لوگوں کے قریب لے جانا ـ
اگر ہمارے کیمبرلیت پائپ کی دریافت کا نقشہ
میرے ساتھ ڈوب گیا تو کوئی خطاوار نہیں ہے ـ
حالات نے رخ ہی ایسا دردناک اختیار کیا ـ کیا
ہوتا ـ مگر اصل بات یہ نہیں ہے ـ اس پائپ کے
علاوہ میں نے اس ہولناک سفر میں ایک دریافت اور
کی ہے، جو میرے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے...
میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اب تک کی زندگی
میں غلطی رہی ـ میں سمجھتا تھا کہ اصلی محبت،
وہ محبت ہے کہ آدمی اسے چھوڑکر جا سکے، اس
کی طرف واپس آ سکے ـ میں سمجھتا تھا کہ میرے

کل رات مس اٹھا تو ٹھنڈا پسینہ آیا ہوا تھا — خواب میں دیکھ لیا تھا کہ نقشہ کھو گیا — سرسام کی سی حالت میں قمص کے اندر ھاتھ ڈالا —— نقشہ موجود تھا —

نجانے کیوں، ہرمن اور مانیا کی یاد سے دل بہت دکھنے لگا ہے — ان میں محبت بھی اور میرا دھیان ہی نہیں گیا ادھر — ان کی محبت کیسی پابند تھی، کس قدر ھوشمند بھی کہ دوسروں کے سامنے اس کا اظہار تک نہ کیا، ڈرتے رہے کہ اس سے ہمارے اصل کام میں خلل نہ پڑے! کام کی کتنی اہمیت تھی ان کی نظر میں! کس درجہ فرض شناسی تھی کہ مرتے دم تک اپنا فرض پورا کئے گئے...

حالانکہ تھے بالکل نوجوان — مجھ سے تو اتنا ضبط نہیں ہو سکتا تھا...

آخر میں دریا کے پاس آ پہنچا — دریا جم چکا ہے — برف کی بڑی بڑی سلیں ایک دوسری پر چڑھی ہوئی ہیں — ہوا برف کے غبار کو اڑائے لئے جا رہی ہے — کیا یہ مناسب نہ رہتا کہ وہیں ٹھہر کر

مطلب یہ کہ پانی کے بیچ والے ٹاپو کے دوسری طرف اترتا جا رہا ہوں — اب امید ہے کہ پہنچ ہی جاؤں گا — میرا فرض ہے یہ — فرض پورا کرنا ہی ہوگا، جیسے ہرمن اور تانیا نے پورا کیا — ہمارا پیشہ ایسا ہے، دوسرے پیشوں میں البتہ ایسا نہیں ہوتا، کہ زندگی فرض سے بالکل سٹ جاتی ہے — اور فرض اکثر و بیشتر زندگی کی قربانی مانگ بیٹھتا ہے...

دنوں کا حساب بہت دن پہلے میرے ذہن سے نکل چکا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ نومبر ہے — آج صبح مجھے محسوس ہوا کہ نومبر چل رہا ہے — پالا پڑا — شاید تیس ڈگری پالا تھا — الاؤ کے پاس زیادہ دیر جمنا پڑتا ہے — نیند کا بھی آرام جاتا رہا — بہت زیادہ ٹہنیاں توڑکر لانے کی ضرورت ہے، اور توڑنے کی قوت نہیں رہی — سانس لینا دشوار ہو رہا ہے...

دو دن کچھ نہیں لکھا — بہت سخت پالا کٹ رہا ہے — لگتا ہے کہ چہرے کا خون جم گیا —

سنائیں — اس وقت اصل چیز ٹانگیں ہیں — فی الحال میرے پاس چار ڈبے ہیں خوراک کے، ستر کا پوٹلا ہے، ایک کارتوس ہے، بارہ دیاسلائیاں — سوچتا ہوں کہ جوں توں پہنچ جاؤں گا!

آج میں پچاس ہزار قدم چلا، یعنی بیس کلومیٹر ہوئے — اس وقت صنوبر کے لمبے سائے میں بیٹھا ہوں، چائے کا پانی کھولا رہا ہوں — اتنے پانی پکے، میں خط لکھ لوں —— یہی ایک سہولت کا وقت ہے خط لکھنے کو — ہمیشہ میں تمھیں اسی وقت خط لکھا کرتا ہوں — چاروں طرف اونچے پہاڑ، بھرکم سفید درخت سر اٹھائے کھڑے ہیں — برف ڈھیر ہو گئی ہے — پالا ابھی سخت نہیں پڑا — اوہ کیا زبردست قدرتی مناظر ہیں یہاں!..

آج میں نے ترپن ہزار قدم طے کر ڈالے — جانتی ہو، واقعی ہم غلط راستے جا پڑے — غالباً ہوا یہ کہ دریا کے متوازی چلے جا رہے ہیں اس لئے دریا تک نہیں پہنچ پائے — ابھی ابھی مجھے یہ پہلی بار محسوس ہوا کہ ڈھلان شروع ہو رہا ہے —

آپ اپنی بیوی کے پاس ضرور پہنچئے گا— آپ کو ان سے اتنی محبت ہے— مجھ میں اور ھرمن میں بھی محبت تھی (ھمیں ملتے ھوئے کئی سال ھو چکے تھے)— محبت کا ھم نے اظہار نہیں کیا کہ کہیں کام کا ھرج نہ ھو— ھماری زندگی، ھمارے ارمان تو سب ناکام رہ گئے— خیر، آپ ھی کو کامیابی نصیب ھو— بیوی کے پاس ضرور پہنچئے گا— ایک عرض اور ھے آپ سے: میری ماں کے نام ایک خط ڈال دیجئے گا— ان کا پتہ مہم کے دفتر میں ھے— فقط— تانیا—،،

...سارے دن میں اسے ڈھونڈھتا پھرا، مگر جب تائیگا میں برف کا طوفان آ چکا ھو تو یہ تلاش بےسود تھی— ھرمن نے اس لڑکی کے سامنے مثال پیش کر دی تھی کہ کونسا وہ وقت ھوتا ھے جب چل دینا مناسب رھتا ھے—

ویرا، اب میری زندگی میری نہیں رھی— حق بات یہ کہ معاملہ اس کے برعکس ھے— مجھے صرف اس لئے جینا ھے کہ نقشہ پہنچا دوں، چاھے مجھ پر کچھ ھی کیوں نہ بن جائے— چھولداری پھاڑ دی، اسے چیر کر ٹانگوں پر لپیٹنے کی کئی پٹیاں

کے انتظار میں ہیں — ہم میں سے ایک کو زندہ بچنا ہی چاہئے — آپ کا زندہ رہنا لازمی ہے — آپ میں سب سے زیادہ جان ہے — خود دیکھ چکی ہوں کہ میں اور ہرمن آپ کے لئے کس قدر بوجھ بنے رہے — اگر ہم دونوں نہ ہوتے تو آپ کبھی کے سینٹر تک پہنچ جاتے — ہماری خاطر آپ نے قربانی دی — اب وقت آیا ہے کہ ہم اپنی قربانی دے دیں — ہرمن اس بات کو پہلے سمجھا، میں بعد میں سمجھی — ایمان کی بات ہے کہ میں بہت پہلے سمجھ چکی تھی لیکن بزدل ہوں، چل دینے کی ہمت نہیں پڑی — اور اب جی میں ٹھان لی — طوفان کا انتظار تھا — طوفان آ گیا، میں چلی — ہرمن کے پاس تیزی سے پہنچ جاؤں گی — آپ مجھے تلاش نہ کیجئے گا — نشانوں پر ڈھونڈھنا بیکار ہے — میں نے ایک ڈبہ وقت پڑنے کے لئے بچا کر رکھا تھا — وہ ستری میں ہے — یہ میرا حقیر سا ہدیہ ہے ان احسانات کے مقابلے میں جو آپ نے مجھ پر کئے ہیں — کچھ نہیں ہو، آپ نقشہ لے کر پہنچ جائے گا — رخصت — تانیا — پ، س — ہاں کوستانتین پتروویچ، دیکھئے،

اب میرے پاس صرف دو کارتوس ہیں — تانیا کو لٹا کر تائیگا میں جاتا ہوں — ممکن ہے، کام بن جائے — کوئی بارہسنگھا ہاتھ لگے...

ویرا، ویرا، یہ کیا قیامت کا سال ہے! کتنی موتیں ہو گئیں، ان دو مہینوں میں کتنی لاجواب ہستیوں کی جان چلی گئی!
لکھا نہیں جاتا!

کل میں بہت دیر تک تائیگا میں رہا — کونج کے پیچھے دو کلومیٹر نکل گیا — اتنے میں پھر طوفان آ گیا، میں ذرا بھٹک بھی گیا تھا، مختصر یہ کہ کم از کم تین گھنٹے دھکے کھاتا پھرا — چھولداری میں آیا تو تانیا کو نہیں پایا — ایک تحریر چھوڑ گئی تھی: ”جناب کونستانتین پیترووچ! میں ہرمن کے پاس جاتی ہوں — یہی چاہئے — آپ مجھ پر خفا نہ ہوں — میں بالکل ہوش و حواس میں یہ لکھ رہی ہوں — ہم دونوں کے دونوں نہیں جا سکتے — دونوں ختم ہو جائیں گے، اور سہم والے اس نقشے

اب میں اور تانیا ایک ہی بسترے میں لیٹ جاتے ہیں (دوسرا کل پھینک دیا) — تانیا مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھتی رہتی ہے، یہ کہ تمہارے بال کیسے ہیں، آنکھیں کیسی ہیں، بدن کیسا ہے، کپڑے، مزاج — میں نے سب بتا دیا لیکن وہ اور پوچھے جاتی ہے، روتی رہتی ہے — ہم نجانے کیوں، سرگوشی میں باتیں کرتے ہیں...

دوپہر کو برفیلا طوفان تھما — اور آگے چلے — معلوم ہوتا ہے، تانیا پر کچھ بحالی آئی ہے — پانچ کلومیٹر کے قریب فاصلہ طے کیا — پھر جھولداری لگائی، پھر برف کو جھکڑ چلا — میں نے اندر ہی الاؤ سلگا لیا — ہاتھ پاؤں برف ہوتے جا رہے ہیں — پھر ہم اپنے بوٹلے میں سونے لیٹے، اور تانیا نے پھر وہی تقاضا کیا کہ تمہارا تذکرہ کروں: ہماری پہلی ملاقات کیسے ہوئی، کس نے پہلے اظہارِ محبت کیا...

اتنے میں ایکدم اسے یاد آ گیا کہ کہیں میں نے سنہ تو نہیں کھو دیا — سنہ دکھایا تب اطمینان ہوا —

میں نے اسے شانوں پر اٹھا لیا، لے کر چلا — کوئی مناسب جگہ نہیں ملی جہاں پڑاؤ کریں — کئی کلومیٹر چلتے چلتے گزر گئے — تانیا میں بوجھ ہی نہیں ہے — اس مصیبت بھرے راستے میں سوکھ کر ڈھانچ رہ گئی —

الاؤ کے پاس میں نے اسے جوش دیا ہوا پانی پلایا، کچھ لقمے منھ میں ڈالے اور سونے لٹا دیا — اس وقت، میری پیاری ویرا، بیٹیا تمہیں خط لکھ رہا ہوں — لگتا ہے، سردی ہمارے سر پر آ گئی — ہم اس سے بہت بچا لے، مگر وہ ہمارا قدم قدم پیچھا کرتے ہوئے آ پہنچی — بحرمنجمد کے کنارے سے جنوب کی طرف بڑھ رہی تھی — آج ہماری پیٹھ پر سچ مچ کی سردی کا تھپیڑا لگا ہے — بلا کی سردی ہے — ناک کان گئے جا رہے ہیں — ربڑ کے جوتوں میں پاؤں اکڑ کر رہ گئے ہیں —

آج پہلی بار بادل چھٹ گئے اور چوڑا نیلا آسمان ہمارے سروں پر کھل گیا — ہاں، واقعی سردی شروع ہو گئی — یاقوتیہ میں ایسا نیلا آسمان تب کھلتا ہے، جب بڑا سخت پالا گرنے کے آثار ہوں...

ملا — تمام تلاش بےسود رہی — دوسرے دن بارہ بجے ہم نے الاؤ ٹھنڈا کر دیا اور آگے روانہ ہو گئے —
تانیا کو کسی بات کا ہوش نہیں ہے — ہونٹ سیے، سر لٹکائے چل رہی ہے — ہرمن کا چھوٹ جانا اس پر بہت ہی شاق گزرا ہے — افسوس، کیا دردناک سفر ہے! دو آدمیوں کی جان گئی — پائپ کا سراغ ملا، لیکن بہت مہنگا پڑا —
دن بھر چلے تو پندرہ کلومیٹر کا فاصلہ طے ہوا — آج نجانے کیوں، میں یہ سمجھا ہوں کہ سب سے قیمتی چیز اب ہماری زندگی نہیں، بلکہ کاغذوں کا یہ پلندہ ہے جس پر پائپ کا نقشہ ابھرا ہوا ہے — اسی کی خاطر سرگئی نے جان دی، اسی پر ہرمن قربان ہوا — اب ہمیں اپنی فکر کرنے کا حق نہیں رہا، یہ نقشہ بہرحال پہنچایا جانا چاہئے —
معلوم ہوتا ہے کہ تانیا بھی اب انہی خیالوں میں غرق ہے — رات کے کھانے میں ہم نے گوشت کا ڈبہ آدھا کر دیا — بدن کو طاقت دینی ضروری ہے تاکہ کل کم سے کم بیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر سکیں — جلدی کرنی ہے کیونکہ سخت پالا کٹنے کے دن سر پر کھڑے ہیں —

''کونستانتین بیترووچ! مجھے مردانہوار قدم اٹھانا چاہئے - سیدھا سادہ حساب کا سوال ہے ـــ بجائے اس کے کہ تین مریں، ایک کا جان دینا بہتر رہے گا - مجھے جو خوراک کے ڈبے ملے تھے، وہ بسترے میں ہیں - چھوڑ مت دیجئے گا انھیں - میں چلا - مجھے تلاش مت کیجئے گا، اس میں خواہ مخواہ طاقت صرف ہوگی - برف سب کچھ ڈھک دے گا - ہرمن - ب، س - آپ کو بہرحال اپنا سفر جاری رکھنا لازم ہے ـــ مہم والے ہمارے اس نقشے کا انتظار کر رہے ہیں - تانیا کا خیال رکھیے گا - ''

کیا مضبوط دل گردے کا، کیا شاندار آدمی تھا، ہرمن! تو نے اپنے ساتھ یہ ستم کیسے روا رکھا؟ کچھ بھی ہوتا، ہم تجھے اپنے ٹھکانے تک کھینچ کر لے ہی جاتے - چھولداری اور بسترے سب پھینک دیتے، تجھے اٹھا لے چلتے...

دن چھپنے کے بعد تک ہم دونوں ہرمن کو تلاش کرتے رہے - لیکن پچھلی رات صبح تک برف ہی برف پڑا تھا، اور صبح ہوتے ہلکی سی ہوا چل گئی تھی ـــ برف پر کہیں کوئی پتہ نشان نہیں

ہے — ہرمن کے دانت بج رہے تھے — (ہم نے اسے ابلا ہوا پانی دیا، اسے کچھ آرام ملا) وہ جواب نہیں دے سکا —

اب میں اور تانیا جنگل کی طرف جانےوالے ہیں تاکہ وہاں سے لکڑیاں بٹورکر اسٹریچر بنائیں — ہرمن مجھ سے ایک ورق کاغذ مانگتا ہے — معلوم نہیں، اسے کاغذ کی کیا ضرورت پڑ گئی —

ویرا پیاری! کل رات جو ہم پر بیتی ہے، لکھیا نہیں جاتا — میری برداشت سے باہر ہے — میں نے تو بہت دنیا دیکھی ہے، مگر میں بھی تاب نہیں لا سکا اور پھوٹ کر رویا —

رات کو ہرمن غائب ہو گیا — میں اور تانیا جنگل سے اسٹریچر بنا کر لائے، اتنے تھک چکے تھے کہ لیٹے اور فوراً آنکھ لگ گئی — زور کی برفباری ہوئی — ہرمن ہم دونوں کے درمیان اپنے پوٹلے بستر میں لیٹا ہوا تھا — صبح کو جب ہماری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ موجود نہیں ہے اور چھولداری کی دیوار سے ایک تحریر اٹکی ہوئی ہے :

صبح سے هرمن کی یہ حالت ہے کہ چل نہیں
سکتا، لکڑی کے سہارے بھی بہت چلا جاتا ہے۔ اس کی
سوچ پر حواس آ گئی تھی، اس کی وجہ سے سب
پڑ گئی۔ دوپہر تک ہم اسی جگہ بیٹھے رہے۔
میں نے هرمن کے لئے بستر نہیں [illegible] کی [illegible] پڑ
رہا ہے۔

...شروع میں تو وہ [illegible] کی مدد سے جلدی
جلدی چلا سکی [illegible] میں [illegible] جھونکے لگے۔ وہ
بری طرح [illegible] تھا ہے، [illegible] بار ہو گرا بھی۔
[illegible] اور [illegible] میں هرمن کو
[illegible] ہاتھ [illegible] میں [illegible] وہ بے ہوش
ہو گیا [illegible] ہے [illegible] رو رہی ہے۔
[illegible] نہیں [illegible] ۔

[illegible] ہیں کہ [illegible] تو ہم [illegible]
روانہ نہیں ہو سکتے کیونکہ میں نے یہ [illegible]
ہے [illegible] قریب قریب
[illegible] ہو گی۔ اور [illegible] اس پر
هرمن [illegible] وہ [illegible]
ہے [illegible]

پھر ہم دو پہر کے قریب ٹھیر گئے، پڑاؤ ڈال دیا ـ
ہرمن کو تپ و لرزہ بہت سخت ہے ـــ میں نے اجازت
دے دی کہ خوراک کے جو ڈبے آڑے وقت کے لئے
الگ کرکے رکھ دئے ہیں، ان میں سے ایک کو وہ
کھول لے، لیکن اس نے انکار کر دیا ـ

میں نے پھر ایک کونج مار لی ـــ اب صرف سات
کارتوس بچے ہیں ـــ شام کے بعد جب ہم الاؤ کے
گرد بیٹھے تھے تو سفید ''مکھیوں،، کی پرواز شروع ہو
گئی یعنی برف کے گالے گرنے لگے ـــ تانیا کی آنکھوں
میں آنسو تیرنے لگے ـــ ہرمن نے مجھ سے نجانے کیوں
کیمبرلیت پائپ کا نقشہ مانگا ـــ میں نے اسے دے
دیا ـــ وہ اسے دیر تک اپنے کپکپاتے ہوئے گھٹنوں پر
رکھے تکتا رہا ـــ اس کے بعد ایک آہسرد بھری اور
نقشہ مجھے واپس کر دیا ـ

ہم اس وقت سر لٹکائے، بجھتے ہوئے الاؤ کے
پاس بیٹھے ہیں ـــ دل بہت بھاری ہیں، اور مجھے
کوئی ایسی بات نہیں سوجھ رہی جس سے ان نوجوانوں
کو ڈھارس دوں ـ

بھی ہمارے آخری وقت کا سہارا ہے — ہائے کہیں
سے لال بارسنگھا مل جاتا! تاشکا میں تو ہر شے
مردہ ہو گئی ہے...

ہرس کے لئے ایک لنڈا ہوڑا — وہ بری طرح
لنگڑا رہا ہے مگر ٹھہرتا نہیں، چلے جاتا ہے۔ تاشا
اسے دیکھتی ہے اور ایک طرف منہ موڑ کے چپکے
سے آنسو پونچھ لیتی ہے — شمال کی لڑکی ہے نا!
آج ہرس کا سارا بدن اس طرح کانپ رہا تھا،
رات ایسے سسکتا رہا جیسے کہ ہرس رات بھر نیند
نہیں آئی — تب ابھی ہونےوالے سفر سے نکل آئی
اور ہرس کے بستر میں گھس گئی، اسے گرمی پہنچاتی
رہی — گرمی پہنچی تو قرار آیا اور اس کی آنکھ لگ
گئی۔ مجھے لگتا ہے کہ شمالی نہیں اس لڑکی کو
بھی یہ لگ جائے، لیکن حسرت ہو گئی

...ہرس سے چلا نہیں جاتا، بمشکل ساتھ چل
رہا ہے۔ ہرن کی سوجن بڑھ گئی ہے ایک پھوڑا سا بن گیا
ہے۔ اس کا سب سامان میں نے اٹھا لیا ہے۔ آج

خوراک کے ڈبے بھی کم رہ گئے ہیں، لے دے کے کل گیارہ — ہاں، کل میں نے ایک کونج ماری — مگر دو کارتوس لگ گئے — یہ تائیگا کا ایسا پرندہ ہے کہ آدھا گوریا جیسا، آدھا کوے سا — ہم نے اسے صاف کر دیا اور ہڈیاں کچل کر چھوڑ ڈالیں —

آج ایک نئی مصیبت درپیش ہے: لمبی پتھریلی روڑیوں پر پاؤں رکھ رکھ کر ہم ٹیلے سے اتر رہے تھے کہ ہرسن گر پڑا — اس کی ٹانگ میں بری طرح موچ آ گئی — فوراً اس سے اٹھا بھی نہیں گیا — میں اور تانیا دونوں طرف سے سنبھال کر اسے نیچے تک لائے —

آج ہم نے رات کا پڑاؤ ذرا اول وقت کر دیا — ہرسن کا پاؤں سوج گیا ہے — رات کو میں نے اس کے پاؤں پر موٹی پٹی باندھی تاکہ گرم رہے — آج پھر کونج مار لی، لیکن اس دفعہ پورے تین کارتوس خرچ ہو گئے — یوں تو خوراک کے ڈبوں کو فی الحال ہاتھ نہیں لگاتے (رہا ہی کیا ہے — تین ڈبے فی کس)،

کل جو میں نے خط میں لکھا تھا، آج پڑھا — پڑھ کر شرم آئی — ہمارا کام لاجواب چل رہا ہے! آج راستے میں جھیل پر میں نے ایک بطخ کا جوڑہ شکار کر لیا — اس کا ایک بازو ٹوٹا ہوا تھا — معلوم ہوتا ہے کہ پرندوں کے جھنڈ جنوب کی طرف اڑ گئے اور اپنے ساتھ کے اس جوڑے کو یہاں چھوڑ گئے — ہم تینوں نے پورا جوڑہ چٹ کر لیا، دیکھو، کیا مزے اڑائے — ہرمن نے دو چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پکڑلیں، وہ بھی ہم کھا گئے — بدن میں اب کئی دن کے لئے جان آ گئی ہے —

معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ بہرحال سردی کی پکڑ میں آ جائیں گے — صبح کو بیروں کے نیچے برف کی پپڑی چر مراتی ہے — رات کو ابھی سے قریب قریب دس بارہ ڈگری سردی ہو جاتی ہے — ہرمن کی حالت دیکھ کر مجھے اب کافی پریشانی ہونے لگی ہے — اسے سخت بخار آ گیا — ٹمپریچر دیکھیں تو کیسے دیکھیں، ہمارے پاس کوئی آلہ نہیں ہے — مگر اسے تکلیف بہت معلوم ہوتی ہے — تانیا اس کی خدمت میں لگی ہوئی ہے —

خوب سنبھالے ہوئے ہے، مسکراتی رہتی ہے
چھیڑخانیاں کرتی ہے —

اچھا، اب رخصت، جب دم لینے ٹھیریں گے، ت
لکھوں گا — اب ذرا کم کم لکھا کروں گا، کاغذ تھو
گیا ہے —

ہم تائیگا میں چلے جا رہے ہیں — بظاہر ہم
ے پہلے یہاں انسان کا سایہ نہیں پڑا — روز بہ روز
ردی بڑھتی جاتی ہے لیکن ابھی تک برف‌باری نہیں
ہوئی — کنویس کی وردی ٹھنڈی رہتی ہے، بدن گرم
نہیں رکھ سکتی — غذا برائے نام پیٹ میں پڑتی ہے —
ہر وقت بھوک لگی رہتی ہے —

ہمارا راشن کیا ہے: تین آدمیوں پر آدھا ڈبہ
خوراک کا اور مسلسل ابلا ہوا پانی — بیر وغیرہ
بھی ہاتھ لگ جاتے ہیں، لیکن پھیکے، سیٹھے، اور
انھیں بٹورنے میں قوت بہت خرچ ہوتی ہے —

سوتے ہیں بہت، باتیں کرتے ہیں کم — میرے
یہ نوجوان مرجھا سے گئے ہیں — ان میں کسی تدبیر
سے بشاشت پیدا کرنے کی ضرورت ہے — خدا حافظ،
ویرا! سو رہو، تمھیں اچھے خواب دکھائی دیں...

تلاش کی جائے گی، ہمارا پتہ لگانے کے لئے ہوائی
جہاز بھی بھیجا جائے گا، لیکن اندیشہ ہے کہ ہواباز
چوک جائیں اور ہم نظر میں نہ آئیں —

الغرض، جب تک ہمارے پاس حیوانات کے یہ
لیے، کاربوس اور ہرن میں جان ہے، خود بھی ہاتھ
پاؤں مار کر باہر نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے —
بیٹھ کر انتظار کرنا بہت ہی سخت بات ہوگی —
ایسی حالت میں صرف اپنے ہی بوتے پر بھروسہ رکھنا
چاہئے۔ ممکن ہے، ہم غلطی پر ہوں، لیکن ہونے
لاپتہ رہنا اب ہمارے بس کی بات نہیں ہے —

منصوبہ یہ بہت سیدھا سا ہے: برابر جنوب
کی طرف چلتے رہیں جب تک نہ کوئی انسانی آبا
نہ مل جائے جس میں ہندوؤں، بری سردی پڑنے سے
پہلے ہمیں نہیں پہنچ سکے گے

ہمارے دونوں نوجوان پوردار ملاحی، اگرچہ
میرا اندازہ ہے کہ رات بھر سردی کے موسموں کے رہ
سے ہرمن کا نمبر چکر گیا ہے ... پر ...
ہی ہے، اس سے بہت نقصان ہو گیا ہے، لیکن
جیوسٹہ سردی سے سالم نہیں ہوتے ہیں — خود کو

یوں طے کیا: نیت شب حرام — فی الحال تو
سونے لیٹتے ہیں — کل سب پر غور کریں گے، تب
فیصلہ کیا جائے گا کہ آگے کیا کرنا ہے — شب بخیر
ویرا پیاری! ہم دونوں جب اس خط کو پڑھیں گے تو
مجھے آج کی یہ رات یاد آئے گی — جیتے جی اسے بھول
نہیں سکتا...

تیرے ہوئے تھے، تب لکھا — ہم تینوں تائیگا
میں چلے جا رہے ہیں — کل صبح ہم نے صورت حال
کے الٹے سیدھے، دونوں رخوں پر غور کیا اور یہ
طے پایا کہ جہاز ملنے کی جگہ تک پہنچ جانا قطعی
امکان سے باہر ہے — اور راس سے دو سو کلومیٹر کے
فاصلے پر بیٹھے اس کا انتظار کرنا، یہ بھی مہمل
بات ہے — دریا کو ذریعہ سفر بنانا خارج از بحث،
کیوں کہ اول تو اس پر تیر کر جانا ممکن نہیں،
دوسرے تائیگا میں وہ بہت زبردست چکر کاٹتا ہے،
کئی سو کلومیٹر کا، اگر اس پر رواں ہو گئے تو عین ممکن
ہے کہ بیچ سنسان تائیگا میں، کہیں پالا پڑنے لگے
اور ہم پھنس جائیں — یہ صحیح ہے کہ ہماری

جہاز تک کیسے پہنچا جائے: چل کر یا تیر کر (تیر کر جانے پر، میرے خیال میں، کوئی بھی راضی نہ ہوتا) — ادھر سردی کی شروعات کا اندیشہ تھا — سردی بھی کیسی؟ یاقوتیہ کی سردی — ۱۹ کارتوس اور خوراک کے کوئی پندرہ ڈبے اس مصیبت میں اس بیدرد بوڑھیا سردی کے سامنے کیا سہارا دیتے!

ہرمس جگہ کے معائنے کے لئے گیا ہوا تھا، وہ واپس آیا — بارش ابھی تک چل رہی تھی لیکن کافی ہلکی پڑ گئی تھی — ہرمس نے آ کر بتایا کہ ہم لوگ ایک ٹیلے پر اٹکے ہوئے ہیں اور پہاڑی ٹیلوں کا یہ سلسلہ دریا کے بائیں طرف کنارے کنارے چلا گیا ہے — ظاہر ہے کہ یہاں سے اس جگہ تک پہنچنا بالکل ممکن نہیں ہے جہاں ہوائی جہاز ملے گا — پہاڑی سلسلوں کے سارے نشیب و فراز میں جل تھل ہو گیا ہے — اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ نقشے کے بغیر ہمیں وہ جگہ نہیں مل سکتی — اس کم بخت سیلاب کی بدولت تمام جگہ کا حلیہ بدل گیا ہے — ہر چیز پانی میں ڈوبی ہوئی ہے، نظروں سے اوجھل ہے — اب کیا ہو؟

چھولداری میں اسے لپیٹ کر آگ کے سامنے بٹھا دیا — کہنا چاہئیے کہ ہمارے تمام سامان میں گویا یہی ایک سوکھی چیز تھی کیوں کہ ھرمن (شاباش ھے اس کو!) ساری رات، جب ہم سیلابی پانی میں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھر رہے تھے، ھاتھ اٹھائے اٹھائے سفری تھیلے کو تھامے رہا — چھولداری ڈوبنے سے بچ گئی —

پھر ہم نے ایک ایک ڈونگا اسپرٹ حلق سے اتاری (ڈر تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی نہ کوئی بیمار پڑ جائے گا) اور اپنے بچے بچائے کارتوس سکھانے بیٹھے — کل ۱۹ کارتوس بچ رہے تھے، ۱۷ ڈبے تھے خوراک کے، ایک رائفل تھی (دوسری ہمیں پھینکنی پڑ گئی تھی)، تین گٹھری بستر اور ایک چھولداری — پھر کیا تھا — خیریت ھی رھی — (مگر ھاں زندگی میں مجھے کبھی اتنی مصیبت کا اتفاق نہیں ھوا تھا) —

میں تمھیں اس تفصیل سے سارے واقعات لکھ رہا ھوں تاکہ دماغ پر سے یہ بوجھ کسی طرح ھٹے اور جی ھلکا ھو — ہم یہاں امن کی جگہ تو پہنچ گئے لیکن ابھی تک طے نہیں کر پائے تھے کہ ھوائی

نہ تھا — دل چاہتا تھا کہ سب کو گولی مار دو اور
سب لٹ جاؤ۔ ہمیں کو ڈھیلا چھوڑ دو۔ لیکن پھر
لٹ وہیں میں ہم سب کا خاتمہ لازمی ہے ۔ میں
نے ان دونوں کو حکم دیا کہ جیپ اڑا کر روشنی کریں۔
بمشکل تمام اڑا سکا — اس وقت سرکس
کی کسی سخت کمی محسوس ہوئی۔ وہ ایسا کہ
معاملوں میں بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ اڑا کر دھواں
نکلا تو جیپ سلگنے لگی ہوا کے ساتھ
میں ہمارے پاس دو ٹین اسپرٹ کے نکل آئے — انہوں
نے ہمیں ہزاروں کی [illegible] سے بچا لیا —
ہم لوگوں نے [illegible] سارے اتار لئے۔ [illegible] طرف
سارا سامان سلگنے لگا [illegible] اور اسپرٹ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کوئی کیچڑ گارے کی دلدل سی تھی — خوش‌قسمتی ہماری! دلدل کی گیلی جھاڑیوں پر منھ کے بل ڈھے گئے اور کوئی بیس منٹ تک یوں ہی بےحال پڑے رہے — اس کے بعد میں نے تانیا اور ہرمن کو اٹھایا — آگے بڑھے تاکہ ''سوکھی'' سی جگہ تلاش کریں — سوکھی کا لفظ خاص معنوں میں استعمال کر رہا ہوں ورنہ ہمارے چاروں طرف کئی کئی سو کلومیٹر کے دائرے میں کسی بالکل سوکھی چیز کا مل جانا قطعی ناممکن تھا —

خیر، قسمت کو ہم پر ترس آ گیا — محسوس ہوا کہ اوپر کی طرف چڑھ رہے ہیں — یہاں خشکی نے پانی کو الگ کر رکھا تھا — ذرا آگے بڑھے تو کھڈ کے کناروں سے ٹھوکر لگی — اس کے ا کنارے پر بہت سے درخت ٹوٹے پڑے تھے اور ان نے قدرتی مچان سا بنا دیا تھا — ہمارا کلیان ہو گیا —

سونے کے لئے دم نکلا جا رہا تھا — ہاتھ پاؤں بالکل سن تھے، سارے بدن میں صرف درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں — پانی میں پڑے رہنے سے ہڈیاں اکڑ گئی تھیں — درد اور کپکپی کے سوا کچھ احساس

مجھے اب یاد نہیں آ رہا کہ ہم اتھلے تک کن کن مصیبتوں سے پہنچے — ویرا، تم تصور تو کرو، برف کے پانی میں ہم کمر کمر کیڑے تھے (اور ستمبر کا وسط دیکھو)، سیاہ رات چھائی ہوئی، کچھ پتہ نہیں، کدھر چلے جا رہے ہیں — بدن ٹوٹا جا رہا تھا، جیسا زور کے تپ و لرزہ میں ہوتا ہے — مجھے یاد نہیں کہ زندگی میں کبھی ایسا کٹھن وقت پڑا ہو۔ ماننا پڑے گا کہ ہرمس اور تانیا نے کمال کیا — دونوں میں سے کسی نے ایک بار بھی ہائے واویلا نہیں کی — صرف ایک دفعہ، جب بدن میں زور کی اینٹھن ہوئی تو تانیا کے حلق سے چیخ نکلی —

پھر ہم دریا کے شور پر کان لگائے ہوئے اور اس سے اپنا رخ بنائے ہوئے چلتے رہے: یعنی جدھر سے دریا کی آواز آ رہی ہے ادھر مستقل ہماری پشت رہنی چاہئے — رات بھر گھٹنے گھٹنے پانی میں، بلکہ بعض اوقات تو کمر کمر پانی میں اندادھند چلتے رہے — بدن کی اینٹھن ہم سب کو توڑے دے رہی تھی — صبح ہوتے آخر ایسی جگہ پہنچے جہاں

تھا کہ اپنی اس ''بکتر بند،، سواری میں کچھ اور
لٹھے باندھ کر اسے اور بڑا کر لیں، مگر راہ میں اتنے
اڈنبر کھڑے تھے کہ اس کے اندیشے نے ہمیں روک
دیا۔ ہر دو تین کلومیٹر پر اٹا ہوا کباڑ ملنے لگا۔
ہم اس میں سے راستہ کاٹ کر نکل جاتے تھے۔ اپنے
بیڑے کو اس کے نیچے سے نکال لے جاتے تھے۔
ا[illegible]میں یہ بیڑا بھاری اور بڑا ہوتا تو نیچے سے
[illegible] کر نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

جس کے معنی تھے کہ ہمارا راستہ کئی گنا بڑھ جائے —

آخرکار ہم نے بمشکل تمام گیلے اور موٹے موٹے ٹھنے لے کر موڑے توڑے، ایک چھولداری پہاڑی اور اس سے ایک پرانی بید کی ٹوکری کی تلی جیسی ایک چیز بنائی، اور اس طرح بیڑا تیار کرکے ہم پانی پر بہہ نکلے — ڈنڈوں کے ذریعے ٹھوکے دے دے کر کیچڑ میں سے اپنا بیڑا نکال لیتے تھے — بڑی ہولناک آزمائش کا وقت تھا — جب میں یہ خط لے کر آؤں گا اور تم اسے پڑھوگی تو یہ جو مصیبت ہم نے اٹھائی ہے، اس کے ہزارویں حصے کا بھی تصور نہیں کر سکوگی —

پہلے دن ہم تینوں اپنے ''چھوؤں،، سے بڑے دھارے کی طرف کھیتے رہے — رات بھی پانی میں ہی گزری — دوسرے دن ہم دھارے پر نکل آئے — تمام وقت چوکسے رہتے تھے کہ کہیں ان بڑے بڑے درختوں سے ٹکر نہ ہو جائے جو دریا کے بہاؤ پر چلے جا رہے ہیں — اگر ٹکرا جاتے تو ہمارا کمزور سا بیڑہ دم بھر میں الٹ جاتا — شروع میں جی چاہا

تھا کہ اپنی اس "بکتر بند" سواری میں کچھ اور لٹھے باندھ کر اسے اور بڑا کر لیں، مگر راہ میں اتنے اڈنبر کھڑے تھے کہ اس کے اندیشے نے ہمیں روک دیا — ہر دو تین کلومیٹر پر اٹا ہوا کباڑ ملنے لگا — ہم اس میں سے راستہ کاٹ کر نکل جاتے تھے — اپنے بیڑے کو اس کے نیچے سے نکال لے جاتے تھے — اگر کہیں یہ بیڑا بھاری اور بڑا ہوتا تو نیچے سے راستہ کاٹ کر نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا —

دوسری رات آئی — بارش منٹ بھر کو نہیں رکی تھی — ہمارے سارے کپڑے چیتھڑے ہو رہے تھے — گھپ اندھیرے میں اور موسلادھار بارش کے ہوتے ان اڈنبروں کا مقابلہ کرنا، ان سے جیتنا ہمارے تصور سے باہر تھا — اس کا مطلب تھا موت کے منھ میں جانا — ہم نے آخر پورا زور لگا کر یہ تدبیر کی کہ دریا کے بڑے دھارے کو چھوڑ کر کنارے کنارے پانی میں ہولیں — ادھر بڑھے تھے کہ ہم پر ایک بہت بڑا نوکدار ٹھنٹھ آ کر پڑا اور بچارے بےبس بیڑے کے چیتھڑے اڑ گئے —

جس کے معنی تھے کہ ہمارا راستہ کئی گنا بڑھ جائے —

آخرکار ہم نے بمشکل تمام گیلے اور موٹے موٹے ٹہنے لے کر موڑے توڑے، ایک چھولداری پہاڑی اور اس سے ایک پرانی بید کی ٹوکری کی تلی جیسی ایک چیز بنالی، اور اس طرح بیڑا تیار کرکے ہم پانی پر بہہ نکلے — ڈنڈوں کے ذریعے ٹھوکے دے دے کر کیچڑ میں سے اپنا بیڑا نکال لیتے تھے — بڑی ہولناک آزمائش کا وقت تھا — جب میں یہ خط لے کر آؤں گا اور تم اسے پڑھوگی تو یہ جو مصیبت ہم نے اٹھائی ہے، اس کے ہزارویں حصے کا بھی تصور نہیں کر سکوگی —

پہلے دن ہم تینوں اپنے ''چپوؤں'' سے بڑے دھارے کی طرف کھیتے رہے — رات بھی پانی میں ہی گزری — دوسرے دن ہم دھارے پر نکل آئے — تمام وقت چوکنے رہتے تھے کہ کہیں ان بڑے بڑے درختوں سے ٹکر نہ ہو جائے جو دریا کے بہاؤ پر چلے جا رہے ہیں — اگر ٹکرا جاتے تو ہمارا کمزور سا بیڑہ دم بھر میں الٹ جاتا — شروع میں جی چاہا

پر پانی کا تار بندھا ہوا تھا — پورے چوبیس گھنٹے
انتظار کرتے کرتے گزر گئے لیکن طوفانی بارش رکنے
میں نہ آئی — آخر طے کیا کہ چلا جائے —
چند قدم بڑھائے ہوں گے کہ ہم نے اندازہ
کر لیا: کچھ بھی کریں، جہاز کے اترنے کی جگہ
تک پہنچ نہیں سکتے — دریا دونوں کنارے توڑ کر
نکل گیا تھا اور کوئی بیس کلومیٹر تک پانی ہی
پانی تھا — اس پانی میں تیر کر نکل جانا بےمعنی بات
تھی — بعض بعض جگہ پانی کے بہت تیز رفتار
بہاؤ نے بھنور بنا دئیے تھے اور اڈنبر کھڑے کر دئیے
تھے، بعض جگہ رکا کھڑا تھا جیسے بند کھاڑی
میں ہوتا ہے — اس کے علاوہ ایک مشکل اور — اگر
ہم بیڑا بنائیں تو کس چیز سے بنائیں، کیونکر بنائیں؟
چاروں طرف کے درخت پانی میں آدھے ڈوبے ہوئے
تھے —

راس تک پیدل جانا بھی بالکل خیال محال
معلوم ہوتا تھا — تمام وقت کنارے کنارے ہو کر
گزرنا اور سیلابی پانی سے کترا کر نکل جانا ضروری تھا،

اتنی دیر میں غروب ہو چکی تھی اور اب وہ آ کر
گزرنے والی نہیں — سنگل بستر کے بنڈل، لپٹے
دو رانفلیں، لٹکے ہوئے تارتوس اور حوالات کے لیے
لیے، ہوا اندازاً کشتی سے باہر ہو گئے تھے، احتیاط سے
نہ رات کوئی ان لوگوں کو کشتی تک لے جانے میں
مستی کی کمی تھا — صبح کو سو بھی سکے
میں لائے — ایسے سامان میں ہم اور بھی کچھ
کچھ لوٹے تھے جو کہ لا سکے تھے، مثلاً تمہاری
میں کی اب تھیں اسہانی سخت ضرورت تھی، انکی
نا کوئی، سرکش کے ہونے کے ہمارے اوسان ختم
کر دئے تھے

کوئی دو گھنٹے گزر جانے پر جب ہوش
ہوش آیا اور اندازہ ہوا کہ ہم کہاں سب کچھ
تھے — مانوسہ کے اس ہندوستان بنگلہ میں ہم
سی وجود سہمے پڑے رہ گئے ہیں کہ تمہاری
تھی، یہ سمجھ بیٹھا کہ ہزاروں میل سے لٹا بیٹھا ہوئے
میں جانے

بارش اب بھی دھواں دھار ہو رہی تھی —
ایک ذرا ہلکی ہوئی لیکن ابھی تک آسمان سے برس رہی

--

انھیں ٹھوکا دے دے، وہ بکھریں اور انسان کے بدن کا بوجھ انھیں تھام نہ سکا— سارے کا سارا اڈنبر پانی میں بہہ نکلنے کی راہ کھلتے ھی نکل‌چلا اور دھواں دھار شور شرائے کے ساتھ دریا کے چوڑے پاٹ کی طرف تیزی سے رواں ھو گیا— آخری چیز، جو ھمیں نظر آئی وہ تھا سرگئی کا ھاتھ، جو اس کوشش میں تھا کہ لکڑی کا کوئی کندا تھام لے— لیکن اس جگہ پر اوپر سے اور کئی موٹے موٹے تنے آ پڑے...

آج اس واقعے کو کئی دن ھو گئے ھیں تو میں لکھ سکا ھوں اور تفصیلیں یادیں آتی جا رھی ھیں، ورنہ جب یہ حادثہ گزرا تو خوف کے مارے ھوش اڑ گئے تھے— تانیا بدحواسی سے چیخی، ھرمن کا گلا پڑ گیا، میرے سینے میں کچھ پھٹ کر رہ گیا— سرگئی کی ھلاکت ھم سب کے لئے جان لیوا ھو گئی، ھم اپنے ھوش و حواس کھو بیٹھے— ھم تینوں بالکل دم بخود، ادھ موے اور نڈھال، ایک کرتے پاجامے سے، موسلادھار بارش میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے—

اس کے بعد واپس چلے، نہ مٹی کیچڑ کا ھوش تھا، نہ سردی کی پروا تھی— پانی نے ھماری چھولداریاں

[illegible]

[illegible] ایک [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اٹھ کر بیٹھ گئے — چھولداری سے سر باہر نکالنا مشکل
تھا — سردی کے مارے کانپنے لگے اور دیکھے جا
رہے تھے کہ پانی کی ایک دیوار چڑھتی چلی آ رہی
ھے — تصور نہیں ہو سکتا کہ یہ ھے کیا بلا! معلوم
ہوتا تھا کہ بحر منجمد شمالی کا تمام پھوکا اور جما
ہوا برف بادلوں میں تبدیل ہو گیا اور وہ بادل ہمارے
سروں پر بارش بن کر پھٹ پڑے ہیں —
"کشتیاں!" ناگہانی سرگئی چیخ پڑا —
ہم نے کنارے کی طرف دیکھا — کس کا کنارہ،
کچھ بھی نہیں تھا — جس جگہ ہم نے اپنی ربڑ کی
ڈونگیاں باندھی تھیں، اب وہاں پانی کے شراٹے سنائی
دے رہے تھے اور کنارے توڑ کر ندی ابل رہی تھی —
اب وہ ندی نہیں تھی بلکہ پہاڑوں سے اترتا ہوا
ایک طوفانی نالہ تھا — آندھی طوفان کے توڑے ہوئے
درخت اس میں دھواں دھوں بہے چلے آ رہے تھے —
کچھ کہے سنے بغیر، سوتے جاگتے ہم لوگ
اسی نیم برہنہ حالت میں موسلادھار بارش کے اندر
ندی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ دوڑ پڑے — بڑا خوفناک
معاملہ تھا — برف کی کیچڑ نے پاؤں اینٹھا دئے — میں

کیمپ، جس جگہ ندی دریا سے آ کر گرتی ہے، اس سے کوئی ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر لگایا۔

کچھ وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ ہم نے چھولداریاں تان دیں، کشتیوں کو کنارے کھینچ لیا، رات کا کھانا کھایا اور سونے لیٹ گئے۔ اس رات موسم معمول پر تھا۔ دریا ہمیشہ کی طرح اس شام بھی دھواں دھواں ہو رہا تھا، ہلکا سا پالا پڑ رہا تھا۔ ہم لوگ اتنے تھک چکے تھے کہ کشتیوں سے خوراک کے ڈبوں والی پیٹیاں اور نمونوں والے تھیلے ڈھوکر اپنی چھولداریوں میں نہیں لائے، سوچا، کہاں جائیں گے، انہیں وہیں چھوڑ دیا اور ان پر ترپال ڈھک دی۔

کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی اور تقریباً رات کے بارہ بجے خزاں کے موسم کی خوفناک موسلادھار بارش شروع ہو گئی۔

سب سے پہلے سرگئی کی آنکھ کھلی۔ صبح کے ۶ بجے تھے۔ شور سنا تو وہ سمجھا کہ صرف ہوا زور مار رہی ہے اور پھر سونے لگا کہ اتنے میں وہ چونکا کہ یہ تو بارش ہے! اس نے ہم کو اٹھا دیا۔ ہم

زندہ باد! کل میں نے اور تانیا نے مل کر نئی
جگہ پر کھدائی شروع کی اور فوراً نیلی زمین هاتھ
آ گئی! کوئی سوا گز کے قریب اندر اترے هوں گے
کے سرمئی مٹی کا ڈھیلا اندر سے نکلا — پھر تو ایک
کے بعد ایک نکلتا چلا آیا — سوا دو گز کی گہرائی
میں کچی مٹی، سخت هوتی گئی اور چٹان کی طرح
سے هو گئی — سرگئی اور هرمن نے همارے قریب
زمین کو کھودنا شروع کیا اور ایسا جی توڑ کر
لگ گئے کہ دو گھنٹے کے اندر اندر هم سے آگے
نکل گئے — ان کو بھی برابر نیلی هی نیلی زمین ملتی
جا رهی ہے — هرمن کو اندر سے نکلی هوئی مٹی کے
ایک ڈھیلے میں هیرے کا ایک ٹھوس، چھوٹا سا،
ناصاف ٹکڑا مل گیا — اس کے بعد تانیا کو دو
هشت پھل الماس ملے —

یہاں آج کل دھوم ہے! اور تو اور، سرگئی تک
یسے مزے میں آیا کہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ
پھیل گئی — اپنی اس فتح کی خوشی میں هم لوگوں
زوردار دعوت کر ڈالی، سوکھے پھل جتنے رہ گئے
ے، سب ابال کر شربت بنا ڈالا، سرگئی نے هاتھ

سے کشتی لڑنے میں مصروف ہے جو ہمیشہ یخ بستہ رہتا ہے— اس نے اپنے اوپر نیند حرام کر رکھی ہے—
لگتا ہے کہ سردی بڑھ چلی— ستمبر بھی تو آ گیا نا— مگر ہم لوگوں کو اس کا کچھ ہوش نہیں— ہرمن اور سرگئی تو بنیائن پہنے پہنے کام میں جٹے رہتے ہیں— یخ بستہ مٹی آسانی سے قابو میں نہیں آتی— محنت طلب کام ہے— کھدائی میں آگ جلانی پڑتی ہے— زمین کے نیچے کے پانی کو زیر کرنا ہوتا ہے، بعض اوقات برفیلی کیچڑ میں گھٹنوں گھٹنوں کھڑے کئی گھنٹے گزر جاتے ہیں— کھدائی کے اندر سے نکلتے ہیں تو پانی کیچڑ میں لت پت، کالے کلوٹے، بدن سے بھاپ نکلتی ہوئی، حال سے بے حال، ڈاڑھیاں بڑھی ہوئی، مختصر یہ کہ ہم عین میں دلدل کے بھوت ہو رہے ہیں— تانیا لڑکی ہے، مگر سب کے برابر کام کرتی ہے، بچاری! خود کو اوروں سے ذرا زیادہ صاف ستھرا رکھنے کے لئے اسے کیسی بےپناہ مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے—
پھر بھی یہ کمبخت کیمبرلیت ہاتھ نہیں آیا!

کی طرف کھینچ کر لاتا ہے جو نقشے میں پڑاؤ کے
لئے مقرر ہے — ہمارے پہنچنے تک وہ چھولداری
لگا دیتا ہے، کھانا تیار کر دیتا ہے اور عام طور
سے سارا بندوبست اسی کے ہاتھ میں ہے —

ویرا، میرے دل کی ٹھنڈک! کل کیا ہوا کہ
سرگئی کو کیمبرلیت کے ٹکڑے ہاتھ آگئے — ہاں،
ہاں، واقعی، وہی ہے! ندی کے دونوں کناروں پر
ہم نے کئی جگہ کھدائی کر ڈالی، اور اب ہم
بے تحاشا اپنے کدال اور پھاوڑے لئے جٹے ہوئے ہیں —
لکھنے کی فرصت کیا معنی، دن رات میں کل تین گھنٹے
سونا ہوتا ہے...

ویرا، میں نے کئی دن سے تمھیں کچھ نہیں
لکھا — بہت بری طرح تھک کر چور ہو گیا تھا —
ہم نے قریب قریب بیس کھدائیاں کیں — کیمبرلیت
پائپ کا کہیں پتہ نہیں — بلا کی مایوسی ہے —
تانیا تو روتی ہے، ہرمن کی بھی آنکھیں بھر آئی ہیں —
یک سرگئی ہے جو برا بھلا کہہ کر پھر اس علاقے

ہے کہ طبیعت سے وہ ''ڈاکٹر آئی‌بالیت'' • معلوم
ہوتا ہے اور اسی نام سے اس کو پکارتی بھی ہے —
(میرا قیاس ہے کہ ہرمن تانیا کی طرف سے قطعی
بے‌نیاز نہیں ہے اور وہ اسے جانتی ہے، اس لئے چھیڑتی
رہتی ہے) —

...یہ ندی یا نالہ ہمیں شمال کی طرف لئے
جا رہا ہے — جتنا آگے بڑھتے ہیں، تائیگا اتنا ہی
تندرا ہوتا جاتا ہے — راستے میں ایسی جگہیں بھی
آتی ہیں جہاں جنگل کا نام نشان نہیں، صاف ہموار
میدان، جس پر سوکھی گھاس تیلوں کی طرح بھری
پڑی ہے اور کہرے لال رنگ کے رنگ‌آلود سے
نشان ہیں کائی کے —
ہم کنارے کنارے چلے جا رہے ہیں: میں
ایک کنارے، ہرمن اور تانیا دوسرے کنارے —
سرکتی ہماری رنگ کی کشتیوں کو مانند ہے اس جگہ

• آئی‌بالیت — ایک ہمدرد ڈاکٹر کی ہر دلعزیز
روسی کہانی، جس میں ڈاکٹر آئی‌بالیت سارے جانوروں
کا علاج کرتا پھرتا ہے — (مترجم)

اس لئے میں فی‌الحال بہت کچھ لکھے دے
رہا ہوں، اپنے کام کے بارے میں، اپنی ناکامیوں اور
مایوسیوں کے بارے میں اور چھوٹی چھوٹی خوشیوں
کے متعلق — ہم لوگ وہ کیمبرلیت پائپ کی تلاش
کر رہے ہیں جس میں الماس یا ہیرا ہوتا ہے — ہم
کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کا کھوج لگائے بغیر
یوں ہی چھوڑ دیں — کس قدر وقت، کتنی قوت،
کتنی رقم اب تک کی تیاریوں میں کھپ چکی
ہے —

ہم سے اس بات کی توقع کی جاتی ہے کہ پائپ
کو ٹٹولیں، اس کے اندر سے نمونے نکالیں اور الماس
کی جائے پیدائش نقشے پر لائنوں کے ذریعے دکھائیں —
جو نقشے ہم دیں گے انھیں سامنے رکھ کر تعمیری
کام کرنے‌والے چلیں گے — وہ اس جگہ پر کانوں کی
کھدائی کریں‌گے، بستیوں کی بنیاد ڈالیں‌گے— مطلب
ہ کہ اس خزاں میں ہم لوگ مہم کے سنٹرل ڈپو
پائپ کا نقشہ تیار کئے بغیر، خالی ہاتھ نہیں لوٹ
تے — ہمیں معلوم ہے کہ جنوب کی طرف اس کی
ش میں کئی کھوج لگانے‌والی ٹیمیں نکلی ہوئی

میں سوچ لیا ہے کہ خط تم تک پہنچ گیا اور تم نے اسے پڑھ ڈالا —

سلام ویرا! پھر ڈیرا لگا ہوا ہے — رات کا وقت ہے — الاؤ روشن ہے — میرا پھر جی چاہتا ہے کہ تم سے باتیں کروں — یہ خط جو لکھ رہا ہوں، تو سمجھو کہ بس، خود ہی سردیوں میں لےکر پہنچوں گا —— اس سے پہلے تم تک پہنچ نہیں سکتا — میں جب آؤں گا تو ہم کو کچھ نہیں بتائے گا — خاموشی سے گھر میں قدم رکھوں گا، فرش پر سوٹ کیس چھوڑ کر یہ خط تمہارے حوالے کر دوں گا — تم یہ خط پڑھوگی اور میں سامنے بیٹھا تمہاری صورت تکتا رہوں گا، تمہارا چہرہ، تمہاری زلفیں، تمہارے ہاتھ میری آنکھوں کے سامنے ہوں گے — تم خط پڑھوگی، سب کچھ سمجھ جاؤگی اور اس کے بعد میرے بارے میں نہ کوئی گفتگو ہوگی، نہ آپ بیتی کا ذکر زباں پر آئے گا — صرف تمہاری باتیں ہوں گی —— تمہارا تذکرہ ہوگا، تمہاری زندگی، تمہارے کام، تمہاری کامیابیاں ہمارا موضوع سخن ہوں گی —

کا یقین ہے — جب ہوائی جہاز کے شانوں پر ب
ہوں گا تو میں کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھوں
اور دل میں تمہارا خیال بسا ہوگا —
مگر ابھی اس کو کافی دن لگیں گے... فی الحال
تو تم... آنکھیں جھپکاؤ اور انتظار کئے جاؤ ——
لیکن دیکھو، ہماری فتح کا یقین رکھنا!

ویرا پیاری، سلام! مجھ پر خفا مت ہونا — ہوا
یہ کہ خط جو میں نے ضمناً ہوائی جہاز میں لکھا
تھا، وہ پائلٹوں کے ہاتھ روانہ نہیں ہو سکا — اترنے
میں کام گڑبڑ ہو گیا — برف پگھلنے کے بعد پانی
سوکھا نہیں تھا — جس زمین پر اترنا تھا وہ آدھی
پانی میں ڈوبی ہوئی تھی — جہاز بالکل دریا میں
اتر گیا اور قریب قریب پروں تک پانی تھا — ہم
لوگ دریا میں کود گئے اور کمر کمر پانی میں
سامان لئے ہوئے کنارے پہنچے — اس افراتفری میں
خط پائلٹوں کے حوالے کرنا بھول گیا — میرے ہی
س رہ گیا اور دوسرا مہینہ ہوتا ہے کہ لکھا لکھایا
اپنے ساتھ تائیگا میں لئے پھر رہا ہوں — جی

جب تم سو کر اٹھوگی تو ہم تائیگا کے طوفانی دریا کے دھوئے ہوئے پیلے ریت پر اتر چکے ہوں گے — جہاں ہم اترنےوالے ہیں وہ جگہ قطب شمالی سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوگی — جب تم بستر سے اٹھوگی، منہ ہاتھ دھوؤگی، بال سنواروگی، تو ہم جنوب کی جانب پرواز کرنےوالے جہاز کو رخصت کرکے اور شمال کی جانب بڑھ جائیں گے — ہمارے جیولوجیکل ہتھوڑے قدیم پہاڑوں کی نکلی ہوئی چٹانوں میں کھٹاکھٹ بج رہے ہوں گے — ہم اپنی کدالوں اور گملٹوں سے سدا کی یخ بستہ زمین کو کرید رہے ہوں گے، دلدلوں میں، ہمیشہ کی دھساؤ زمینوں میں گھس پڑے سو رہے ہوں گے — ہمارے سروں پر قطب شمالی کے ٹھنڈے ستاروں کی چھاؤں ہوگی اور خیالوں میں وہ لوگ بسے ہوں گے جو بڑی زمین پر ہمارا انتظار کر رہے ہیں —

بہت دنوں کے بعد کہیں ہم تائیگا سے نکلیں گے —— ڈاڑھیاں بڑھی ہوئی ہوں گی، بدن میلے کچیلے، تھکے ہکائے — ہوائی جہاز ہمارے انتظار میں ہوگا — کچھ جیب کر، کچھ لے کر نکلیں گے —— مجھے اس

شمال کی طرف اڑا جا رہا ہوں تمہارے لئے کوئی
نہ کوئی اچھی بات کروں — میرا جی چاہتا ہے کہ
تم خواب میں وہ روشن اور دھوپ بھرا دن دیکھو
جو جنوب کے ایک ہنستے کھیلتے شہر میں گزرا
تھا — پانچ سال کی بات ہے — ہم دونوں نے اس
دن طے کیا تھا کہ ہمیشہ ساتھ رہیں گے —

اس روز میں نے تم سے کہا تھا کہ زندگی
میں کوئی بہت بڑی چیز کرنا چاہتا ہوں جو میرے
وطن کے لئے بہت کارآمد اور ضروری ہو — تم نے
جواب دیا تھا کہ جدائی ساری زندگی ہمارے محبت
کے دم کے ساتھ رہے گی — تمہیں یاد ہوگا، ان الفاظ
کے بعد ہم دونوں دیر تک خاموش رہے تھے — ہم
کو معلوم تھا کہ یہ جو بات منہ سے نکلی ہے، سچ
ہے، لیکن ہماری محبت اس سچائی سے زیادہ جاندار تھی —

ویرا پیاری، اتنی کم ملاقات ہوتی ہے تم
ہ — ہر بار جب ہم جدا ہونے لگتے ہیں تو ہجر
برسوں اور وصل کے لمحوں کی یاد میں جام اٹھاتے
— ہم جانتے ہیں کہ یہ چند منٹ ایک ساتھ
طویل زندگی کی قدر و قیمت رکھتے ہیں —

یہ بھٹے ہوئے چھدرے بادل ہمارے ہوائی جہاز کے پروں کے نیچے سرمئی گھناؤں کی شکل میں کیسے خاموش تیرتے پھر رہے ہیں — تمہارے گرم اور آرام دہ کمرے میں رات کا ٹیبل لیمپ ہمیں ہلکی گلابی روشنی دیتا ہوگا، اور ہمارے ہوائی جہاز کی شیشے لگی کیبن میں سے شمالی اجالے کی مشہور جھلکیاں نظر آ رہی ہیں...

ویرا پیاری، ہم دونوں ایک دوسرے سے کس قدر دور ہیں! میں جانتا ہوں کہ تمہیں میری طرف سے پریشانی ہوگی، میری بےآرام اور بےٹھکانا زندگی کی فکر ہوگی — ہم دونوں کو ایک ساتھ رہنے کا اتفاق کم ہوتا ہے — تمہیں زیادہتر میری یاد اس عالم میں آتی ہوگی کہ یا تو قدم وہل کے ڈیرے میں ہے، یا ہوائی جہاز کے ٹہلے ہوئے ہٹ کے پاس کھڑا ہوں، ہمیشہ پا بہ رکاب، ہمیشہ تم سے جدا ہونے کو تیار—

میرا بہت جی چاہ رہا ہے کہ عین اس وقت جب کہ تم بہت دور ماسکو میں سو رہی ہوگی اور میں ارضیات کے خاموش علم ماہروں کے ساتھ

شمال کی طرف اڑا جا رہا ہوں تمھارے لئے کو
نہ کوئی اچھی بات کروں ــ میرا جی چاہتا ہے ــ
تم خواب میں وہ روشن اور دھوپ بھرا دن دیکھ
جو جنوب کے ایک ہنستے کھیلتے شہر میں گزر
تھا ــ پانچ سال کی بات ہے ــ ہم دونوں نے اس
دن طے کیا تھا کہ ہمیشہ ساتھ رہیں گے ــ
اس روز میں نے تم سے کہا تھا کہ زندگی
میں کوئی بہت بڑی چیز کرنا چاہتا ہوں جو میرے
وطن کے لئے بہت کارآمد اور ضروری ہو ــ تم نے
جواب دیا تھا کہ جدائی ساری زندگی ہمارے محبت
کے دم کے ساتھ رہے گی ــ تمھیں یاد ہوگا، ان الفاظ
کے بعد ہم دونوں دیر تک خاموش رہے تھے ــ ہم
کو معلوم تھا کہ یہ جو بات منھ سے نکلی ہے، سچ
ہے، لیکن ہماری محبت اس سچائی سے زیادہ جاندار تھی ــ
ویرا پیاری، اتنی کم ملاقات ہوتی ہے تم
سے ــ ہر بار جب ہم جدا ہونے لگتے ہیں تو ہجر
کے برسوں اور وصل کے لمحوں کی یاد میں جام اٹھاتے
ہیں ــ ہم جانتے ہیں کہ یہ چند منٹ ایک ساتھ
کی طویل زندگی کی قدر و قیمت رکھتے ہیں ــ

یہ پھٹے ہوئے چھدرے بادل ہمارے ہوائی جہاز کے پروں کے نیچے سرمئی گپھاؤں کی شکل میں کیسے خاموش تیرتے پھر رہے ہیں— تمہارے گرم اور آرام دہ کمرے میں رات کا ٹیبل لیمپ بھینی بھینی گلابی روشنی دیتا ہوگا، اور ہمارے ہوائی جہاز کی شیشے لگی کیبن میں سے شمالی اجالے کی مشہور جھلکیاں نظر آ رہی ہیں...

ویرا پیاری، ہم دونوں ایک دوسرے سے کس قدر دور ہیں! میں جانتا ہوں کہ تمہیں میری طرف سے پریشانی ہوگی، میری بےآرام اور بے ٹھکانا زندگی کی فکر ہوگی— ہم دونوں کو ایک ساتھ رہنے کا اتفاق کم ہوتا ہے— تمہیں زیادہ‌تر میری یاد اس عالم میں آتی ہوگی کہ یا تو قدم ریل کے ڈبے میں ہے، یا ہوائی جہار کے کھلے ہوئے پٹ کے پاس کھڑا ہوں، ہمیشہ پا بہ رکاب، ہمیشہ تم سے جدا ہونے کو تیار—

میرا بہت جی چاہ رہا ہے کہ عین اس وقت جب کہ تم بہت دور ماسکو میں سو رہی ہوگی اور میں ارضیات کے خاموش طبع ماہروں کے ساتھ

میں گھومتی رہی — اس میں بتائی ہوئی کئی جگہیں ایسی تھیں کہ ماہرین ارضیات نے مناجات کی طرح لگن سے پڑھیں، انھیں جی جان سے عزیز رکھا — پھر یہ کاپی میرے ہاتھ لگ گئی —

سابی‌نن مرحوم اپنی بیوی کو مہینوں سے خط لکھ رہے تھے — خط مسلسل چل رہا تھا، تمام نہیں ہوا تھا، اور آخر ایسے ہی ناتمام رہ گیا اور بھیجا نہیں جا سکا — سنئے، اس خط میں کیا لکھا ہے:

"...ابھی تمہاری طرف شام ہوگی اور یہاں صبح ہو چکی ہے — وہاں ماسکو میں ہلکی موسیقی سنی جا رہی ہوگی — یہاں مرغ بانگ دے رہے ہیں — ہم لوگ صبح تڑکے اٹھتے ہیں تاکہ ہوائی اڈے پر پہنچ کر جانےوالا ہوائی جہاز پکڑ سکیں — جب تم بستر پر لیٹ کر سونے کے لئے آنکھیں بند کرتی ہو، اس وقت ہم کھلی ہوا میں نکل چکتے ہیں — تم اچھے اچھے خواب دیکھتی ہوگی اور ہم ایک دوسرے سے سٹے ہوئے ہوائی جہاز کی چھوٹی گول کھڑکیوں میں سے جھانک رہے ہوں گے کہ ...

ایوینک کے ان لوگوں کو سامی‌نن کی لاش کے سینے پر ایک پیکٹ ملا — اس پیکٹ میں ایک نقشہ رکھا تھا جس میں وہ الماس کی جائے پیدائش دکھائی گئی تھی یعنی وہ جگہیں جن کا انہوں نے پتہ لگایا تھا — کئی اور کاغذ تھے جن پر ان کی تحریریں تھیں — یہ ایک خط تھا جو سامی‌نن نے مرنے سے پہلے اپنی بیوی کے نام لکھا تھا —

خط ماسکو کے پتے پر بھیج دیا گیا، اور نقشہ جانچ کے لئے ارضیات والوں کے حوالے کیا گیا — انہوں نے دیکھ بھال کر تصدیق کی کہ ہاں سامی نن کی ٹیم نے جو کیمبرلیت پائپ* کا پتہ لگایا ہے اس میں الماس موجود ہیں —

خط پوسٹ کرنے سے پہلے کسی نے اسے ٹائپ کر ڈالا — جو ٹیمیں یاقوتیہ میں ہیروں کا سراغ لگا رہی تھیں، یہ کاپی ایک زمانے تک ان کے ہاتھوں

---

* چکنی مٹی کے سخت قدرتی پائپ جو زمانہ قدیم سے زیر زمین پائے جاتے ہیں اور جن میں سے الماس نکالا جاتا ہے — (مترجم)

''ایک منٹ مجھے بھی...''

ہم سب اشتیاق میں اس کی طرف مڑ گئے —

''میں آپ لوگوں میں سے کسی سے بحث نہیں کروں گا — صرف ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو میرے خیال میں آپ کی آج کی گفتگو سے کچھ واسطہ رکھتا ہے —''

اتنا کہا اور اپنا خستہ حال سفری تھیلا اٹھایا، اس میں سے ایک کاپی نکالی جو بہت مڑی تڑی تھی —

''دو سال ہوئے کہ خزاں کی موسلادھار بارش کے دنوں میں تائیگا کے اندر ارضیات والوں کی ایک کھوج لگانے والی ٹیم لاپتہ ہو گئی — بہت تلاش کی گئی لیکن ان لوگوں کا کہیں سراغ نہ ملا — بہار کے موسم میں جب برف پگھلا تو ایوینک* بارہ سنگھوں کے ریوڑ والوں کو اتفاق سے اس ٹیم کی آخری چھولداری نظر آئی — جس جگہ چھولداری یا ٹھکانا ملا تھا، وہاں سے دس قدم پر آدمی پڑا تھا — یہ آدمی اس ٹیم کا لیڈر کوستیا سابی‌نن تھا —

---

* ایوینک —— سائبیریا کے شمال کا ایک چھوٹا سا صحرا نشین قبیلہ — (مترجم)

سکے۔ دوسروں نے اپنی رائے پر زور دیا کہ ایثار یا اپنی جان قربان کر دینا دراصل نتیجہ ہے جذباتی ہیجان کا، ایک کیف وسرشاری کا، آدمی اپنی قربانی سوچ سمجھ کر اور ناپ تول کرکے نہیں دیا کرتا، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ایک لہر آتی ہے اور اس سے بھینٹ لے کر چلی جاتی ہے۔ زمین کی ساخت دیکھنے والوں میں ایک سیاہ اور جھبرے بالوں کا نوجوان تھا، کوئی پچیس برس کا، اس نے دوسرے نقطۂ نظر کی بڑے زورشور سے حمایت کی۔

جسے میں نے اکل کھرا ماہر ارضیات کہا ہے (یعنی تریاتوف) شروع میں اس نے ہماری بحث پر کان نہیں دھرے تھے۔ لیکن بعد میں جب وہ جھبرا نوجوان ''مناظرے کے جوش میں'' کود کر کمرے کے بیچوں بیچ پہنچ گیا اور ہاتھ چلا چلا کر کسی بات پر چیخنے اور گلا پھاڑنے لگا تو تریاتوف اپنی بنچ پر سیدھا ہوکر بیٹھ گیا اور جس طرح اسکول کے طالب علم سبق کے وقت کچھ کہنے کے لئے ہاتھ کھڑا کرتے ہیں، اس نے اپنی باری مانگی اور آہستہ سے بولا:

ایسی ھی ایک رات تھی — ہم لوگ اپنے ان پوٹلے جیسے بستروں پر ٹیک لگائے پڑے تھے جو رگڑ سے چکنے ھو چکے تھے اور خالی ڈبوں میں سے گاڑھی چائے نکال نکال کر پی رہے تھے — یہ وہ چائے تھی جو سائبیریا میں سونے کی کھوج کرنےوالے پیا کرتے ھیں — اتنے میں قربانی اور ایثار کا تذکرہ نکل آیا —

اب یاد نہیں آ رہا کہ یہ گفتگو چھڑی تھی کیونکر — کسی نے بات نکالی، دوسرے نے لقمہ دیا اور منٹ بھر بعد سب اسی میں لگ گئے — صرف مالک مکان الگ تھلگ رہا اور ھمارے ھمراھیوں میں سے ایک شخص نے حصہ نہیں لیا — یہ ایک ادھیڑ عمر کا اکل کھرا ماھر ارضیات تھا — تائیگاوالے پرانے لوگوں کی طرح اس کا چہرہ بھی گہری جھریوں سے بھرا پڑا تھا —

ذکر چھڑا تو خیالات کا اختلاف فوراً ظاھر ھوا — ایک نے کہا کہ آدمی ایثار سے صرف اس حالت میں کام لیتا ھے جب اسے اپنی نظر کے سامنے وہ مقصد صاف نظر آ رہا ھو جس کے نام پر زندگی قربان کر

ہماری سات آدمیوں کی ٹولی تھی: تین ارضیات والے، تین جیوفزیسٹ یعنی زمین کی ساخت دیکھنے والے اور ایک جیوڈسٹ۔

روزانہ صبح سویرے، دن نکلنے سے پہلے ہم لوگ کشتی پار کرکے اس بڑی پتھریلی راس تک جاتے تھے جو ہوائی اڈے کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ وہاں ہم پڑی ہوئی کشتیوں پر بیٹھ کر اداس نظروں سے آسمان تک کرتے تھے۔

جب شام ہونے لگتی تو روڑی پر مایوس قدموں سے بجری جوتے جھنجھناتے اپنے ٹھکانے واپس چلے آتے۔

رات کو سونے سے پہلے بیٹھک جم جاتی۔ دیر تک باتیں ہوتی رہتیں ماسکو کے بارے میں، دوستوں اور عزیزوں کے بارے میں، جان پہچان کی لڑکیوں اور بیویوں کے متعلق — غرض ہر اس چیز کے متعلق، جو ہم سے دور تھی، جو قطب شمالی کے سر تنگ سے دور تھی، جو ہمیں رہ رہ کر یاد آتی تھی اور جس سے ملنے کا ہمیں بیقراری کے ساتھ انتظار تھا۔

مجھے ۱۹۵۶ء کے موسم خزاں میں ''کومسومولسکایا پراودا'' اخبار کے نامہ نگار کی حیثیت سے یاقوتیہ جانے کا اتفاق ہوا — وہاں سوویت یونین کے نوجوان ماہرین ارضیات کے ایسے ایسے جانبازی کے کارنامے سننے میں آئے جو نہایت دل چسپ ہیں — یہ وہ نوجوان ہیں جنھوں نے الماس و یاقوت کی جائے پیدائش کا سراغ لگایا ہے — یہ کہانی جو میں پیش کر رہا ہوں، اس کی اصل وہیں کے سنے ہوئے واقعات میں مجھ کو ملی تھی —

والیری اوسیپوف

یاقوتیہ کے دشوارگزار جنگلوں سے گھری ہوئی ایک چھوٹی سی بستی میں ہم لوگ پڑے ہوئے تھے — ہوائی جہاز کا انتظار کرتے دوسرا ہفتہ ہو رہا تھا —

والیری اوسیوف — پیدائش ۱۹۳۰ء —
جرنلزم کی تعلیم پائی — کئی طویل کہانیاں
اور فلمی منظر نامے لکھے —
ان کی یہ کہانی ''معمہ حل ہو گیا''
بہت مشہور ہوئی — اس پر فلم بھی بنی
اور یہیں سے افسانہ نگار کی شہرت ہوئی

او سپیرے

خط، جو رہ گیا



شکاریوں [illegible] اونچے
اونچے شاندار [illegible] کتوں
کے آپ کو [illegible] دیکھنے دیانا،
انٹی، فونبس [illegible] جیسے ہیرو
اس محفل میں موجود تھے... [illegible] کو جو
اونچا نام نصیب ہوا۔ [illegible] یعنی سدا چمکنے والا
لا ستارہ، شاید [illegible]
ایسا حق [illegible] نے اپنے شاندار نام

سمجھ گیا کہ کیا واقعہ پیش آیا ہوگا۔ ایک سوکھا
پیڑ تھا چیڑ کا، جس کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہوگی۔
اس میں نیچے ایک ٹہنا جھکا ہوا تھا۔ پورے درخت
کی طرح یہ ٹہنا بھی سوکھ گیا تھا، اس کے کانٹے
جھڑ چکے تھے اور بڑی سی نوکدار لاٹھی بن گیا
تھا۔ آرکٹرس اپنے شکار کو سونگھتا ہوا دوڑ رہا
ہوگا اور بے تحاشا اس سوکھی سخت لاٹھی سے ٹکرا
گیا ہوگا۔ اسے دوڑتے وقت نہ کچھ سنائی دیتا ہوگا،
نہ کچھ سجھائی دیتا ہوگا، بس ایک شکار کی بو
اسے دوڑائے لئے جا رہی ہوگی۔ یہاں اس نے جان
دے دی اور دن کی روشنی دیکھنا میسر نہ ہوا۔
کیا شاندار زندگی پائی!

میں گھپ اندھیرے میں آگے بڑھتا چلا گیا۔
کھلی جگہ میں نکل آیا اور وہاں سے گیلی زمین پر
قدم چپ چپاتا ہوا چلا تو راستے پر ہو لیا۔ میں
جا رہا تھا مگر خیالات اسی جگہ اٹکے ہوئے تھے،
جہاں چھوٹے سے ٹیلے پر چیڑ کا سوکھا ہوا ٹہنا
نکلا تھا۔

کوئی دو برس بعد مجھے پھر اس طرف جانے کا اتفاق ہوا اور اس بار پھر میں ڈاکٹر صاحب کے یہاں ٹھیرا — وہ پہلے کی طرح اب بھی اکیلے رہتے تھے — نہ اب فرش پر کوئی پنجے پٹکنے والا تھا، نہ کوئی ناک سے سوں سوں کرنے والا، نہ کوئی بید کے فرنیچر پر دم بجاتا تھا — گھر میں خاموشی تھی اور کمروں میں بھی پہلے کی طرح اٹی ہوئی دھول کی، دواؤں کی اور پرانے دیواری کاغذوں کی باس بھری تھی —

بہار کا موسم تھا اور خالی مکان میں دم گھٹنے والی فضا نہیں تھی — باغیچے میں غنچے چٹکنے لگے تھے، چڑیاں چہچہانے لگی تھیں، شہر کے باغ میں کووں نے گھونسلے بنانے شروع کر دئے تھے، آسمان سر پر اٹھا لیا تھا — ڈاکٹر صاحب باریک آواز میں اوپیراؤں کے ٹکڑے گنگنانے لگے تھے — صبح ہوتے شہر پر ایک نیلا سا کہرا چھایا رہتا تھا، دریا حد نظر تک پھیل گیا تھا، جہاں پانی چڑھ آیا تھا،

کئی دن گزر جانے کے بعد خود ڈاکٹر بھی اسی نتیجے پر پہنچے — ایک دم ان پر افسردگی طاری ہو گئی، ان کا گانا گنگنانا جاتا رہا — اب انہیں رات کو دیر تک نیند نہیں آتی تھی — گھر میں آرکٹرس کے جاتے ہی سناٹا ہو گیا، ویرانی سی چھا گئی — بلوٹوں کو اب کسی کا اندیشہ نہیں رہ گیا تھا، وہ باغ میں چھلیں کرتے، اودھم مچاتے پھرتے تھے — دریا کے پاس جو بڑا سا پرانا پتھر پڑا تھا، اب اس کو کوئی سونگھنے والا نہیں تھا — اب وہ دھرتی کے سینے پر بوجھل اور فالتو کپڑا ہوا تھا اور بارشوں میں اور سیاہ ہوتا جاتا تھا — اس کی بو باس اب کسی کو نہیں چاہئے تھی —

جس روز مجھے وہاں سے روانہ ہونا تھا، میں اور ڈاکٹر دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے — جان بوجھ کر ہم آرکٹرس کے تذکرے سے کترا رہے تھے — ڈاکٹر صاحب نے صرف ایک بار اس پر اظہار افسوس کیا کہ نوجوانی کے زمانے سے شکاری کیوں نہیں رہے —

۹

کوئی دو برس بعد مجھے پھر اس طرف جانے
کا اتفاق ہوا اور اس بار بھر میں ڈاکٹر صاحب کے
یہاں ٹھیرا — وہ پہلے کی طرح اب بھی اکیلے رہتے
تھے — نہ اب فرش پر کوئی پنجے پٹکنے والا تھا،
نہ کوئی ناک سے سوں سوں کرنے والا، نہ کوئی
بید کے فرنیچر پر دم بجاتا تھا — گھر میں خاموشی
تھی اور کمروں میں بھی پہلے کی طرح اٹی ہوئی
دھول کی، دواؤں کی اور پرانے دیواری کاغذوں کی
باس بھری تھی —

بہار کا موسم تھا اور خالی مکان میں دم گھٹنے والی
فضا نہیں تھی — باغیچے میں غنچے چٹکنے لگے
تھے، چڑیاں چہچہانے لگی تھیں، شہر کے باغ میں
کووں نے گھونسلے بنانے شروع کر دئے تھے، آسمان
سر پر اٹھا لیا تھا — ڈاکٹر صاحب باریک آواز میں
اوپیراؤں کے ٹکڑے گنگنانے لگے تھے — صبح ہوتے
شہر پر ایک نیلا سا کہرا چھایا رہتا تھا، دریا
حد نظر تک پھیل گیا تھا، جہاں پانی چڑھ آیا تھا،

کئی دن گزر جانے کے بعد خود ڈاکٹر ہی اس نتیجے پر پہنچے — ایک دم ان پر افسردگی طاری ہو گئی، ان کا گانا گنگنانا جاتا رہا — اب انہیں رات کو دیر تک نیند نہیں آتی تھی — گھر میں آرکیرس کے جاتے ہی سناٹا ہو گیا، ویرانی سی چھا گئی — بچوں کو اب کسی کا اندیشہ نہیں رہ گیا تھا، وہ باغ میں چہلیں کرتے، اودھم مچاتے پھرتے تھے — دریا کے پاس جو بڑا سا پرانا پتھر پڑا تھا، اب اس کو کوئی سونگھنے والا نہیں تھا — اب وہ دھوپ کے سینے پر بوجھل اور فالتو کھڑا ہوا تھا اور بارشوں میں اور سیاہ ہوتا جاتا تھا — اس کی یہ حالت اب کسی کو نہیں چاہئے تھی —

جس روز مجھے وہاں سے روانہ ہونا تھا، میں اور ڈاکٹر دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے — جان بوجھ کر ہم آرکیرس کے تذکرے سے کترا رہے تھے — ڈاکٹر صاحب نے صرف ایک بار اس پر اظہار افسوس کیا کہ نوجوانی کے زمانے سے شکاری کیوں نہیں رہے —

کرتا ہے! لیکن آرکٹرس کو اس طرح کی زندگی جو ملی بھی وہ مختصر ملی —

اگست کا مہینہ ختم ہو رہا تھا، موسم بگڑ چلا تھا، میں وہاں سے روانہ ہونے کی تیاری کر رہا تھا کہ آرکٹرس غائب ہو گیا — صبح کے وقت وہ جنگل کی طرف گیا تھا، شام کو نہیں لوٹا، دوسرے دن نہیں آیا، تیسرے دن نظر نہیں آیا —

جب کوئی دوست جو آپ کے ساتھ رہتا ہو، جس سے روزانہ ملاقات ہوتی ہو، جس کی طرف آپ اکثر دھیان بھی نہ دیتے ہوں، اچانک ایک روز غائب ہو جائے پھر نظر نہ آئے، تو آپ کے حصے میں صرف یادیں رہ جاتی ہیں —— اور بس —

چنانچہ مجھے اب وہ دن یاد آنے لگے جو اس کے ساتھ گزرے تھے، وہ اس کا اکھڑے اکھڑے رہنا، گھبرانا، بےڈھنگا چلنا، بلکہ کسی قدر ترچھا ہو کر چلنا، وہ اس کا دوڑنا، اس کی آواز، عادتیں، چھوٹی چھوٹی پیاری باتیں، مالک سے اس کا عشق، یہاں تک کہ اس کی بو جو ایک صاف ستھرے، تندرست کتے کی بو تھی، وہ بھی یاد آنے لگی... مجھے یا

کیا اچھا ہوتا اگر ساری عمدہ کہانیاں اچھے
انجام پر تمام ہوا کرتیں! کہانی کا ہیرو چاہے
شکاری کتا ہی کیوں نہ ہو، لیکن اسے حق پہنچتا ہے
کہ دنیا میں لمبی اور راحت کی زندگی پائے۔

دنیا میں کوئی بھی بےمقصد نہیں آتا ہے —
شکاری کتے کی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ وہ دشمن
جنگلی جانور کا پیچھا کرے، پیچھا اس لیے کرے
کہ وہ آپ سے انسان کے پاس کبھی نہیں آ سکا،
اس کا دوست کبھی نہیں بن سکا، جس طرح کسی زمانے
میں کتا آیا ہوگا اور دوست بنا ہوگا — یہ جنگلی
جانور جنگلی کیوں بنا رہا — اندھا کہ ناسمجھ آدمی
کی طرح نہیں ہے — اندھے لیے کی کوئی مدد نہیں
کرتا — وہ اندھیرے میں اکیلا بھٹک رہ جاتا ہے،
بےبس اور غریب کے ہاتھوں میں پڑے ہیں، جو لیس
کمزور پر رحم کرنا نہیں جانتی — اس سے بڑھ کر
اور کیا بری ہوگی کہ اس پر بھی وہ جیتا ہے،
اور جی جان سے اپنی قسمت نہ دیکھ، اپنا فرض پورا

نے دیکھا، آنکھ کیسی تھی اس کی؟ بالکل ڈاکو کی سی!،،

ڈاکٹر نے اندرونی اضطراب سے ہاتھ ملے، گردن لال ہو رہی تھی اور بالوں کا ایک سفید گچھا ماتھے پر آ پڑا تھا — آرکٹرس کے کان میں مالک کی آواز پڑی تو وہ برامدے کے نیچے سے رینگتا ہوا نکلا اور ذرا لنگڑاتا ہوا ان کی طرف بڑھا —

''آرکٹرس! کبھی مجھ سے بےوفائی تو نہیں کرے گا؟،، ڈاکٹر نے کہا —

آرکٹرس نے آنکھیں بند کر لیں اور ڈاکٹر کے گھٹنوں پر ناک لگا دی — کمزوری کے مارے اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا، مجبوراً بیٹھ گیا — سر ڈھلک گیا اور قریب قریب سو گیا — ڈاکٹر کے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی — مجھ کو دیکھا، مسکرا دئے اور کتے کا سر پیار سے تھپکنے لگے — انھیں یہ خبر ہی نہیں تھی کہ وہ پہلے ہی بےوفائی کر چکا ہے، اسی دن، اسی وقت، جب وہ میرے ساتھ جنگل کی سیر پر نکل گیا تھا، اس سے بےوفائی سرزد ہو گئی تھی —

وہ دروازے کی طرف کو بڑھا لیکن بیچ میں رک گیا اور خوشی سے میری طرف دیکھا —

''آواز دیکھو، ذرا، کیا آواز پائی ہے اس کتے نے، صاف، جیسے گھنٹی بجتی ہو، سچ!،،

پھر وہ مڑا، میرے پاس آیا اور کان سے منھ لگاکر، شرارت سے آنکھ مارکر، مکاں کی کھڑکی کو کن‌انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا:

''دیکھتے جاؤ، یہ کتا میرا نہ ہو جائے تو کہنا — بھلا ان کو کتے کی ضرورت بھی کیا؟ پڑھے لکھے آدمی ،کوئی شکاری تھوڑئی ہیں... میرے ہاتھ بیچیں گے یہ کتا، دیکھ لینا، بکے گا میرے ہاتھ! خدا نے چاہا تو! ابھی پہلی اکتوبر کے تیوہار کو کافی دن پڑے ہیں— کچھ سوچیں گے ترکیب، بولو، کیا کہتے ہو!.. ہے نا!،،

ابھی وہ احاطے سے نکلا ہی ہوگا کہ اتنے میں ڈاکٹر صاحب جلدی سے باغ میں آئے —

''کیا کہہ رہا تھا، یہ آپ سے؟،، ڈاکٹر کو بیچینی تھی — ''کیا گھناؤنا بڑھئو تھا — آپ

ہیں — بھلا دیکھو تو — میں بھڑکوں تو ایک بات بھی ہوئی — شکار کا وقت آ رہا ہے اور کتا نہیں ہے پاس میں!،،

اس نے بدحواسی میں ادھر ادھر باغ پر نظر ڈالی، جنگلہ دیکھا، اور ایک دم اس کے چہرے پر کوئی کیفیت جھلکی، ایسی، جس میں شرارت تھی اور چالاکی تھی — ایک دم ٹھنڈا پڑ گیا —

،،کہاں رکھتے ہو اسے، کتے کو؟،، اس نے یوں ہی، جیسے بےمطلب، سوال کر لیا اور آنکھ مچمچانے لگا —

،،کیوں، کہیں اسے پار کر دینے کا ارادہ تو نہیں ہے؟،، میں نے پوچھا —

بڑے میاں بوکھلا گئے، ٹوپی سر سے اتاری، استر سے منہ پونچھا اور غور سے میری صورت دیکھی —

،،معاذاللہ،، اس کے منہ سے نکلا اور وہ مسکرا دیا — ،،ہاں، واقعی، اس معاملے میں تو آدمی گناہ کرنے سے نہ چوکے — اور تم کیا سمجھے — بھلا تمھی بتاؤ، انہیں، ڈاکٹر کو کتے کی کیا ضرورت؟،،

مگر لاجواب کتا ہے! میری مانئے، شاہی کتا ہے یہ، سبحان اللہ!،،

میں نے مشورہ دیا کہ مالک سے بات کرو۔ اس نے آہ سرد بھری، ناک سڑکی اور اندر چلا گیا۔ پانچ منٹ بعد وہ کمرے سے باہر نکلا تو منہ سرخ تھا اور دم بخود۔ میرے قریب آ کر رک گیا، فونتان کی اور سگریٹ سلگانے میں بہت دیر لگائی۔ پھر اس نے منہ چڑھا لیا۔

''کیا ڈاکٹر صاحب نے منع کر دیا؟،، میں نے سوال کیا حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ وہ اب کیا جواب دینے والا ہے۔

''مت بات کرو!،، ناگواری سے وہ چیخ پڑا۔ ''بولو، کیا کہتے ہو! میں لڑکپن سے شکاری ہوں۔ اسی میں ایک آنکھ جاتی رہی۔ بڑے ہی ہیں میرے شکاری۔ سمجھے کیا کہہ رہا ہوں، ہمیں کتا چاہئے ہے، کام کے لئے چاہئے۔ کا۔۔کام سے! نہیں، مگر نہیں دیتے... پانچ سو روبل تک لگا دیے۔ پھر بھی، نہیں۔ کتنی بھاری قیمت دے رہا ہوں۔۔۔ ہے نا؟ بات نہیں سنتے۔ کاٹ کھانے کو دوڑتے

تھا، اور تاتاریوں کی سی تکونی چھدری داڑھی تھی — سر پر میلی چیکٹ ٹوپی رکھی تھی، پاؤں میں گھسے گھسائے شکار کے جوتے تھے — مجھے دیکھتے ہی بڑے میاں نے آنکھ جھپکانی شروع کر دی، ٹوپی کھینچ کر اتار لی، سر کھجایا اور آسمان کو تکا —

''موسم آجکل، یہ موسم...،، اس نے الل ٹپ کہنا شروع کیا — پھر کھنکھارا اور خاموش ہو گیا — میں بھانپ گیا کہ یہ کون ہو سکتا ہے —

''کہیں، آپ کتے کے سلسلے میں تو نہیں آئے ہیں؟،،

''جی ہاں، ٹھیک سمجھے!،، اس نے جلدی سے کہا اور اپنی ٹوپی سر پر رکھ لی — ''اب دیکھئے نا، یہ کوئی ٹھیک بات ہے! ڈاکٹر صاحب کتے کا کیا کریں گے؟ انھیں کتا نہیں چاہئے اور مجھے اس کی سخت ضرورت ہے! شکار کے دن آ رہے ہیں... کتا، یوں تو ہے میرے پاس، لیکن کچھ کام کا نہیں ہے — احمق کتا ہے — نہ سونگھنے کا، نہ بھونکنے کا، کچھ بھی نہیں — اور یہ جو کتا ہے، اندھا ہے،

کان اور پنجے کی جانچ کی — اس کے بدن کی پھرتی، دوڑ اور ھڈی بوٹی دیکھی، غرض وہ سب ملاحظہ کر ڈالا جو شکاری کتے میں دیکھا جاتا ہے — انہوں نے اس کے عیب بھی جتائے اور ڈاکٹر صاحب کو اس پر راضی کرنے لگے کہ وہ یہ کتا ان کے ھاتھ بیچ ڈالیں — وہ بیقرار تھے کہ کسی طرح اس کے رگ پٹھے ٹٹول کر دیکھیں، سینے اور پنجوں کا معائنہ کریں، لیکن آرکٹرس ڈاکٹر کے قدموں میں اپنا منھ چڑھائے ھوئے بیٹھا تھا کہ انہیں اس کی طرف ھاتھ بڑھاتے ھوئے ڈر لگا — ڈاکٹر کا منھ سرخ تھا، انہیں غصہ آ رھا تھا — انہوں نے بار بار کہا کہ یہ کتا بکاؤ نہیں ہے، آپ لوگ اچھی طرح سمجھ لیجئے — جب وہ ٹکا سا جواب دے دیتے تو شکاریوں کی ایک ٹولی ناراض ھوکر چل دیتی، مگر بعد میں کہیں سے کوئی اور شکاری ٹپک پڑتے —

ایک روز کا ذکر ہے کہ آرکٹرس شکار کے شوق میں بری طرح خراشیں اور زخم کھائے ھوئے برامدے کے نیچے پڑا تھا — کوئی بڑے میاں باغیچے میں داخل ھوئے — بڑے میاں کا بایاں دیدہ خالی

سے اوجھل ہو گئے، اور میں پھر وہیں کا وہیں موجود ہوں — چاروں طرف خاموشی ہے اور دور سے کتے کے بھونکنے کی آواز آ رہی ہے —

۷

اس نرالے شکاری کتے کی شہرت سارے شہر میں پھیل گئی، بلکہ شہر کے باہر تک جا پہنچی — فاصلے پر جو دریا بہتا تھا لوسوا، وہاں وہ نظر آ چکا تھا، جنگل کے ٹیلوں کے اس پار کھیتوں میں دکھائی دیا تھا، ڈھکے ہوئے جنگلی راستوں پر اسے دیکھا گیا تھا — دیہات میں لوگ اس کا چرچا کرنے لگے تھے، گھاٹوں پر اس کا تذکرہ تھا، لداؤ کشتیوں پر، مانجھی اور آرہ‌مل کے مزدور بیئر کے گلاس سامنے رکھ کر گپ شپ میں اس پر بحث کرتے تھے —

شکاری لوگ ہمارے یہاں آنے شروع ہو گئے — قاعدے کی بات تھی کہ انہیں افواہوں کا یقین نہیں دیا — شکاریوں کے سلسلے میں کیسے کیسے افسانے مشہور ہوتے ہیں، انہیں اس کی حقیقت معلوم تھی — انھوں نے آرکٹرس کا بذات خود معائنہ کیا، اس کے

لمحے بھر کو وہ رکی، آگے کے پنجے اور کان کھڑے کر لئے، آہٹ لیتی رہی کہ پیچھا کرنےوالا اب کتنے فاصلے پر ہے — اُس کے بعد بڑے اطمینان سے سبزہ زار میں دوڑی اور جنگل کے کنارے پہنچ کر کھڈ میں اتری اور وہاں سے جھاڑ جھنکڑ میں گم ہو گئی — فوراً آرکٹرس اسی کھلی جگہ میں نمودار ہوا — وہ لومڑی کا پیچھا کرتے ہوئے ترچھا دوڑا، مستقل طور سے غصے میں بھونکے گیا اور جیسا کہ ہمیشہ ہوتا تھا اچک اچک کر بےڈھنگےپن سے چھلانگیں لگاتا گیا اور پیچھا کرنے میں خود بھی کھڈ میں کود گیا، جھاڑ جھنکڑ میں جا گھسا، وہاں بھونکتا، چیختا رہا، پھر خاموش ہو گیا، شاید کسی مشکل جگہ سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہوگا، اور پھر اس نے بھونکنا شروع کیا، اس کی آواز بچی اور جنچی تلی تھی، ٹھیک اسی طرح جیسے چاندی کی گھنٹیاں بج رہی ہوں —

جیسے کسی عجیب سے تھیٹر کا تماشا ہو، میرے سامنے دم بھر کو ایک دوسرے کے ازلی دشمن کتا اور جنگلی جانور دوڑتے ہوئے آئے اور آنکھوں

چکر کاٹ رہا ہے، اپنی سفید آنکھیں پھڑکا رہا
اور صرف ایک سونگھنے کی حس پر اسے اعتماد باقی ہے
ممکن ہے درخت سے ٹکرا گیا ہو؟ ممکن ہے اس
کا سینہ چاک ہو گیا ہو اور وہ اس حال میں پڑا ہو،
اتنی طاقت نہ ہو کہ اٹھ کر آ سکے، بدن سے خون
بہہ رہا ہو اور شکار چھوٹ جانے کے غم میں تڑپ
رہا ہو؟

لیکن اس کی دوڑ پھر نئی قوت کے ساتھ شروع
ہو گئی، اور اب وہ جھیل کے کافی قریب آ چکا تھا —
یہ جھیل اس صورت سے ہے کہ ارد گرد کے سارے
راستے اور پگڈنڈیاں اس کی طرف جاتی ہیں، ان میں
سے ایک بھی برابر سے ہوکر نہیں گزرتی — اس
جھیل کے آس پاس میں نے بہت سی دلچسپ چیزیں
دیکھی تھیں — اب بھی مجھ کو انتظار تھا کہ
یکھیں کیا برامد ہوتا ہے — تھوڑی دیر بعد ایک
ڑی جھیل کے دوسری طرف نکل کر آئی جہاں
ڑی سی کھلی ہوئی جگہ تھی اور کھٹی میٹھی
ڑیوں سے بھوری ہو رہی تھی — اس لومڑی کا
مٹیالا تھا اور پتلی سی دم پھولی ہوئی تھی —

ھوئے دیودار کو اور بھوری پڑتی ھوئی کائی کو تک رھا تھا، دور پر خزاں کے سرخ پتے دکھائی دے رہے تھے، وھاں بیٹھے ھوئے مجھے وہ چاندی کی ٹھن ٹھن جیسی بھونک سنائی دیتی تھی اور یوں محسوس ھوا کہ میرے ساتھ ساتھ یہ آواز چنبی ھوئی گلہریاں، تیتر بٹیر، دیودار کے درخت، گھنے اور ھرے چیڑ کے درخت، اور نیچے کی جھیل سب کے سب سن رہے ھیں اور مکڑی کا بنا ھوا جالا سن سن کر کانپ رھا ہے — اس لاحواب سنگیت جیسی بھونک میں مجھے کوئی جانی پہچانی سی آواز معلوم ھوئی، فوراً میں سمجھ گیا کہ آرکٹرس شکار کے پیچھے دوڑ لگا رھا ہے —

آخر اس کی آواز میرے کانوں تک آئی تو سہی! صوبر کے جھنڈ میں سے کمزور سی نقرئی صدائے بازگشت سنائی دی، اور اس سے یوں لگا کہ ایک نہیں، کئی کتے بھونک رہے ھیں — ایک بار شاید آرکٹرس بھٹک گیا، شکار نکل گیا اور اس کی آواز بند ھو گئی — خاموشی کا یہ عرصہ کافی دیر تک رھا اور اتنے عرصے سارا جنگل سنسان اور ویران بنا رھا — مجھے گویا نظر آ رھا تھا کہ اب وہ گھوم رھا ہے،

ایک آرام‌دہ سا ٹھنٹھ تلاش کر کے میں ذرا دم لینے بیٹھ گیا اور اس وقت تک ہلکے جھونکے جو چل رہے تھے، کچھ تھم گئے اور مکمل سکون اور خاموشی کا ایک لمحہ آیا تو میرے کان میں بھنک پڑی کہ بہت دور سے عجیب قسم کی آوازیں آ رہی ہیں — یوں لگتا تھا جیسے کوئی ایک ہی انداز پر چاندی کی گھنٹی بجائے جا رہا ہے — اور اس کی دلاویز رسیلی جھنکار چیڑ کے جھنڈ میں سے ہو کر صنوبر کے بن میں زور سے بجتی ہے اور وہاں سے سارے جنگل میں گونج جاتی ہے اور ہر شے میں ایک شان پیدا کر دیتی ہے — رفتہ رفتہ یہ آوازیں پہچان میں آنے لگیں اور میں سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو، کہیں کتا بھونک رہا ہے — جھیل کے اس پار، صنوبر کے گھنے جنگل سے کتے کے بھونکنے کی یہ آواز صاف تھی، کمزور تھی اور بہت دور سے سنائی دے رہی تھی — کبھی وہ ایک دم غائب ہو جاتی اور پھر اسی شدت سے بلند ہونے لگتی — اب وہ ذرا قریب اور کچھ اونچی ہوتی جا رہی تھی —

میں ٹھنٹھ پر بیٹھا چاروں طرف پیلے اور جھڑے

لگتا پھر کھڑکی کے نیچے آ کر بیٹھ جاتا اور پڑھتی
کے مارے مختصر سی ہوئی ہوئی ہی لیٹ رہے نہ اٹھاتے
گزرتا سر کبھی ایک طرف، کبھی دوسری طرف ہوتا
لیتا۔ مطلب یہ کہ دیر سے بات اٹکی ہوئی تھی
آخر وہ اٹھ کھڑا ہوا، کسی سی انگڑائی لے کر سامنے
لیتا، اٹھانے کی بازی کے حساب جیں لے کر سوراخ میں
ہو کر نکلی طور سے باہر کا رخ لیا وہاں
دیر کے بعد وہ مجھے نظر دیتے ہی جسے میں
آتا ایسی اسی طرح ادھار سے لوٹتا ہو۔ کسی نے
نکلنے اور اسی طرح کے ساتھ دوڑ کے چلا جا رہا تھا
ہمیں اب وہ مکان تو جیں ہے

٩

ایک دن یہ ہوا کہ میں بستر سے اٹھی ہوئی
ایک سنگ سی جھیں کی اوجھی بڑی سی جا رہا تھا
اس سے مجھے بڑی ہوئی دیکھی میں اور اب
مجھے ستی مجھے میں اس مجھے میں ہوا کہ
یہ شہر آتا نہیں تھا اور یہ حصہ میں

آدھ دوڑ کرنے کے بعد وہ مالک کی کھڑکی کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور انتظار کر رہا ہے کہ اب مالک خواب سے بیدار ہوں گے — اس کا یہی دستور تھا — اور اگر کہیں ڈاکٹر اچھے موڈ میں بیدار ہوتے اور کھڑکی سے باہر جھانک کر آواز دیتے ''آرکٹرس،،! تو وہ خوشی سے دیوانہ ہو جاتا — شان سے کھڑکی کے بالکل نزدیک آ جاتا، اپنا سر اوپر کو اٹھا لیتا، گردن کی رگیں ابھر آتیں اور وہاں کھڑے ہوکر وہ پاؤں بدل بدل کر جھومتا — اس کے بعد مکان کے اندر آ جاتا، وہاں کوئی جی بہلاوے کا سامان ہوتا رہتا، خوشی کی آوازیں سنائی دیتیں، ڈاکٹر گنگنایا کرتے، کمرے میں قدموں کی تال دی جاتی —

انہیں یہ یاد رہتا ہے کہ وہیں کہیں آگے کی طرف ہمارا مالک شکاری بھی اسی جوش اور اسی طنطنے کے ساتھ شکار کے پیچھے لگا ہوا ہے اور وقت آنے ہی ایک ٹھائیں میں وہ سارا قصہ تمام کر دےگا۔ ایسے لمحے میں مالک کی آواز جوش کے مارے وحشی ہو جاتی ہے اور اس کا اثر کتے پر بھی وہی ہوتا ہے — وہ بھی جھاڑیوں میں الجھتا ہے، دوڑتا ہے، بھرائی ہوئی آواز میں پکارتا ہے، کتے کی مدد کرتا ہے کہ وہ پیچھا کرتا چلا جائے — اور جب شکار ہو چکتا ہے تو مالک اپنے کتے کے آگے خرگوش کی ٹانگ پھینکتا ہے، اسے وحشیانہ اور مخمور خوشی سے چور آنکھوں سے دیکھتا ہے، مزے میں آکر آواز دیتا ہے: ''ارے واہ — میرے پیارے!،، اور اس کے کان تھپکتا ہے —

اس معاملے میں آرکٹرس تنہا تھا اور بدنصیب تھا — مالک کی محبت ایک طرف تھی تو شکار کی آرزو دوسری طرف — بارہا میں نے دیکھا کہ آرکٹرس صبح کے وقت برامدے کے نیچے سے دبے قدموں رینگ کر نکل رہا ہے، اسے وہیں سونا پسند تھا، باغ میں ایک

اسے صرف ایک بو، وحشی جانوروں کی بو،
دلانے والی بو، اپنی طرف بلانے والی، ہمیشہ خوشگوا
ہمیشہ کی دشمن بو میسر تھی — ہزاروں میں
صرف یہ ایک کیفیت تھی جو اس کو آگے لئے جا
تھی —

یوں دیوانہ وار دوڑ لگانے کے بعد، اپنی محویت
سے چونکنے کے بعد اس کو گھر کا راستہ کیسے مل
جاتا تھا؟ جگہ اور مقام کا کتنا شدید احساس اور
کتنا گہرا فطری جذبہ چاہئے اس کے لئے کہ وہ
چونکنے کے بعد اس وقت جب کہ تھک کر چور ہو
چکا ہو، گلا پڑ چکا ہو، ہانپ رہا ہو، گھر سے میلوں
دور گھنے جنگل میں گم ہو چکا ہو اور چاروں طرف
سرسراتی گھاس اور سیلن بھرے کھنڈوں کی بو کے
سوا کچھ نہ ہو، ایسے میں چل کر اپنے گھر واپس
آ جائے —

ہر ایک شکاری کتے کو انسان کی طرف سے
مایت کی آواز یا ہنکارا چاہئے ہوتا ہے — کتے
کاری کے پیچھے جھپٹتے ہیں اور سب کچھ بھول
ے ہیں، لیکن جوش اور طنطنے کے لمحے میں بھی

گئی تھی اور پنجے خشک اور مضبوط ہو چکے تھے،
جیسے فولادی کمانیں —

کیسے وہ اکیلا وہاں جھپٹا تھا اور جان
کیسے سلامت لے آتا تھا، یہ سب میری سمجھ سے
باہر تھی — اسے یہ ضرور محسوس ہوا ہوگا کہ یوں
اکیلے شکار پر جانا، اس میں کسی چیز کی کسر ہے —
شاید اس میں کسر ہے کسی انسان کے سہارے کی،
کسی انسان کی طرف سے حمایت حاصل ہونے کی، اور
یہ وہ چیز ہے جو ہر ایک شکاری کے لئے بے حد
ضروری ہوتی ہے —

میں نے ایک بار بھی نہیں دیکھا کہ وہ جنگل
سے واپس آیا ہو اور اس کا پیٹ بھرا ہو — وہ ہمیشہ
اسے اور بے ڈول نیزے کی طرح دوڑتا تھا، اس میں
پھرتی نہیں تھی، اعتماد نہیں تھا — وہ کبھی اپنے
دشمن کو نہیں پکڑ سکا اور نہ اس کے بدن میں دانت
گھونپ سکا — لیکن اس کے نزدیک ایک خاموش
دشمن سا ہو اس کی مونچھوں پر، اس کی آنکھوں پر
لوٹنے لگا تھا — لیکن ہمیشہ اس کی ٹانگوں کے
نیچے دبا رہتا تھا، اسے جیسے کہ روک دبا تھا — وہاں

گیا اور میں نے دوڑ کر اس کا پٹہ تھام لیا — اس نے گلا چھڑانے کی کوشش کی، منھ پھاڑا، مجھے صرف کاٹا نہیں، باقی سب کچھ کیا، اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا — بڑی مصیبت سے میں نے اسے ٹھنڈا کیا اور دھیان بٹایا — وہ بہت بری طرح رگڑے اور خراشیں کھائے ہوئے تھا — بایاں کان زمین کی طرف جھکا رکھا تھا — ظاہر بات تھی کہ کہیں بار بار چوٹ کھائی ہے لیکن جوش اس بلا کا تھا، ایسا بےقابو ہو رہا تھا کہ اپنی چوٹ اور زخموں کی کوئی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی —

٥

اس دن سے کتے کی زندگی میں ایک موڑ آ گیا — روزانہ صبح کو وہ جنگل دوڑا ہوا جاتا تھا اور شام تک واپس نہیں آتا تھا — بعض اوقات تو دوسرے دن واپسی ہوتی — ہمیشہ جب وہ گھر آتا تو تھکاماندہ، جگہ جگہ سے چھلا ہوا، آنکھوں میں خون اترا ہوا — اس عرصے میں وہ کافی بڑا ہو گیا تھا — اس کا سینہ بڑھ گیا تھا، آواز جاندار ہو

سے مجھے اندازہ تھا کہ وہ کہاں کہاں اچھل کود رہا ہے۔

مجھے اس کی طرف سے اندیشہ ہو گیا اور میں اسے پکڑنے کے لئے زور سے پکارتا ہوا باہر باہر لگا۔ لیکن میری پکار سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے اور جوش آ رہا ہے۔ ٹھوکریں کھاتا، جھاڑیوں میں پھنستا اور ھانپتا ہوا میں دوڑا، ایک اونچی جگہ میں سے گرا، پھر دوسری سے گرا، پھر ایک کھائی میں کھسا اور پوری طاقت سے دوڑتا ہوا ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جو صاف ستھری تھی۔ وہاں مجھے آرکٹرس نظر آیا۔ وہ جھاڑیوں سے کود کر نکلا اور سیدھا میری طرف لپکا۔ اس وقت وہ پہچانا نہیں جا رہا تھا اور کود کود کر اس طرح دوڑ رہا تھا کہ دیکھکر ھنسی آئے۔ عام طور سے کتے اس طرح نہیں دوڑا کرتے، مگر یقین کے ساتھ، جوش کے ساتھ دوڑا آ رہا تھا، برابر بھونکے جا رہا تھا، اور کبھی کبھی حلق سے کتے کے بچے کی سی باریک آواز نکل رہی تھی۔

"آرکٹرس"، میں نے اسے ڈانٹا۔ وہ ٹھٹک

تھوڑی دیر بعد ہم ایک کھلے سبزہ زار میں نکل آئے اور جھاڑ جھنکاڑ میں چلنے لگے — آرکٹرس پر غضب کی بیقراری طاری ہو گئی — وہ جھاڑیوں میں بل کھاتا ہوا چلنے لگا، گھاس پر منھ مارنے لگا، اور اٹھی ہوئی زمین پر ٹھوکریں کھانے لگا — زور زور سے ہانپتے ہوئے اس نے آگے کا راستہ طے کیا، اب نہ میری طرف کوئی توجہ تھی، نہ ٹہنیوں کے کانٹوں کی پرواہ تھی — آخر اس سے ضبط نہ ہو سکا، ایک چھلانگ لگائی اور جھاڑیوں میں کود گیا — وہاں کہیں گم ہو گیا — اس کی خرخراہٹ اور ہیاؤں ہیاؤں سنائی دے رہی تھی — میں سمجھا کہ ''اس نے کسی کا سراغ لگالیا ہے،، اور میں رک گیا —

جھاڑیوں میں سے اس کی آواز گونجی، بےاطمینانی کے ساتھ —

''آرکٹرس!،، میں نے بےچین ہوکر اسے پکارا — اس وقت کچھ ہوا — آرکٹرس نے زور کی چیخ ماری اور اس قسم کی آواز نکالی جیسی کتے غیظ و غضب میں نکالتے ہیں — جھاڑیوں کے اندر گھس پڑا اور زور زور سے بھونکنے لگا — جھاڑیوں کی پھننگیں ہلنے

اس طرح حلق پھاڑ کر نہیں چیخ سکتا — تو شکار کے بےپناہ حوش میں دوڑ لگاتا پھرتا، بپھر کر بھونکتا، اور یوں اپنے مالک و آقا کی خدمت بجا لاتا — اور تیرے لئے دنیا میں کوئی اور چیز اس خدمت سے بڑھکر نہ ھوتی — افسوس آرکٹرس، بڑا بچارہ بےبس کتا رہا تو!،،

آھستہ آھستہ اس سے یوں باہیں کرتا ہوا، تاکہ وہ ڈرے نہیں میں جنگل کے اندر کی طرف بڑھتا گیا — آرکٹرس رفتہ رفتہ مانوس ھوتا گیا اور جھاڑیوں میں، درخت کے ٹھنٹھ میں تمیز کرتا گیا — ھر چیز اس کے لئے کس قدر نئی تھی، کس قدر انوکھی اور لطف انگیز تھی! اب وہ ایک ایک چیز کی کھوج میں ایسا منہمک ھو گیا تھا کہ میرا پیچھا چھوڑ دیا تھا — ذرا ذرا دیر بعد وہ ٹھہر جاتا، اپنی نابینا آنکھوں سے میرا رخ معلوم کرنے لگتا، کان لگا کر سنتا، اور یہ جان کر کہ وہ ٹھیک سمت میں جا رہا ھے اور میں اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ھوں، آگے بڑھ جاتا، اور پھر ادھر ادھر چیزوں کے سراغ میں لگ جاتا —

چیز ہے ــــ چمکتا ہوا سورج، تجھے کیا خبر صبح کے وقت درخت اور جھاڑیاں کتنی سرسبز ہوتی ہیں اور سبزے پر اوس کی بوندیں کیا جھلملاتی ہیں ــ تجھے کیا پتہ ہمارے چاروں طرف پھول ہی پھول بھرے ہیں، ان میں سفید ہیں، پیلے ہیں، نیلے ہیں، لال ہیں اور چیڑ کے بھورے درختوں کے اور پیلی ہوتی ہوئی پتیوں کے درمیان اس نزاکت سے بیریاں اور رس بھریاں چمک رہی ہیں ــ اگر تو نے رات کے وقت چاند تاروں کو دیکھا ہوتا تو خوشی سے ان کی طرف منھ اٹھا کر بھونکتا ــ تجھے کیونکر خبر ہو سکتی ہے کہ گھوڑے، کتے، بلیاں، ان سب کے رنگ جدا جدا ہیں، مکانوں کے احاطے اور جنگلے کتھئی، ہرے اور بھورے بھی ہوتے ہیں، جب سورج ڈوبنے لگتا ہے تو کھڑکی کے شیشوں پر جاتی ہوئی دھوپ کیا بہار دیتی ہے، دریا بڑھ کر شعلوں کا سمندر ہو جاتا ہے! اگر تو اچھا خاصا تندرست کتا ہوتا تو کوئی اچھا شکاری تجھے اپنے پاس رکھتا ــ صبح کو تو نرسنگھے کی زبردست پکار سنتا، شکاریوں کا وحشیانہ شور سنائی دیتا ــــ آدمی شکاری نہ ہو تو

ھموار فٹ پاتھ تھے — یہاں جنگل میں ہر طرف سے اجنبی چیزیں یکجا ہو گئی تھیں —— لمبی گھاس جو سخت ہو چکی تھی، نوکیلی جھاڑیاں، سڑتے ہوئے ٹھنٹھ، جھڑے ہوئے درخت، چیڑ کے لچکتے ہوئے نو عمر پودے، زمین پر گری ہوئی پتیاں، جو قدموں کے نیچے سرسراتی تھیں — ہر سمت سے کوئی نہ کوئی چیز اسے چھوتی تھی، چبھتی تھی اور لگتی تھی، گویا سب نے سازش کر رکھی ہو کہ اس کتے کو جنگل سے نکال باہر کرنا ہے — اور بوئیں تو ایسی کہ بس! اتنی بہت ساری، سب کی سب انجانی، گھیرا دینےوالی، تیز مہک، ھلکی مہک، غرض ایسی بوئیں جن کا مطلب اسے معلوم نہیں تھا! آرکٹرس ان تمام مہکتی ہوئی، سرسراتی ہوئی، چٹختی ہوئی، چبھتی ہوئی چیزوں میں بپھرا، ان سے سکڑتا سمٹتا ہوا چلتا رہا، ناک سکیڑکر انہیں سونگھتا رہا اور میرے پیروں کے پاس لگا رہا — وہ بوکھلا گیا تھا، ڈر گیا تھا —

''ھائے آرکٹرس!،، میں نے دبی آواز میں کہا ''بیچارے کتے! تجھے کیا معلوم کہ دنیا میں ایک

آرکٹرس یوں ہی ایک معمولی سا پالتو کتا رہتا، پڑے پڑے موٹا اور کاہل ہو جاتا، مگر ایک ایسا خوشگوار واقعہ پیش آیا جس نے اس کی باقی زندگی کو ایک مرتبہ عطا کر دیا اور اس میں سورمائی شان پیدا کر دی۔

واقعہ یوں پیش آیا: میں صبح کو جنگل گیا۔ خیال یہ تھا کہ جاتی گرمیوں کا زور شور ذرا دیکھ لوں کیونکہ اب ان کے جانے اور مرجھانے کا وقت ہے۔ آرکٹرس بھی میرے پیچھے لگ لیا۔ میں نے کئی بار اسے ڈپٹا، بھگانے کی کوشش کی، لیکن وہ ذرا فاصلے پر ٹھٹھک جاتا اور پھر دوڑ لیتا۔ میں اس کے ضدی پن سے تنگ آ گیا اور پھر ادھر دھیان دینا ہی چھوڑ دیا۔

جنگل نے آرکٹرس کو حیرت زدہ کر دیا۔ شہر میں ہر چیز اس کی جانی پہچانی تھی۔۔۔ سڑکوں کے کنارے لکڑی کے فٹ پاتھ لگے تھے، چوڑی چوڑی سڑکیں تھیں، دریا کے کنارے تختے پڑے تھے،

سانڈ اب بھی سڑک کے بیچ میں کوڑا بھنک
رہا تھا اور کھروں سے زمین کھرچ رہا تھا — گلہبان
نے اس پر بھی کس کر ایک کوڑا جما دیا اور وہ
کوڑا کھاتے ہی سیدھا ہو گیا — گائیں بھی راہ
پر آ گئیں اور پورا گلہ مرے مرے میں آگے بڑھنے
لگا، دھول میں مویشی جانے کی بو بس گئی
تھی اور سڑک پر گوبر پت پت کرتا جا رہا تھا —

میں آرکٹرس کے پاس گیا — وہ کیچڑ میں لت پت
تھا، زبان باہر کو نکلی ہوئی تھی اور ہانپ
رہا تھا — پسلیاں ابھر آئی تھیں — دونوں پہلوؤں پر
چوعڑا ہو گیا تھا — پچھلا پاؤں کچلا ہوا تھا اور
کپ رہا تھا — میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا،
چمکارا، لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا — اس
کے سارے وجود سے یہ ظاہر تھا کہ سخت تکلیف
ہے، وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی اور فریاد نکل رہی
ہے — اسے نہیں معلوم تھا: کیوں مجھے کچلا،
کیوں کوڑا برسایا — عام طور سے ایسی حالت میں
کتے چیخ پڑتے ہیں، کوں کوں کرتے ہیں، لیکن
آرکٹرس خاموش تھا —

چیخ سنائی دے گی، لیکن نہیں، کوئی آواز بلند نہیں ہوئی —

اس عرصے میں گلہ بان دوڑے ہوئے آ پہنچے تھے، وہ اپنے کوڑے پھٹکار رہے تھے اور الگ الگ آوازوں میں چیخے جا رہے تھے — راستہ صاف ہوا تو میں نے آرکٹرس کو دیکھا — وہ گرد و غبار میں پڑا ہوا تھا، یوں جیسے کوئی مٹی کی ڈھیری ہو یا کسی نے کوئی چیتھڑا سڑک پر پھینک دیا ہو — پھر اس میں حرکت پیدا ہوئی، بمشکل قدموں پر کھڑا ہوا اور لڑکھڑاتا ہوا سڑک کے کنارے کی طرف چلا — تب بڑے گلہ بان کی نظر اس پر پڑی —

''ارے، یہ کتا تھا!،، اس نے زہرآلود خوشی سے گالی دی اور اپنا لمبا کوڑا بڑی چابک دستی سے اس کے رسید کر دیا — آرکٹرس نے چیخ تک نہیں ماری — صرف سہم کر سکڑ گیا، گلہ بان کی طرف لمحے بھر میں اپنی بےنور آنکھیں گھمائیں، سڑک کے کنارے گڑھے کی طرف لپکا، نہیں سنبھل سکا اور گر گیا —

تھی — دونوں ٹانگیں چوڑی کرکے اور سینگ نیچے کو جھکا کر اس نے فوں فاں کرنا شروع کیا — اس کی کھال اینٹھ رہی تھی اور خونی دیدے گھوم رہے تھے —

"گریشکا!" کسی نے پیچھے سے پکارا "جلدی سے دوڑ بو آ گرے — گائیں رک گئیں!"

آرکٹرس کو کسی طرح کا اندیشہ نہیں تھا — وہ اپنے بےڈھنگے پن سے سڑک پر دوڑا جا رہا تھا اور ریوڑ کے بالکل نزدیک جا پہنچا تھا — میں نے گھبرا کر اسے پکارا — وہ وہیں کا وہیں تھم گیا اور میری طرف مڑا — دم بھر میں سانڈ اس کی طرف چنگھاڑتا ہوا لپکا اور اسے اپنے سینگوں پر اٹھا لیا — کتے کا سیاہ جثہ چاندنی میں بلند ہوتا نظر آیا اور ریوڑ کے بیچ میں بھد سے جا کر گرا — اس کا گرنا یوں لگا جیسے گایوں پر بم پڑا ہو — سب پاؤں پٹکتی، بچکتی، نتھنے پھڑکاتی اور ایک دوسری سے سینگ ٹکراتی ہوئی پھٹ گئیں — پچھلی والی آگے کو دوڑیں، بھگدڑ ہوئی اور دھول کا ایک بادل اٹھا — میں نے بےچینی اور غم کے ساتھ کان لگائے کہ اب کتے کی آخری

کی لمبی آوازیں اور کوڑا پٹکنے کی چٹ چٹ سنائی دیتی تھی —— رکھوالے چراگاہ سے گائے بیل بستی کو ہنکائے لا رہے تھے —

اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ کوئی کتا سڑک پر ریوڑ کی طرف دوڑا جا رہا ہے، اس شان سے جیسے کام سے جا رہا ہو — اس کے نرالے، سنبھلے ہوئے اور جھجکتے ہوئے انداز سے میں فوراً سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو، یہ آرکٹرس ہے — اس سے پہلے کبھی وہ بستی سے باہر نہیں گیا تھا — میں نے سوچا: ''یہ کہاں چلا؟،، پھر ادھر سے آتے ہوئے ریوڑ میں کوئی خلاف معمول بےچینی مجھے نظر آئی —

گایوں کو کتے پسند نہیں ہوتے — گائے بیل میں بھیڑیوں اور کتوں سے پیدائشی نفرت اور خوف موجود ہوتا ہے — انھوں نے جو دیکھا کہ ایک گہرے رنگ کا کتا ان کی طرف دوڑا آ رہا ہے تو ریوڑ کی اگلی صف ٹھٹھک گئی — اس کا تھمنا تھا کہ ریوڑ کے اندر سے ایک بھورا سانڈ بھنچیا بھنچاتا آگے نکل کر آیا — اس کی ناک میں نتھ پڑی ہوئی

کی بوندیں ٹپ ٹپ نیچے گرتی تھیں اور سات
پر پڑتی تھیں — نیچے سے دریا کے پانی کی ہموار
تھی — کندوں کی موٹی تہہ اور مد کے قریب
میں پڑی ہوئی لڑا کری بھی — گاؤں میں چھوٹ
کی ہلکی سی رگڑ سنائی دیتی تھی، میں تا معصب یہ
کوئی شخص دریا پر کشتی کھیے رہا تھا — دو
گاؤں میں ناؤں کے اندر مرغوں کی بانگ سنائی
دیتی تھی — یہ ایک ایسی زندگی بھی جسکی سمعہ سائی
کانوں اور آنکھوں کو منقش کر رہی تھی جسکی عمارت
کتنے کے لئے یہ ساری ہماہمی دنیا تھی —
دوسری خاص بات اس کی یہ کہ یہ کبھی
بےطرح معونکا تھا، یہ شخص اس طرح رونا تھا کہ
رحم طلب آواز نکلے، حالانکہ زندگی نے اسے سخت
آزمائشوں میں ڈالا تھا —
ایک دن میں اس سڑک پر چلا جا رہا تھا
جو بستی سے باہر نکل گئی تھی — دن ختم ہو رہا
تھا — سردی نہیں تھی اور اب میں سکون تھا جیسا
گرمیوں کی شاموں میں عموماً محسوس ہوتا ہے — سڑک
پر کہیں دور دھواں اڑ رہا تھا شعلوں کی جگہ

وہ اس کے چاروں طرف دیر تک گھوما کرتا، ناک سکیڑتا، نتھنے پھلاتا، سونگھتا اور بہت ہی چوکنا ہو جاتا — اس کے بعد وہاں سے بھاگ لیتا اور پھر الٹے قدموں واپس آتا کہ ذرا اور تفصیلات کا کھوج لگایا جائے —

نازک سے نازک آوازوں کی بھنک بھی اس کے کانوں میں پڑ جاتی تھی، جنہیں ہم لوگ کبھی نہیں سن سکتے — راتوں کو وہ جاگ اٹھتا تھا، آنکھیں کھولتا اور کان کھڑے کر کے کچھ سننے لگتا — کئی کئی کوس کی سرسراھٹ تک اس کو سنائی دیتی تھی — مچھروں کی بھن بھن اور مچان پر مکھیوں کے چھتے کی سرسری بھی اس کے کانوں میں پہنچتی تھی — باغیچے میں چوھے کی سرسراھٹ اور سائبان کی چھت پر بلی کے نرم قدموں کی آھٹ سنائی دیتی تھی — ھمارے لئے مکان بےسدھ اور خاموش مقام تھا لیکن آرکٹرس کے لئے وہ ایک زندہ ھستی تھی: وہ چرچراتا تھا، سرسراتا تھا، چٹختا تھا اور اسے جھرجھری آتی تھی، گویا سردی کے مارے کانپ رہا ھو — بارش کا پانی گرنے کے پائپ میں سے اوس

جو بکارکر اپنے وجود کا اعلان کر دیتی تھیں — ہر شے کی اپنی بو باس تھی — کسی سے سانپ آتی تھی، کسی سے نہ خوشبو، نہ بدبو، اور کسی سے میٹھی باس — سر اٹھا کر سونگھنے کی دیر تھی کہ وہ فوراً شناخت کر لیتا تھا: یہاں لوہا کرکٹ کا ڈھیر ہے، یہاں گتر ہے، یہاں لکڑی کے مکان ہیں، یہاں پتھر کے — یہاں جنگلہ ہے، یہاں سامان ہے — یہاں لوگ ہیں، گھوڑے ہیں، پرندے ہیں — یہ سب یوں محسوس ہو جاتا تھا گویا آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا ہو —

دریا کے کنارے پر سامان کے ڈھیر کے پیچھے ایک بڑا سا سرمئی رنگ کا پتھر پڑا تھا جو آدھا زمین میں دھنس چکا تھا — آرکٹرس کو خاص طور سے اسے سونگھنے کا شوق تھا — اس پتھر کے شگافوں اور سوراخوں میں عجیب و غریب قسم کی بوئیں بسی ہوئی تھیں — بعض اوقات تو ہفتوں ایک قسم کی باس آیا کرتی تھی اور صرف تر ہوا اسے اڑا کر صاف کرتی تھی — آرکٹرس جب بھی اس بھاری پتھر کے پاس سے گزرتا تو ٹھٹھک جاتا اور بو لینے لگتا —

دوڑتے پھرتے نہیں دیکھا، سوائے اس کے کہ اتفاق
سے سڑک چوڑی ہو، کھلا میدان ہو یا ہمارے
مالک‌مکان کا برامدہ... انسان اور جانور کی تو اسے
کچھ پہچان ہو گئی تھی، وہ کسی نہ کسی طرح
خود کو انھی میں سے شمار کرنے لگا تھا — لیکن
موٹر کاریں، ٹریکٹر، موٹرسائیکلیں اور بائسکلیں قطعی
انجانی چیزیں تھیں جن سے اسے ڈر لگتا تھا — شروع
میں موٹر لانچ اور اسٹیمروں سے بھی انتہائی حیرت
ہوتی تھی کہ آخر یہ کیا بلا ہے، مگر بعد میں جب
سمجھ لیا کہ ان کے وجود کا راز کبھی معلوم نہیں
ہونے‌والا، تو ادھر دھیان دینا ہی چھوڑ دیا — ہوائی
جہازوں سے بھی اس کی دل چسپی کا یہی عالم تھا —
البتہ بینائی نہ ہونے پر، حس اتنی تیز ہو گئی
تھی کہ کوئی کتا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا
تھا — رفتہ رفتہ اس نے شہر کی ساری خوشبوئیں بدبوئیں
ناخت کر لی تھیں اور اطمینان کے ساتھ راستہ سونگھتا
ا گزر سکتا تھا — گھر پہنچنے میں وہ ایک بار
ں نہیں بھٹکا، سیدھا واپس آ گیا — ہر چیز میں
بو آتی تھی! بہت سی قسم کی بوئیں تھیں

تمام حرکات و سکنات سے جھلکتا تھا کہ اپنے اندر اعتماد اور بےتکلفی نہیں پاتا — اس کے منہ سے بلکہ سارے بدن سے ایک جھجک اور ٹوہ لینے کی کیفیت پائی جاتی تھی — اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ میرے چاروں طرف جتنے ذی روح ہیں سب کے سب مجھ سے زیادہ آزاد بھی ہیں اور پھرتیلے بھی — جلدی دوڑتے ہیں اور جدھر لپکنا چاہتے ہیں، ادھر لپکتے ہیں، آسانی سے اور قدم جماکر بڑھتے ہیں، نہ ٹھوکر کھاتے ہیں، نہ کسی اور شے سے ٹکرا جاتے ہیں — ان کے قدموں کی آہٹ میری آہٹ سے مختلف ہوتی ہے — وہ جب بھی بڑھتا تو قدم احتیاط سے بڑھاتا، آہستہ بڑھاتا اور ترچھا ہوکر بڑھتا — بےشمار چیزیں اس کے راستے میں رکاوٹ بنتی تھیں — مرغی، کبوتر، کتا، بلی، چڑیا، آدمی، چرندپرند، سب بےکھٹکے سیڑھیوں پر چڑھتے تھے، خندقیں اور گڑھے پھلانگتے تھے، موڑوں پر مڑ جاتے تھے، اندھادھند دوڑتے، اڑتے اور غائب ہو جاتے تھے، لیکن اس کے حصے میں احتیاط اور جھجک آئی تھی — میں نے آرکٹرس کو کبھی بیباکی سے اور پھرتی کے ساتھ

کوئی دبی دبی مہک آتی تھی ـــ جیسے پانی کی بوند پڑنے سے بلبلے پھوٹتے ہیں ـ آرکٹرس کو یوں لگتا تھا جیسے یہ کیفیت پہلے بھی گزر چکی ہے، اور اسے گزرے ہوئے اتنا عرصہ ہوا کہ اب یاد بھی نہیں رہا، کب اور کہاں ـ زیادہ تر قیاس کہتا ہے کہ ایسا ہی لطف اس وقت آتا تھا جب میں بےنور آنکھوں سے ٹٹول کر ماں کی چھاتیاں چچوڑا کرتا تھا ـ

۳

زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ مجھے آرکٹرس کی زندگی کو قریب سے جاننے کا موقع ملا اور بہت سی تعجب کی باتیں میرے علم میں آئیں ـ

اب جو میں دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسے نجانے کیوں کر اپنی کمتری کا احساس ہو گیا تھا ـ بظاہر دیکھنے میں تو وہ قداور مضبوط ٹانگوں والا کتا تھا، کمر پر سیاہ کوئلے کا سا رنگ، پیٹ اور تھوتھنی پر سرخی مائل دھبے ـ اپنی عمر کے لحاظ سے وہ تگڑا بھی تھا اور خاصا بڑا بھی، لیکن اس کی

وہ اچھے دل کا آدمی تھا، جب وہ مہربان ہوتا تو اس عالم میں کتا خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا، اس کا رواں بھول جاتا تھا، اور سارے بدن کے رونگٹے خوشی کے مارے سوئیوں کی طرح کھڑے ہو جاتے تھے — اس کا جی چاہتا تھا کہ کودے، اچھلے، دوڑ کر جائے، خوب بھونکے — لیکن خود کو قابو میں رکھتا تھا — کان ڈھیلے پڑ جاتے تھے، دم ہلنا بند کر دیتی، بدن موم کی طرح نرم اور بے حس و حرکت ہو جاتا تھا، صرف دل زور زور، تیزی سے دھڑکا کرتا تھا — جب بھی مالک اس کے ہاتھ مارنے لگتا، گدگدیاں کرنے لگتا، اسے سہلانے تھپکنے لگتا اور رک رک ہنسی کے ساتھ ہنسنے لگتا، تو کیا راحت ہوتی تھی کتے کو! مالک کی آواز اسے بہت سی رنگارنگ آوازوں کا مجموعہ لگتی تھی، لمبی کھنچی ہوئی اور مختصر، حلق سے آتی ہوئی اور سرگوشی کرتی ہوئی، اس میں پانی بہنے کی چھل چھل اور درختوں کی سائیں سائیں ایک ساتھ گھلی ہوئی ہوتی تھی — یہ ایسی آواز ہوتی تھی کہ کوئی اور آواز ایسی نہیں ہوتی — مالک کی ہر ایک آواز سے کوئی خاص چنگاری پھوٹتی تھی،

اور بندگی کے عادی، جن کے اگر آپ ایک ٹھوکر رسید کر دیں، یا صرف بھبکی دے دیں تو چیخ مار کر دور بھاگیں گے —

میں نے بڑے جاں نثار کتے دیکھے ہیں، ایسے جنھیں فرماں برداری کے سوا کچھ نہیں آتا، ایسے جو چونچلے کرتے ہیں، جن میں خودداری ہوتی ہے، جن میں نفس کشی ہوتی ہے، جو صرف جوتے چاٹنا جانتے ہیں، جن کے لئے سب برابر ہے، جو ٹھس ہوتے ہیں، اندر سے خالی ہوتے ہیں — آرکٹرس کتا ان سب سے نرالا تھا — مالک کے لئے اس کے دل میں غیر معمولی اور بلند جذبہ تھا — وہ اپنے مالک سے دلی محبت کرتا تھا اور اس میں شاعرانہ کیفیت تھی — ممکن ہے اپنی جان سے زیادہ مالک کو چاہتا ہو — لیکن وہ اپنے اس والہانہ جذبے کی نمائش پسند نہیں کرتا تھا — کیا عالی ظرف کتا تھا!

کبھی مالک کا موڈ خراب ہوتا، کبھی وہ لاپروائی برتتا، کبھی اس میں سے بہت سخت یودی‌کلون کی خوشبو آتی —— ایک ایسی بو جو فطرت میں کہیں نہیں پائی جاتی — لیکن زیادہ تر

"آرکٹرس!" ڈاکٹر نے پھر وہی لفظ دہرایا —
ان کا دل دھڑک رہا تھا —

کتے نے اپنا سر اٹھایا اور خواہ مخواہ دم ہلا دی —

"آرکٹرس، ادھر آ! آرکٹرس!" ڈاکٹر صاحب نے خوش ہوکر مالکانہ لہجے میں اسے بلایا — کتا اپنی جگہ سے اٹھا، مالک کے قریب گیا اور اطمینان سے اپنی ناک ان کے گھٹنوں میں ڈال دی — ڈاکٹر کو ہنسی آ گئی اور انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا — چنانچہ وہ نام جو کبھی اس کی ماں نے اپنے باپ سے لیا ہوگا، کسی زبان پر آئے بغیر ہمیشہ کے لئے مٹ گیا، اور اسے ایک نیا نام مل گیا جو آدمی کی زبان نے عطا کیا تھا —

آدمی کی طرح کتے بھی طرح طرح کے ہوتے ہیں: لنگڑے لولے، بھوک سے مرتے، آزاد اور باسراج در در کی ٹھوکریں کھانے والے، حماقت کے مارے مرے نے لیکر بھونکنے والے — ایسے کتے ہوتے ہیں جو اپنی ذلت آپ کرتے ہیں، ٹکڑے مانگتے پھرتے ہیں، جو بھی سیٹی بجا دے اسی کی خدمت میں دوڑے دوڑے آتے ہیں، اطاعت گزار، سعادت مند، دم ہلانے والے

قریب ساری گرمیوں میں رات کو دن کا سا اجالا
رہتا — اس کے دریا کنارے اور سڑکوں پر مستقل
اونگھتا ہوا سناٹا چھایا رہتا تھا — رات کو مکانوں
کے باہر قدموں کی چاپ سنائی دیا کرتی تھی، یہ
اصل میں مزدور تھے جو رات کی پالی سے واپس آیا
کرتے تھے — تمام رات جوڑوں کے قدموں کی چاپ
اور ان کے ہنسی قہقہے سوئے ہوئے باشندوں کے
کانوں میں بجا کرتے تھے — معلوم ہوتا تھا کہ دیواروں
کے کان کھڑے رہتے ہیں، اور سارا شہر جان بوجھ کر
دم سادھے پڑا رہتا ہے تاکہ جاگتے ہوئے باشندوں
کے قدموں کی آہٹ لیتا رہے —

رات کو باغیچے میں سے مکوہ اور اوس کی
باس آیا کرتی، اور برامدے میں سے ڈاکٹر صاحب
کے ہلکے خراٹے سنائی دیا کرتے — دریا پر کوئی
موٹرلانچ اپنا خنخنا بھونپو بجاتی ''دو، دوہ، دو...''

ایک دن مکان میں ایک اور وجود آکر بس
گیا — واقعہ اسی طرح پیش آیا — جب ڈاکٹر اپنی
ڈیوٹی سے واپس آ رہے تھے تو انھوں نے راستے میں
دیکھا کہ کوئی اندھا کتا لٹھوں کے درمیان دبکا

نہیں چنتے تھے – بعض اوقات پاس پڑوس کی مرغیاں اور مرغے بھی اس باغیچے پر حملہ بول دیتے تھے – مرغ منڈیر پر چڑھ کر مزے میں بانگ دیا کرتا تو گردن اوپر کو نکال لیتا اور دم لرزا کرتی – اور خود باغ میں آنکھیں گھما کر دیکھا کرتا کہ یہاں کیا کیا ہے – بانگ دینے کے بعد وہ فرط شوق میں قدم بڑھا دیتا اور مرغیاں اس کے پیچھے پیچھے چلی آتیں – اور سب مل کر جھڑ سری کی بیلوں پر ٹھونگیں مارنا شروع کر دیتے – بلیوں کا بھی باغیچے میں بسیرا تھا – وہ گوکھرو کی بیل میں دبے پاؤں چلتیں اور چڑیوں پر داؤ لگایا کرتیں –

مجھے اس شہر میں رہتے کوئی دو ہفتے ہو چکے تھے، مگر ابھی تک ان خاموش سڑکوں کا عادی نہیں ہوا تھا جن کے فٹ پاتھ لکڑی کے تختوں سے بنے ہوئے تھے اور تختوں کے بیچ بیچ میں گھاس پھوس اگ آیا تھا، ابھی تک سیڑھیوں کے چرچراتے ہوئے زینوں کی اور کبھی کبھار رات گئے دخانی کشتیوں کی سیٹیوں کی عادت نہیں ہوئی تھی – یہ ایک اپنے قسم کی بستی تھی – قریب

گئے، بیوی کا انتقال ہو گیا اور بیٹی ماسکو چلی گئی۔
اب وہ مکان میں تن تنہا رہتے تھے اور بچوں کا علاج
کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک عجیب عادت
تھی ـــ گانا پسند تھا انھیں ـــ بہت باریک آواز
میں مختلف اوپیراؤں کے ٹکڑے گاتے تھے، اور پنچم
میں پہنچ کر مرکیاں لیتے تھے ـــ نیچے والی منزل
میں جہاں وہ رہتے تھے، تین کمرے تھے لیکن ان
میں شاید ہی کبھی جاتے ہوں ـــ برامدے میں ہی
کھانا کھاتے، وہیں سوتے ـــ کمروں میں اداسی چھائی
رہتی، گرد اٹی رہتی، دواؤں اور پرانے دیواری کاغذوں
کی بو آیا کرتی ـــ

میرے کمرے کی کھڑکی باغیچے میں کھلتی
تھی، جو اپنے حال پر چھوٹا پڑا تھا ـــ اس کی باڑھ
ر بیریاں، مکوہ، کٹیار اور ارنڈ کی جھاڑیاں پھیل
ئی تھیں ـــ صبح کے وقت گوریائیں کھڑکی کے
ھر خوب چہچہایا کرتیں اور بیریوں کی جھاڑیوں
ں ٹھونگیں مارنے کے لئے کالی چڑیوں کے جھنڈ
پڑتے ـــ ڈاکٹر ان پرندوں کو بھی ان کے حال
چھوڑ دیتے تھے اور باغیچے سے بیریاں وغیرہ

فارموں والے کسان یا ضلع کے صدر مقام سے آرمیل میں آیے والے سرکاری ملازم ادھر سے گزرا کرتے تھے۔

شہر کے چاروں طرف گھنا جنگل تمام پہاڑی دامن کو گھیرے کھڑا تھا جسے کسی نے چھوا نہ تھا، کیونکہ دریا کے اوپروالے حصے سے جنگل کاٹ کر پانی میں ڈال دیتے تھے۔ لکڑی بہتی چلی جاتی تھی۔ جنگل میں جابجا بہت بڑے بڑے سبزہ زار اور پھولی بسری جھیلیں موجود تھیں، جن کے کنارے پرانے پرانے زبردست صنوبر کھڑے تھے۔ صنوبر ہر وقت سرسراتے رہتے تھے۔ لیکن جب آرکٹک کے شمالی سمندر سے ٹھنڈی مرطوب ہوا کے جھونکے چلتے اور بادلوں کو بہا کر لاتے تو صنوبر کے اونچے اونچے درختوں کے تڑاکے ہونا شروع ہو جاتے اور ان کے ٹھونٹھ تڑاتڑ زمین پر پڑنے لگتے۔

میں نے شہر کے کنارے ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا تھا، پرانے مکان کی دوسری منزل پر۔ میرے مالک مکان ایک ڈاکٹر صاحب تھے، نہایت خاموش اور ہر وقت مصروف۔ کبھی ان کا خاندان بہت بڑا تھا، لیکن دو جوان بیٹے جنگ میں مارے

کسی کو نہیں معلوم کہ پیدائش کے وقت
ماں نے اس کا کیا نام رکھا تھا — ہر ایک ماں چاہے
کتیا ہی ہو، اپنے بچوں کو نام سے جانتی ہے —
دوسروں کے لئے وہ بےنام کتا تھا — کیا پتہ، شہر
میں رہے یا چل دے، یا کہیں کھڈ میں ڈوب مرے،
لیکن اس کی قسمت میں ایک آدمی کا آنا لکھا تھا،
اور اس کی وجہ سے سب کچھ بدل گیا —

۲

میں ان گرمیوں میں شمال کے ایک چھوٹے
شہر میں رہا — یہ شہر دریا کے کنارے تھا — سفید
دخانی کشتیاں، میلے مٹیالے مال بردار نوکے، لٹھوں
کے بیڑے، چوڑے منھ کی چپٹی ڈونگیاں، جن کے
پہلو میں تارکول ملا ہوا ہوتا تھا، دریا میں تیرتی
رہتی تھیں — کنارے پر گھاٹ بنا ہوا تھا، جس
پر ہمیشہ چھال کی ٹٹیوں کی، رسوں کی، گیلی سڑاند
کی اور سوکھی مچھلیوں کی بو بسی رہتی تھی — یہ
گھاٹ لوگوں کے استعمال میں ذراکم ہی آتا تھا،
سوائے اس کے کہ منڈی کے دن شہر کے قریبی پنچائتی

بے ڈھنگا اور شکی— ماں نے دودھ پلاکر جب بڑا کر دیا تو اور بہن بھائیوں کی طرح اس کی طرف سے بھی غافل ہو گئی— اس نے بھیڑیے کی طرح ھوکنا سیکھ لیا اور اسی طرح دردمند اور دل سوز لمبی آہ کے ساتھ ھوکنے لگا— میلا کچیلا رھتا تھا— اکثر بیمار پڑا رھتا— ھوٹلوں کے باھر کوڑے کے ڈھیروں پر منھ مارتا پھرتا تھا اور اپنے جیسے بے گھربار بھوکے کتوں کی طرح خود بھی ٹھوکریں کھاتا، اور میلے پانی کے چھینٹوں سے پٹتا پٹاتا گھومتا تھا—

اس سے تیز نہیں بھاگا جاتا تھا، ٹانگیں حالانکہ مضبوط تھیں، پھر بھی کسی کام کی نہیں تھیں— ھر وقت دل میں یہ دبدھا رھتا تھا کہ کسی نہ کسی دھاردار سخت چیز سے ٹکر ھوگی— جب وہ دشمنوں سے مقابلہ کرتا تھا، ایسے بہت موقعے آئے جب دشمن کتوں سے جنگ رھی، تو جنگ کے وقت اسے اپنے دشمن نظر نہیں آتے تھے— وہ آواز پر لپکتا تھا— سانس کی آواز پر، بھونکنے کی، غرانے کی آواز پر اور زمین پر پنجے مارنے کی آواز پر منھ کھول کر دوڑتا تھا، اکثر یہ بھی ھوا کہ اس کا وار خالی گیا—

بوکھلا گیا، بے ڈھنگے پن سے اس نے ایک چھلانگ لگائی اور پانی میں گر گیا، لیکن جلدی سے پاؤں مارتا کنارے پر پہنچ گیا، پھٹپھٹا کر اپنے بدن کا پانی جھٹکا اور لکڑی کے لٹھوں میں چھپ گیا —

واقعہ یہ تھا یا کچھ اور تھا، لیکن وہ یہاں آیا جاتی سردیوں میں، جب سارے دن دھوپ بھری رہنے لگی تھی، چشموں کی چھل چھل اور چھال کی بوباس پھیل چکی تھی — وہ آیا اور یہیں رہ گیا —

اس سے پہلے کی اس کی زندگی کے متعلق صرف قیاس کیا جا سکتا ہے — شاید کسی سیڑھی کے نیچے پیال پر اس نے جنم لیا — اس کی ماں جو کستروما نسل کی لمبی اور ناٹی اصیل شکاری کتیا تھی، جب وقت آیا تو ڈیوڑھی میں نیچے چھپ گئی تا کہ اپنا کار عظیم انجام دے — اسے آواز دے دے کر بلایا، لیکن وہ اندر سے نہیں نکلی، نہ کچھ کھایا پیا — گٹھری بنی پڑی رہی، اور اس انتظار میں رہی کہ اب کچھ ہونے والا ہے — کوئی ایسی بات ہونے والی ہے جو دنیا کی باقی تمام اور باتوں سے اہم ہے، جو

ہی ایک سل پر تن‌تنہا رہ گیا، سفید نیلگوں سطح پر سیاہ دھبے کی طرح کیڑا رہا، حرکت کے درمیان بےحرکتی کا واحد نمونہ بنا ہوا بہتا رہا — اس کے سر پر ہنس اڑتے رہے اور ''کلینک کلنک،، کی آوازیں کرتے رہے —

لوگ ہمیشہ ہنسوں کی آمد کا بےقراری سے انتظار کرتے ہیں — اور جب وہ اڑتے ہوئے آتے ہیں، صبح سویرے جوہڑوں سے اٹھکر اپنی ''کلینک کلنک،، کی اونچی آوازیں بلند کرتے ہیں تو لوگ ان کی اڑان پر نظریں گاڑ دیتے ہیں، دیکھتے رہتے ہیں، اور خون ان کی رگوں میں گانے گنگنانے لگتا ہے، کیوں کہ لوگوں کے لئے یہ بہار کی آمد آمد کا اعلان ہوتا ہے —

جمی ہوئی برف کی سلیں دریا کے بہاؤ پر شور مچاتی، شرائے بھرتی چلی جا رہی تھیں، ہنس کلکاریاں مار رہے تھے، اور وہ اکیلا برف کی ایک سل پر کھڑا تھا، ٹانگوں میں دم دبائے ہوئے، ہوشیار، اور بےچینی سے سونگھتا ہوا، سنتا ہوا کہ یہ چاروں طرف کیا ہو رہا ہے — جب برف کی یہ سل کنارے لگی تو وہ

۱

شہر میں وہ کہاں سے نازل ہوا، یہ کسی کو معلوم نہ تھا — جاتی سردیوں میں کہیں سے آ گیا تھا اور پھر وہیں رہ پڑا — نہ کوئی اس سے تنگ آیا، نہ کسی سے اس نے خود کو باندھا اور نہ کسی کی اطاعت گوارا کی —— وہ بالکل آزاد تھا —

بعضوں کا کہنا تھا کہ خانہ بدوش قبیلہ ادھر سے گزرا تو وہ جاتے جاتے اسے چھوڑ گیا —

عجیب لوگ ہوتے ہیں یہ خانہ بدوش بھی! شروع بہار میں سفر پر نکل پڑتے ہیں —

بعض لوگ کہتے تھے کہ دریا پگھلا اور برف کا تودہ کہیں سے بہتا چلا تو یہ بھی اسی پر یہاں آ گیا — جب جمی ہوئی برف پگھلنی شروع ہوتی ہے اور سلیں کٹ کٹ کر بہنے لگتی ہیں تو وہ ایسی

یوری کزاکوف پیدائش ۱۹۲۷ء— مشہور سوویت ادیب ہیں— ان کی کہانیوں میں باریک نفسیاتی نکتے اور گہرے فلسفیانہ رموز ملتے ہیں—

یہاں جو کہانی شامل کی گئی ہے ''شکاری کتا،، وہ ان کی عمدہ کہانیوں کا ایک نمونہ ہے—

کزاکوف

شکاری کتا



اس پل پر سے گزرنے لگی جو نالے کے اوپر بنا ہوا تھا اور جس پر سینے گوریا کی حد ختم ہوتی تھی– میں رک گیا– پل چرچرایا اور تختے اوپر تلے ہونے لگے– لیکن بس کے اگلے پہیے سڑک پر پہنچ چکے تھے– کھڑکی سے پھر ویتکا کا سر باہر نکلا– ہوا میں اس کے سن کے سے بال اڑ رہے تھے اور سنولائی ہوئی کہنی ذرا دیر کو دکھائی دی– ویتکا نے مجھے اشارہ کیا اور چاندی کا ایک سکہ دریا کے پار اس طرف کو پھینکا– اس کی چمکتی ہوئی نشانی میرے قدموں کے پاس گردوغبار میں گم ہو گئی– شگون یہ تھا کہ اگر اس جگہ سکے کو اچھال دو تو کبھی نہ کبھی واپس اسی جگہ پہنچوگے–

میرا بہت دل چاہا کہ ہمارے سفر کا دن جلد آئے– میں بھی سکہ اچھالوں اور ویتکا سے پھر ملاقات ہو–

لیکن قسمت میں یہ ہونا ہی نہیں لکھا تھا– جب مہینے بھر بعد ہم سینے گوریا سے روانہ ہونے لگے تو میں سکہ اچھالنا بالکل بھول گیا–

کو زور سے جھٹکا دیا اور کھڑکی کا چوکھٹا چھن سے نیچے آ پڑا —

ویتکا کو تصور میں خوبصورت دیکھنا کتنا آسان تھا — تیز نوکیلے دانتوں نے، کالی کالی بندکیوں نے جو سارے چہرے پر پھیلی ہوئی تھیں اس تصویر کو تباہ کر دیا جو اماں نے کھینچی تھی اور جس کا مجھے یقین آ گیا تھا —

''ویتکا، سنو،، میں نے جلدی جلدی کہا ''ہماری اماں کہتی ہیں کہ تم خوبصورت ہو! تمہارے بال خوب‌صورت، آنکھیں، منھ، ناک...،، بس نے رفتار تیز کر دی اور میں ساتھ دوڑنے لگا ''تمہارے ہاتھ، پاؤں سب خوبصورت، یہ بات سچی ہے، ویتکا!..،،

ویتکا اپنے بڑے سے منھ سے مسکرا کر رہ گئی — اس کی مسکراھٹ میں خوشی تھی، اعتماد تھا، وفاداری تھی، اس کی مسکراھٹ میں ویتکا کے دل کی ساری خوبیاں ابھر کر آ گئی تھیں، اور اس وقت میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ویتکا واقعی دنیا بھر میں سب سے خوبصورت لڑکی تھی —

بس بوجھل طریقے سے سنبھلتی ہوئی لکڑی کے

کھڑا رہا اور اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر ایک دم چلا اور بس اسٹیشن کی طرف دوڑ لیا —

ابھی بس گئی نہیں تھی — آخری مسافر اپنے بکس اور تھیلے وغیرہ لئے ہوئے اندر گھسنے کی کوشش کر رہے تھے — پہنچتے ہی میں نے ونیتا کو اس طرف بیٹھے دیکھا جہاں کھڑکی نہیں کھلتی ہے — اس کے برابر ایک موٹی تازی گہرے رنگ کے بالوں والی عورت لال فراک پہنے بیٹھی تھی —— یہ ونیتا کی اماں تھیں —

ونیتا نے بھی مجھے دیکھا اور جلدی جلدی کھڑکی کے شیشے گرانے کے لئے زور لگایا — ونیتا کی ماں نے اس سے کچھ کہا اور بیٹی کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا گویا اس کو اپنی جگہ ٹھہائے رکھنا چاہتی ہوں — ونیتا نے ماں کا ہاتھ جھٹک دیا —

انجن میں گھڑگھڑاہٹ ہوئی اور بس آہستہ آہستہ کچی سڑک پر چلنے لگی اور زرد رنگ کی دھول پیچھے چھوڑنے لگی — میں بس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا — اپنے ہونٹ بھینچ کر ونیتا نے کھڑکی

''ویتکا تھی، تراکانیخا کے گھر رہتی ہے —''

''کیا خوب لڑکی ہے، واہ!'' اماں نے گہری آواز میں کہا —

''نہیں، نہیں، یہ تو ویتکا ہے!..''

''میں کوئی بہری نہیں ہوں، سن لیا...'' اماں پھر ادھر ہی دیکھنے لگیں جدھر ویتکا بھاگی ہوئی گئی تھی — ''واہ واہ، کیا کمال کی لڑکی ہے! چھوٹی پھلکی سی ناک، اجلے اجلے بال، آنکھیں ایسی حیرت ناک، ترشا ہوا مختصر سا بدن، پتلے سڈول ہاتھ پاؤں...''

''مگر اماں، آپ نے دیکھا تو ہئی نہیں!'' میں چیخ پڑا، مجھے ناگوار گزر رہا تھا کہ انھوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا نہیں اس لڑکی کو، خواہ مخواہ تعریف کر رہی ہیں، اور ان کے الفاظ ویتکا کی شان میں کسی وجہ سے جچ نہیں رہے تھے — ''اماں، آپ نے اس کا دہانہ نہیں دیکھا!..''

''دیکھا، کیا بڑا سا لا جواب منھ ہے، اور کیا... م ان باتوں کو نہیں سمجھتے ہو!''

اماں گھر میں اندر چلی گئیں — میں منٹ بھر

سے ہمیشہ جواب ملتا ہے — تم اس طرف گئے ہی نہیں، ورنہ دیکھتے — جہاں آواز مٹر کے دانوں کی طرح لڑھکتی ہے، وہاں ہمیشہ جواب ملتا ہے...،،

''ویتکا!..،، میری زبان سے پشیمانی میں صرف ایک لفظ نکل سکا —

اس کے دبلے پتلے چہرے پر حم آ گیا —

''میں ہپا گتی ہوں اب، ورنہ بس نکل جائے گی...،،

''ماسکو میں ملیں گے؟،،

ویتکا نے سر ہلا دیا —

''ہم تو خارکوف میں رہتے ہیں...،،

''پھر آنا ہوگا اس طرف تم لوگوں کا؟،،

''معلوم نہیں... اچھا، رخصت!..،، ویتکا نے نوکیلاہٹ میں اپنا سر شانے پر ڈھلکا لیا اور پھر بھاگتی ہوئی چل دی —

میں نے دیکھا کہ اماں دروازے کے پاس ہی کھڑی تھیں اور ویتکا کو دوڑتے ہوئے تکے جارہی تھیں —

''کون تھی یہ؟،، کچھ خوشی کے ساتھ انہوں نے مجھ سے پوچھا —

دھندلکے تھے جو جھومتی ہوئی شاخوں میں، ٹہنیوں میں اور درختوں کے تنوں میں اور کوئلے جیسے سایوں میں روشن زمین پر دوڑتے رہتے تھے —

کئی بار مجھے ویتکا کی جھلک نظر آئی — وہ سمندر کے کنارے جاتی تھی چاہے کیسا ہی موسم ہو، اور سورج کی اتفاقیہ نکلنے والی کرنوں سے آخر اپنے بدن پر کلونس کی تہہ چڑھا ہی لائی — تنہائی سے اکتاکر میں اپنی اماں کے ساتھ بازار آنے جانے لگا جہاں ترکاریاں، خوبانیاں، بھیڑ بکری کا دودھ اور دھی بکتا تھا — ایک دن ویتکا بازار میں مل گئی — وہ اکیلی تھی اور اس کے ہاتھ میں جالی دار تھیلا لٹک رہا تھا — میں دیکھتا رہا کہ وہ اپنے نیلی پیلی دھاریوں والے جانگئے میں دودھ کے پیپوں اور خوانچوں کے درمیان چکر کاٹتی پھر رہی ہے — وہ خوب ڈٹ کر سودا سلف کرتی تھی ٹماٹر چنتی اور گوشت کے بوٹے ترازو پر خود رکھ کر وزن کراتی تھی — میں نے دیکھا اور جی میں سوچا کہ ایک اچھی دوست ہاتھ سے جاتی رہی —

پہلے دن جب مطلع صاف تھا، دھوپ بھری

تک کہ میری ماں کو بھی میری حرکت ناگوار گزری — جب میں نے ان سے وہ آواز نہ پلٹنے کا واقعہ بیان کیا تو ماں نے مجھے دیر تک اوپر سے نیچے تک دیکھا، جیسے کسی اجنبی کو ٹٹولتے ہیں اور کہنے لگیں:

''اور کیا، صاف بات ہے — پہاڑ تو صرف نیک اور ایماندار آدمی کی آواز کا جواب دیتے ہیں...''

ماں کے اس جواب نے مجھ پر اور تو کئی باتیں روشن کر دیں، لیکن صدائے بازگشت والا قصہ پھر بھی معمہ ہی رہا —

بارشیں ہوتی رہیں اور سمندر، یوں معلوم ہوتا تھا کہ دو حصوں میں بٹ گیا ہے — کھاڑی میں اس ریت کی وجہ سے جو دریا اور نالے بہا کر لائے تھے، ریت کا رنگ پیلا ملگجا سا ہو گیا تھا اور دور پر وہ صاف شفاف نظر آ رہا تھا — ہوا برابر چلتی رہتی تھی — دن کے وقت بارش کا سرمئی پردہ ہلاتی رہتی تھی، رات کو ہمیشہ ننھے ستارے صاف آسمان سے ٹمٹماتے رہتے تھے، ہوا خشک تھی اور خود کو ہمیشہ سیاہ رنگ میں ظاہر کرتی تھی، گویا سیاہی مائل

تھے — پھر ایگور نے منھ کھولا، صرف ایک لفظ ادا کرنے کے لئے:

"شیخی باز!"

الٹے قدموں مڑکر وہ واپس چل دیا اور اس کی ٹولی بھی سرغنہ کے ساتھ ساتھ چلی گئی —

میں ان کے بعد اونگھتا ٹھیلتا منھ لٹکائے، یہ سوچتا چلا کہ آخر ہو کیا گیا؟ مجھے اس کی زیادہ فکر نہیں تھی کہ لڑکوں کے سامنے ذلت اٹھانی پڑی ہے، بلکہ اپنی ناکامی کا راز جاننے کی پریشانی تھی — کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ پہاڑ صرف ویتکا کی پکار کا جواب دیتے ہوں؟ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا، ورنہ کیا وجہ کہ جب ہم دونوں ساتھ آئے تھے تو میری پکار کا بھی اسی طرح جواب ملتا تھا — ممکن ہے اس کے پاس کچھ ایسی چابیاں ہوں کہ جب چاہا چابی گھمائی اور آوازیں پہاڑوں کے غاروں میں بند کر دیں!..

اس کے بعد بےلطفی اور افسوس کے دن گزرنے لگے — ویتکا میرے ہاتھ سے جاتی رہی تھی — یہاں

آیا — ایک کے بعد ایک لڑکے نے آواز لگائی لیکن جواب ندارد — ہم نے بار بار کوشش کی لیکن کہیں سے کوئی صدا نہیں پلٹی —

وہاں سے دوڑا ہوا میں اس جگہ پر پہنچا جہاں کھڑی چٹانس دونوں رخ سے ایک غار پر نکلی ہوئی تھیں — اور لڑکے بھی میرے پیچھے پیچھے دوڑے — میں نے خوب گہرا سانس لیا اور غار کی دھندلی گہرائی میں منھ ڈال کر جتنی زور سے ممکن تھا، چیخا — یہاں بھی ان بزرگ نے جواب نہیں دیا —

میں بدحواسی میں دوڑا ہوا ''شیطان کی انگلی،، کے پاس پہنچا، وہاں سے درے کے شگاف تک گیا، وہاں سے پھر چٹان کے کگارے پر آیا، پھر ''شیطان کی انگلی،، پر پہنچا، سب جگہ پکار پکار کر دیکھا، پہاڑ دم سادھے کھڑے رہے...

منت سماجت سے میں لڑکوں کو اس پر راضی کرنے لگا کہ وہ میرے ساتھ پہاڑی کے دہانے کے پاس تک چڑھے چلیں — وہاں کی آوازیں تو ضرور پلٹ کر جواب دیں گی — لیکن وہ سہمے گھیرے ہوئے چپ چاپ کھڑے رہے، جیسے پہاڑ دم بخود

کپڑے سیل جاتے، اور پھر تھوڑی دیر میں غائب ہو جاتے، صرف اوس کی بوندیں ان کی نشانیاں، پہاڑی ڈھلوانوں پر رہ جاتیں —

آخر میں ''شیطان کی انگلی'' چٹان بادلوں کے اس دھندلکے سے ہمارے سامنے ابھری اور اس نے ہمارا راستہ روک دیا —

''لو، اب دکھاؤ، کیا کرامات چھپا رکھی ہے یہاں!'' ایگور نے مسکرائے بغیر کہا —

''سنو!'' میں نے شان کے ساتھ جواب دیا اور فوراً مجھے پھر ویسے ہی لگا کہ سارے بدن میں جھرجھری ہونے لگی ہے — دونوں ہتھیلیوں کو جوڑ کر منھ پر رکھا اور زور سے پکارا:

''او، ہو، ہو!..''

خاموشی رہی — میرے کان کے پاس وہ پہلے والی ہولناک سرگوشی نہیں ہوئی، نہ سمندر سے مذاق اڑانے والی آواز پلٹی، نہ اوپر سے روہانسی آواز میں کسی نے جواب دیا —

میں نے پھر وہی پکار لگائی ''او، ہو، ہو!'' اس بار آواز لگاتے وقت میں چٹان کے اور قریب کھسک

کتوں نے ہمارا استعمال کیا لیکن مرطوب ہوا م
ان کا بھونکنا بھی سیل گیا تھا، اس میں شدت کی
ہو گئی تھی — اب چوں کہ بھیگ جانے سے ان کے
لمبے بال بیٹھ گئے تھے، اس لئے وہ اتنے ہولناک نہیں
نظر آ رہے تھے اور ان کی کالی آنکھیں بھی روئیں کے
لچھوں میں سے صاف دکھائی دینے لگی تھیں —

پھر وہی اخروٹوں کا باغیچہ آیا، بےجان اور
کیڑوں کھایا — ہوا اور بارش نے اس کے رہے سہے
کمزور پتوں کو دھک ڈالا تھا — اب وہ ننگے بدن
اور مضمحل کھڑا تھا اور اس میں سے سمندر کی اداس
سیاہی نظر آتی تھی —

''شیطان کی انگلی،، بادلوں میں ڈھکی ہ
بہت دیر تک ہمیں نظر نہیں آئی — لمحہ بھر
پورے قد سے وہ جھلکی، لیکن پھر لمحہ بھر میں دھو
دھواں فضا میں کہیں اوجھل ہو گئی — تعجب
یہ تھا کہ اگرچہ ہوا سمندر کے رخ کی تھی، مگر
ہلکے بادل، جیسے بالا کٹنے والے دن آدمی کا سانس
ہلکا ہوتا ہے، بالکل دوسری سمت میں بہے جا رہے
تھے — ذرا دیر کو وہ زمین پر اتر آئے تو ہمارے

دوسرے دن صبح کو ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی — پہاڑیوں پر صابن کے جھاگ جیسے نیلگوں سفید بادل بھرے ہوئے تھے — طوفانی سمندر کے ہیبت ناک شور میں اب چڑھے ہوئے ندی نالوں کا شراٹا بھی شامل ہو گیا تھا —

لیکن ایگور کی ٹولی نے یہ مہم ملتوی کرنے سے انکار کر دیا — میں انہیں راستہ بتاتا ہوا چلا اور وہی پیچ و خم کھاتی ہوئی پگڈنڈیاں میرے قدموں کے نیچے تھیں — اب ان کو ایک زرد رنگ کا دھندلا نالہ کاٹ رہا تھا جو اپنے ساتھ کنکر پتھر بہائے ہوئے پہاڑی کے نیچے لئے جا رہا تھا — اب اخروٹ کے جنگل میں شیرے کی سی بو نہیں تھی، بلکہ سڑتی گلتی پتیوں اور بارش سے شرابور مٹی نے ہوا میں ایسی باس بھر دی تھی گویا اندر کوئی شے سڑ رہی ہے اور کھٹی انگوری شراب کی سی بو دے رہی ہے — چلنا دشوار ہو رہا تھا، گیلی زمین اور چٹانوں کے چکنے ٹکڑوں پر پاؤں کہیں کا کہیں پھسلتا تھا...

جب جنگل کے رکھوالے کی چوکی کے پاس سے گزرنے لگے تو پھر انھی بھونکتے بھونکتے گلا بٹھانے والے

ویتکا نے مجھے سب سے برے، ذلیل اور سخت نا انصافی کے لفظوں سے مخاطب کیا تھا — اسے یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ میں کوئی ایگور کے گھونسے سے ڈرکر نہیں رہ گیا تھا — بلکہ وہ مجھے ہمیشہ کے لئے ان چھوکروں کی نظروں میں ذلیل کر دینا چاہتی تھی —

معلوم نہیں، ایگور کو سب کا سرغنہ ہونے کی ترنگ تھی کہ وہ اپنے غول کی سی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا، یا یوں ہی اسے ویتکا سے کچھ دل چسپی پیدا ہو گئی، البتہ اتنا ہوا کہ اس نے دوستانہ اور بھروسہ رکھنے کے انداز میں مجھ سے دریافت کیا:

''سنو، کیا معاملہ ہے، کہیں یہ خبط الحواس تو نہیں ہے؟''

''قطعی...'' اس کے حسن اخلاق کے آگے میں نے بالکل ہی سپر ڈال دی —

''تو پھر تم اس کے ساتھ کیا گھومتے پھرتے ہو؟''

ویتکا پر سے بےشرمی کا داغ چھڑانے کے لئے

دعمکی معمول سہی — میں یوں ہی ابھی ج
ے مرنے والا نہیں ہے — ویسے سمجھ گئی لہ م
ے نسی قسم کی امید بیکار ہے — وہ بدن چرائے ہوئے
جبکی جبکی، ش بیوں ے حسا س بڑا، دبلا جسم چھپائے
ہوئے ے بڑھی، بدن سردی کے مارنے نیلا پڑ گیا
ہے ور روکھے نیزے سے — وہ پانی سے نکل آئی
ور تر بوب کے قمقموں اور سیسوں کی رد میں ترچھے
ت ے بے ی ہوئی اسے جانگیے تک گئی — وہ
اب جسے ی سا ی کی وجہ سے کوئی اہمیت
بہت ری سہی، وہ آج ایک ڈری ہوئی ذلت انگیز
ور شرم ن ب ت گئی سہی —
ایک ٹانگ تر اجیں اچھال کر اس نے جانگیہ
سہنے کی کوشش کی، لیکن دوسری ٹانگ بڑی مشکل
سے پانچیے کے اندر گئی — بالاخر جانگیہ چڑھانے
کے بعد اس نے اپنا سینہ اٹھایا اور دوسری سمت کو
ہٹ گئے لگی — ایک دم منہ موڑا اور مجھے مخاطب
کرکے زور سے پکاری:
"بزدل، بے غیرت! بہت ہی گھٹیا بزدل!..."

ویتکا نے مجھے سب سے برے، ذلیل اور سخت نا انصافی کے لفظوں سے مخاطب کیا تھا — اسے یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ میں کوئی ایگور کے گھونسے سے ڈرکر نہیں رہ گیا تھا — بلکہ وہ مجھے ہمیشہ کے لئے ان چھوکروں کی نظروں میں ذلیل کر دینا چاہتی تھی —

معلوم نہیں، ایگور کو سب کا سرغنہ ہونے کی ترنگ تھی کہ وہ اپنے غول کی سی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا، یا یوں ہی اسے ویتکا سے کچھ دل چسپی پیدا ہو گئی، البتہ اتنا ہوا کہ اس نے دوستانہ اور بھروسہ رکھنے کے انداز میں مجھ سے دریافت کیا :

"سنو، کیا معاملہ ہے، کہیں یہ خبط الحواس تو نہیں ہے؟"

"قطعی..." اس کے حسن اخلاق کے آگے میں نے بالکل ہی سپر ڈال دی —

"تو پھر تم اس کے ساتھ کیا گھومتے پھرتے ہو؟"

ویتکا پر سے بےشرمی کا داغ چھڑانے کے لئے

دھمکی فضول تھی — میں یوں بھی اپنی جگہ سے سرکنے والا نہیں تھا — وینکا سمجھ گئی کہ مجھ سے کسی قسم کی امید بیکار ہے — وہ بدن چرائے ہوئے، جھکی جھکی، ھاتھوں سے جتنا بن پڑا، دبلا جسم چھپائے ہوئے آگے بڑھی، بدن سردی کے مارے نیلا پڑ گیا تھا اور رونگٹے کھڑے تھے — وہ پانی سے نکل آئی اور لڑکوں کے قہقہوں اور سیٹیوں کی زد میں ترچھے رخ سے بھاگی ہوئی اپنے جانگئے تک گئی — وہ بات جسے اپنی سادگی کی وجہ سے کوئی اھمیت نہیں دی تھی، وہ آج ایک گری ہوئی ذلت انگیز اور شرم ناک بات بن گئی تھی —

ایک ٹانگ پر اچھل اچھل کر اس نے جانگیہ پہننے کی کوشش کی، لیکن دوسری ٹانگ بڑی مشکل سے پائنچے کے اندر گئی — بالآخر جانگیہ چڑھانے کے بعد اس نے اپنا تولیہ اٹھایا اور دوسری سمت کو بھاگنے لگی — ایک دم منھ موڑا اور مجھے مخاطب کرکے زور سے پکاری:

''بزدل، بے ھمت!.. بہت ھی گھٹیا بزدل!..''

ویتکا نے مجھے سب سے برے، ذلیل اور سخت نا انصافی کے لفظوں سے مخاطب کیا تھا — اسے یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ میں کوئی ایگور کے گھونسے سے ڈرکر نہیں رہ گیا تھا — بلکہ وہ مجھے ہمیشہ کے لئے ان چھوکروں کی نظروں میں ذلیل کر دینا چاہتی تھی —

معلوم نہیں، ایگور کو سب کا سرغنہ ہونے کی ترنگ تھی کہ وہ اپنے غول کی سی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا، یا یوں ہی اسے ویتکا سے کچھ دل چسپی پیدا ہو گئی، البتہ اتنا ہوا کہ اس نے دوستانہ اور بھروسہ رکھنے کے انداز میں مجھ سے دریافت کیا:

''سنو، کیا معاملہ ہے، کہیں یہ خبط الحواس تو نہیں ہے؟''

''قطعی...'' اس کے حسن اخلاق کے آگے میں نے بالکل ہی سپر ڈال دی —

''تو پھر تم اس کے ساتھ کیا گھومتے پھرتے ہو؟''

ویتکا پر سے بےشرمی کا داغ چھڑانے کے لئے

دھڑکی دھول نہیں — میں [illegible] بھی اس [illegible]
سے سر لیے [illegible] نہیں تھا — وہ [illegible] سمجھ گئی [illegible]
سے کیسی قسم کی [illegible] بیزار ہے — وہ [illegible] ہوئی
[illegible] ہاتھوں سے [illegible] بڑا [illegible]
ہوئے آگے بڑھی، [illegible] سردی کے [illegible]
تھا اور [illegible] [illegible] سے [illegible] گئی
اور لڑکیوں کے قہقہوں اور [illegible] کی [illegible]
[illegible] سے [illegible] ہوئی اسے [illegible] گئی [illegible]
[illegible] اپنی [illegible] کی وجہ سے [illegible]
[illegible] ایک [illegible] ہوئی [illegible]
اور [illegible] گئی تھی

ایک لڑکی [illegible] انہوں نے اس [illegible]
[illegible] کی [illegible] دوسری لڑکی [illegible]
سے [illegible] کے اندر گئی [illegible]
کے [illegible] دوسری [illegible]
[illegible] گئی ایک [illegible] اور [illegible]
[illegible]
[illegible] بھی [illegible]

•••

پر بیٹھ گئی اور ہاتھوں سے لہروں کا پانی اپنے اوپر ڈالتی رہی— آخر سردی نے اپنا کام کیا—

''سریوژا!،، اس نے وہیں سے پکارا— ''میرا جانگیہ دے دو!،،

اس درمیان میں خواہ مخواہ سارے وقت میں تولئے سے اپنا بدن پونچھتا رگڑتا رہا تھا— بدن خشک ہو چکا تھا، پھر بھی رگڑتا رہا یہاں تک کہ کھال میں سوزش ہونے لگی، مگر میں وقت گزاری کی خاطر تولیہ رگڑے جا رہا تھا گویا اپنی کھال ادھیڑ لینے کی فکر میں ہوں— جو افسوس ناک، بلکہ شرمناک بدحواسی مجھ پر طاری تھی اس میں صرف ایک بات میرے ذہن میں آئی کہ ویتکا کی اس تذلیل سے خود کو الگ تھلگ رکھنا ہے—

''سریوژا، جا کے اپنی محترمہ کو جانگیہ دے آؤ، نا!،، لال جانگئے والے نے نقل کرتے ہوئے پتلی سی آواز میں مذاق اڑایا—

میری طرف مڑ کر ایگور نے دھمکی دی:

''ذرا جا کے دیکھو!..،،

لہر پر تیرتی اور اس کے چھوٹے چھوٹے کولھے پانی سے اوپر نظر آتے تھے —

لڑکوں نے یوں ھی بےپروائی سے میرے سلام کا جواب دیا — وہ میرے برابر سے گزرے جا رہے تھے کہ اتنے میں ایک کی نظر ویتکا پر پڑ گئی — یہ لڑکا تیراکی کے لال جانگئے میں تھا — اس نے تیرتی ہوئی ویتکا کو دیکھتے ھی آواز لگائی:

"لڑکو، ذرا دیکھنا، ننگی لونڈیا نہا رہی ھے!.."

پھر کیا دیر تھی: چیخ پکار، سیٹیاں، ھی ھی، ھو ھو — ویتکا کی ھمت کی داد دینی چاھئے کہ اس نے ان لڑکوں کی حرکتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی — لیکن اس کا تغافل آگ پر تیل بن گیا — لال جانگئے والے نے تجویز پیش کی کہ "اس لونڈیا کی ٹانگیں سر کو لگائی جائیں" — سب نے خوشی خوشی اس کی تائید کر دی، اور وہ جھومتا ھوا پانی کی طرف بڑھا بھی — ویتکا وحشی جانور کی طرح تیزی سے پانی میں ڈبکی لگا گئی اور اندر کچھ ٹٹولتی رھی، جب اس نے کمر سیدھی کی تو ھاتھ میں یہ موٹا سا پتھر تھا —

جب وہ اسکول میں اپنی ساتھ والیوں کا ذکر کرنے لگی تو ایک کا تذکرہ کرتے ہوئے ضمناً بولی:

''وہ بھی کچھ میری طرح سے بد صورت ہے...،،

ایک بار ہم دونوں مجبیروں کے گیاٹ سے ذرا فاصلے پر بیٹھا رہے تھے کہ اونچے کنارے سے لڑکوں کا ایک غول گھومتا ہوا ادھر نکل آیا — مجھ سے ان کی معمولی سی جان پہچان تھی لیکن شرماحضوری کے ساتھ میں نے ان میں شامل ہونے کی جتنی کوشش کیں، سب ناکام ہو گئیں — یہ لوگ پہلے کی گرمیاں بھی سیتےگوریا میں گزار چکے تھے اور خود کو ''پرانوں،، میں شمار کرتے تھے، نئے آدمی کو منھ نہیں لگاتے تھے — ان کا ایک لیڈر تھا ایگور، لمبے قد اور مضبوط بدن کا لڑکا —

میں غوطے لگاکر دریا سے نکل آیا تھا اور کنارے کھڑا ہوا تولئے سے بدن پونچھ رہا تھا — وینکا ابھی تک پانی میں کھیلے جا رہی تھی — وہ اپنی طرف بڑھتی ہوئی لہر پر تاک لگاتی اور خوب اونچی اچھل کر اس پر جا پڑتی، پیٹ کے بل اٹھی ہوئی

میری اور ویتکا کی دوستی ہو گئی — ہم دونوں نے سارا ''تیمریوک کایا،، چھان مارا اور ''شادی پہاڑ،، پر ساتھ گھومتے پھرے — ''شادی پہاڑ،، پر ایک چھوٹی سی کھوہ میں ہمیں ایسی صدائے بازگشت مل گئی جو مینڈک کی طرح ٹراتی تھی — لیکن ''تیمریوک کایا،، میں، حالاں کہ وہاں کھڑی ڈھلانیں موجود ہیں، سر بفلک چوٹیاں سیدھی چلی گئی ہیں اور اس کی تلی میں سے شاخیں نکلی ہیں، پھر بھی وہاں کوئی ہماری پکار کا جواب دینے والا نہیں تھا...

ہم دونوں قریب قریب ہر وقت ساتھ رہتے تھے — مجھے اس کی عادت ہو گئی کہ ویتکا ننگی نہاتی ہے — وہ اچھی بچی تھی، ایک اچھی ساتھن تھی — مجھے خیال بھی نہیں آتا تھا کہ یہ لڑکی ہے — یہ بھی سمجھ میں آنے لگا کہ اسے کپڑوں کی طرف سے اس قدر لاپروائی کیوں ہے — اپنے دل میں اس نے طے کر رکھا تھا کہ ابھی چھوٹی سی ہے اور کچھ صورت شکل بھی نہیں پائی — آج تک کوئی نہیں ملا جسے اس قدر بے تکلفی، سادگی اور وقار کے ساتھ یہ اقرار ہو کہ میری صورت شکل یوں ہی سی ہے —

پہنچ چکا تھا، مجھے یہ لڑکی پہاڑی روحوں کی آشنا نہیں معلوم ہوتی تھی، بلکہ صرف تیز دانتوں والی، سوکھی ماری، بدصورت سی معمولی لڑکی نظر آنے لگی تھی— افسوس کہ ایک ایسی لڑکی کے آگے میں نے اپنے کو بزدل ثابت کر دیا!

''ہاں، لطف آیا!..'' میں نے یوں ہی بے توجہی سے کہا— ''لیکن یہ کیا ذخیرہ کیا تم نے؟''

''تمہارے خیال میں اپنا جمع کیا ہوا ذخیرہ وہی ہوا جو ڈبے میں بند کرکے اندر کی جیب میں رکھ لو؟''

''نہیں، یہ کیوں؟.. مگر دیکھو نا، آواز پلٹتی ہے تو ہر ایک کی آواز پلٹ کر سنائی دے گی، تمہاری اس میں کیا خصوصیت ہوئی؟''

ویتکا کچھ عجیب طرح سے دیر تک مجھے تکتی رہ گئی—

''تو کیا ہوا—— مجھے اس کا افسوس نہیں ہے!..'' اس نے جواب دیا، بال جھٹکے اور اپنے گھر کی طرف چل دی—

ہوئی نہیں، میں خود کو اچانک تنہا، بےکس اور بےبس محسوس کرنے لگا—

"چل دیں"، میں نے ویتکا سے کہا اور میری بدحواسی ظاہر ہونے لگی تھی— "چل دیں یہاں سے!.."

واپسی کا تمام راستہ میرے لئے ایسا تھا جیسے اوپر سے نیچے کو لگاتار لڑھکتے چلے جا رہے ہوں— پھر ہم اسی پتھریلے قبرستان کے پاس سے گزرے، پھر وہی "شیطان کی انگلی" آئی، پھر بےرونق اور مردنی چھایا ہوا اخروٹ کا باغیچہ آیا، پھر جنگل کے رکھوالے کا مکان اور اس کے وہ کتے جو زنجیریں تڑا کر جھپٹنے کے لئے حلق پھاڑے دے رہے تھے— پھر ایک اور جنگل جو زندگی سے بھرپور تھا— تمام راستے اوپر سے نیچے اترتے آ رہے تھے کہ نہر کے خشک پھاٹ پر پہنچے جو ہماری بستی کو پہاڑ کی طرف سے گھیرے ہوئے تھا—

"کہو، لطف آیا؟"، ویتکا نے پوچھا، جب ہم دونوں اپنی بستی والی سڑک پر آ گئے—

اب جب کہ میں زندگی کے معمولات کے درمیان

''آہ،، نکلی، گویا اس آہ کے ساتھ پہاڑوں نے روکا ہوا آخری سانس چھوڑا ہو—

میں وینکا کو حیرت اور عزت سے دیکھتا رہ گیا— ایسی دبلی پتلی لڑکی، سوکھی ماری— چہرے پر کالے دانے اور سن کے سے بال بکھرے ہوئے— ہونٹوں کے کونوں میں نوکیلے دانت، ہری چمکتی ہوئی آنکھوں والی یہ لڑکی بذات خود مجھے یوں لگی کہ خود بھی اس پراسرار دنیا کی طرح ایک افسانوی شخصیت ہے، جس میں وہ مجھے لے کر آئی ہے—

''اب تم آواز لگاؤ!،، اس نے حکم چلایا—

میں آگے کو جھکا اور پہاڑ کے چھوٹے سے تاریک منھ پر منھ رکھ کر پکارا ''ایہہ،،— پھر وہی ''ہوم،، کا دھماکا سا ہوا اور کھڑ کھڑاہٹ اور کوئی سانس سا میرے منھ پر آ کر لگا، جو سرد اور مردہ دنیا کے منھ سے نکلا تھا— ایک دم مجھ پر خوفناک تنہائی کی سنسنی چھا گئی، پہاڑوں، چٹانوں اور ساروں کی اس فضا میں، جہاں وحشی اور پراسرار آوازیں بسی

پر پہنچ گئے ہیں، ”شیطان کی انگلی،، چٹان معمولی سی ایک سلاخ معلوم ہو رہی تھی۔

ویتکا ایک تاریک قوسی سوراخ کے پاس پہنچ کر تھم گئی جو پہاڑ کی گہرائی میں اتر گیا تھا — میں نے اس کے اندر جھانک کر دیکھا اور جب اندھیرے میں سوجھنے لگا تو نظر آیا کہ ایک گہرا غار ہے جس پر پہاڑ کی قوسی شکل کی چھت ہے اور اسی چھت میں سے پتھر کے ڈاڑھی جیسے نوکیلے کٹاؤ غار کی طرف نکلے ہوئے تھے — اس کی دیواروں میں سے لال، ہرے اور نیلے رنگ کی ٹمٹماہٹ آ رہی تھی، اور اندر سے مردے کی سی اتنی سخت سڑاند آ رہی تھی کہ میں نے بے اختیار منھ پھیر لیا —

ویتکا آگے کو جھکی اور اس نے سوراخ میں زور سے آواز لگائی:

”سلام!،،

یوں لگا جیسے اس جھکی ہوئی چھت کے نیچے خالی پیپے ایک دوسرے سے ٹکرائے اور بہت زور کا دھماکا ہوا: ”بوم!،، پھر کہیں دور سے کھڑ کھڑاہٹ ہوئی اور آخر میں بھاری آواز میں لمبی

لیکن ان میں سب سے حیرت ناک مدائے
بازگشت وہ تھی جس کے متعلق ویتکا نے مجھے کچھ
نہیں بتایا تھا — اس تک پہنچنے کے لئے ضروری تھا
کہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے جائیں، سوکھی جڑوں
اور جھاڑیوں کو یا جس چیز پر بھی ھاتھ پڑ جائے
اسے تھام کر گھسٹیں — ھمارے رینگنے سے
اگر کوئی بھی پتھر اپنی جگہ سے کھسک کر لڑھک
جاتا تو وہ اپنے ساتھ ڈھیرے پتھروں کا ایک ریلا بنا
جاتا تھا، یہاں تک کہ ھمارے پیچھے مستقل ایک
کھڑڑ کھڑڑ سنائی دے رھی تھی — جب میں نے
گردن موڑ کر دیکھا تو مجھے حیرت ھو گئی کہ یہ
چٹان جو سمندر کے اوپر کگارے سے ھمیں چکرائے
دے رھی تھی، اس قدر معمولی اونچائی پر ھے — اس
جگہ سے سمندر ایک ھموار فرش کی طرح نظر نہیں
آیا — بہت بڑا، اتھاہ، بےکراں سمندر آنکھوں کے
سامنے دور دور پھیلا ھوا تھا اور آسمان سے جاکر
مل گیا تھا، آسمان اور سمندر مل کر ایک گنبد بن
گئے تھے اور یہ گنبد حد نظر تک ھر چیز پر ڈھکا
ھوا تھا — صرف یہ جتانے کو کہ ھم کتنی اونچائی

رکھ دیا ہو، کوئی جنگی جوان کا کٹا ہوا دھڑ تھا جس پر زرہ بکتر لگا ہوا ہو، کوئی بھاری توپ تھا جس کی نال ٹوٹ گئی ہو، کوئی اونٹ کی طرح کا تھا، ایک کی شکل ایسی تھی جیسے شیر نے دھڑوکنے کو منھ کھولا ہو، بعضے کسی رستم وقت کے کٹے پھٹے بدن کے حصے نظر آتے تھے: روم‌والوں کی سی ناک، کٹا ہوا کان، نیچے کا جبڑا داڑھی سمیت، مضبوط گھونسا جو کبھی نہیں کھلتا، ننگے پاؤں، ماتھا جس پر بالوں کے لچھے پڑے ہوئے— کچھ یہ نقشہ تھا—

اس سنگین مخلوق کی طرف، پتھر کے لباس میں ان جسمانی اعضا اور چیزوں کی طرف جو لفظ بھی پھینکو، وہ گیند کی طرح اچک لیا جاتا تھا اور پھر ایک دوسرے کو وہی لفظ لپکاتا تھا یا برابروالے کو بڑھا دیتا تھا— لفظوں کی گیند تیزی سے اچکتی ہوئی لمحوں کے اندر سب طرف گھوم جاتی تھی— یہی وہ مقام تھا جس کے متعلق ویتکا نے کہا تھا کہ ”مٹر کے دانوں کی طرح“ بجنے والی آواز یہاں رہتی ہے—

چاقو کے نشان کی طرح کٹا ہوا ہے — یہ آواز بہت باریک ہے اور دل کو چھید ڈالتی ہے — جانے نہ کتنی ہی پیاری، گہری آواز میں بولو، لیکن پلٹ کر جواب ملے گا اسی باریک اونچی آواز میں — اور اس سے بڑھ کر خراب بات یہ ہے کہ جواب دے کر، یہ آواز تھم نہیں جاتی بلکہ دیر تک شگافوں میں چوہوں کی سی چیں چیں میں دہرائی جاتی ہے —

ہم اس درے کے پاس تجربہ کرنے میں نہیں اٹکے بلکہ آگے چل دئیے — اب ہمیں ایک لمبی چڑھائی پر رینگنا تھا جہاں بعض جگہوں پر سخت اور دھوپ کی تپش سے سیاہی مائل گھاس اور خاردار جھاڑیاں کھڑی تھیں، بعض جگہ صاف چٹیل بھی جس پر پاؤں پھسلتا تھا — آخر جیسے تیسے کرکے ہم ایک ہموار چپٹے قطعے پر پہنچ گئے، جہاں جابجا بڑے بھاری پتھر لگے ہوئے ہیں اور ہر ایک کوئی نہ کوئی شکل رکھتا تھا — کوئی جہاز سے ملتا جلتا تھا، تو کسی کی صورت ٹینک کی سی تھی — کوئی سانڈ تھا، تو کسی سورما کا سر تھا جیسے پوشکن کی مشہور نظم ''روسلان اور لیودمیلا'' میں روسلان نے کاٹ کر

''بھوک سے مر گیا ہوگا، ہے نا؟،، میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے لقمہ دیا —

''نہیں، یہ بات نہیں — رسی ڈال کر اسے کھینچ لیا... مگر میں جانوں —— اترا جا سکتا ہے —،،

''لاؤ، اتر کے دیکھیں!،،

''چلو، اتریں، فوراً!،، ہمت سے اس نے جواب دیا، اور میں سمجھ گیا کہ یہ سچ مچ تیار ہے —

''پھر کبھی آئندہ،، میں نے ویتکا سے گویا مذاق کیا، حالاں کہ میرے اندر کی حالت کچھ اور تھی —

''اچھا، ہم چلے... خوش رہو!،، ویتکا نے اندر خلا میں زور سے آواز لگائی اور ایک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی —

''خوش رہو!..،، اس بزرگ نے حلق کے نیچے کی آواز سے جواب دیا —

میرا جی چاہا کہ ابھی اور ٹھیروں اور بات کروں، لیکن ویتکا مجھے کھینچ کر اور آگے لے گئی —

ویتکا نے بتایا کہ ایک اور صدائے بازگشت ہے، جو شیشے کی طرح کھن کھن کرتی ہے — یہ آواز بہت ہی تنگ درے میں سے آتی ہے جو بڑے سے

جاتا رہا اور نیچے دیکھنا بہت آرام دہ معلوم ہوا —
کگارے سے باہر سر اور گردن نکال کر اس نے زور
سے آواز لگائی:

''ہو، ہو، ہو!...''

لمحے بھر کو خاموشی رہی، پھر موٹی سی بھرائی
ہوئی آواز نے اسی طرح جواب دیا:

''ہو، ہو، ہو!...''

اس آواز میں کوئی ڈرانے والی بات نہیں تھی،
اگرچہ اس میں زور بھی تھا اور گہرائی بھی — ظاہرا
اس گہرے غار کے اندر کوئی نیک دل بزرگ رہتے
تھے جو ہمیں ستانا نہیں چاہتے تھے —

ویتکا نے منھ نیچے ڈال کر پوچھا:

''آدم کے ساتھ کون تھا؟''

اس بزرگ نے ذرا سوچا اور پھر ہنس کر
جواب دیا:

''حوا!...''

ویتکا نیچے دیکھ کر مجھ سے کہنے لگی:

''جانتے ہو، آج تک کوئی ''بڑی رس'' سے
سمندر میں نہیں اترا ہے — ایک نے کوشش کی تھی،
وہ بیچ میں پہنچ کر پھنس گیا...''

بطن سے یہ زبردست دیوھیکل پتھریلی انگلی تراش کر الگ کی ہے، وہ اسے کوئی متناسب صورت نہ دے سکیں، اور انھوں نے سالم کی سالم پہاڑی میں ایسا ہولناک غار بنا دیا، تہہ میں دیو کے سے دانت گاڑ دئیے اور سمندر کو مجبور کیا کہ وہ ان کے پتھریلے کناروں کے درمیان اپنی نرم و نازک زبان پھراتا رہے — ہمارے ارد گرد اور نیچے جتنی چیزیں تھیں وہ عارضی اور کمزور اٹھان معلوم ہوتی تھی اور ان کے اندر کوئی ایسی چھپی ہوئی طاقت جھکولے دئیے جا رہی تھی جو انھیں پھر سے ترتیب دینے کے لئے بیقرار تھی... واقعہ یہ ہے کہ ''بڑی زین'' کے کگارے پر کھڑا ہوا میں اس وقت ایک ایسی اذیت اور ہیبت کی کیفیت میں مبتلا تھا، جس کا نام مجھے نہیں معلوم —

ویتکا اس پتھریلی چھت کے بالکل کنارے پر پیٹ کے بل لیٹ گئی اور مجھے بھی ھاتھ کا اشارہ کیا کہ آ جاؤ — میں بھی اس کے بازو میں سنگین چٹان پر لیٹ گیا، جو نہ گرم تھی، نہ سرد، یوں جھک کر نیچے دیکھنے سے وہ گہرے غار کا خوف

کے اوپر بین کرنےوالے نے اس میں آہ و بکا کی کیفیت پیدا کر دی۔

ہم سمندر کی طرف چل دیئے۔ تھوڑی دیر میں خود کو ایسے پتھریلے ٹکڑے پر پایا جو سمندر پر چھجے کی طرح آگے کو نکلا ہوا تھا۔ داھنے بائیں پہاڑیوں کی نوکیں اوپر کو اٹھی ہوئی اور نیچے ایک ایسا گہرا کھڈ جس میں اول تو میری آنکھوں کو خلا کے سوا کچھ سوجھا نہیں۔ اگر "شیطان کی انگلی" نام کی کھڑی چٹان سیدھی زمین کے اندر اتر گئی ہوتی تو کچھ اسی قسم کا ہولناک گہرا غار بن جاتا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے بہت گہرائی میں دیکھتا کیا ہوں کہ سیاہ روشنائی سا سمندر ان پتھریلے ٹکڑوں سے سر پٹک رہا ہے جو دیو کے لمبے دانتوں کی طرح اس سب طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ کوئی پرندہ پر پھیلائے ان بھیانک گہرائیوں میں یوں آہستہ منڈلائے جا رہا تھا جیسے بے حس و حرکت ہو گیا ہو۔

یوں لگا کہ یہاں ہر کوئی چیز ساکت رہ گئی ہے۔ وہ جیسے ایک طلسم، ہیولے یہ زمین کے

اس پکار کا جواب بھی تین الگ الگ آوازوں میں آیا...

میں نے شور مچایا، کچھ کہا اور بہت سے الفاظ سرگوشی کے انداز میں ادا کئے — لیکن وہ تینوں آوازیں ایک ایک لفظ واپس لوٹا دیتی تھیں — ایسا بھی ہوا کہ میں نے کہا اور بمشکل میرے کانوں تک اپنی آواز پہنچ سکی، مگر صدائے بازگشت نے وہ بھی واپس کر دئے — اب اگرچہ میں پہلے کے بھیانک خوف پر غالب آچکا تھا، تاہم وہ سرگوشی کے انداز میں جواب دینے والی آواز اب بھی ہر بار بدن میں لرزہ پیدا کرتی تھی اور کراہ میں جواب دینے والی آواز پر میرے دل کی دھڑکن میں فرق پڑتا تھا —

''اچھا، خدا حافظ!،، ویتکا نے کہا اور ''شیطان کی انگلی،، چٹان سے چل دی —

میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا لیکن کان کے اوپر سرگوشی کرنے والے نے پھر اپنی آواز سے زہر انڈیلا، سمندر سے آنے والی آواز نے پھر اس لفظ کو مذاق اڑانے کے لہجے میں ادا کیا اور پہاڑی

''لعنت!..،، چٹان کے اوپر سے جواب آیا—

ان دیکھی مخلوق میں سے ہر ایک کی آواز میں کوئی ڈراونی اور عجب نا ک خاصیت تھی— جو سرگوشی والی آواز تھی، اس میں ٹھہراؤ تھا لیکن ساتھ ہی در پردہ کوئی بڑا زہر بھرا تھا— سمندر کی طرف سے آنے والی آواز میں ٹھنڈا، بے مروتی کا باطن بن موجود تھا— چٹان کے اوپر سے آواز دینے والے کی آواز تنا رہی تھی کہ ہائے واویلا سنا رہا ہے، لیکن اس میں مکاری تھی—

''تمہیں کیا ہو گیا.. زور سے چیخ کر کچھ تو کہو!..،، ویتکا نے کہا

اور اس کا قہقہ بلاہ کرتے ہوئے کہیں کان کے پاس کھسر پھسر سی ہوئی: ''تمہیں کیا ہو گیا؟،، پھر سمندر کی طرف سے کسی نے مذاق اڑایا: ''زور سے چیخ کر!.. اور گویا روہانسی آواز میں حملہ پورا ہوا. ''کچھ تو کہو...،،

بڑی مشکل سے اپنے دل کا خوف دبائے ہوئے میں نے زور سے پکارا:

''سنے کورنیا!...

چند قدم پیچھے ہٹی اور دھیمے سے پکارا:
''سریوژا!''

''سریوژا...'' پھر دوبارہ میرے بالکل کان میں اس کی پتلی سی مذاق اڑانے والی آواز آئی، ایسے گویا ''شیطان کی انگلی'' چٹان کے اندر سے سیدھی کان میں آ رہی ہو—

میں چونک گیا اور چٹان کی تلی سے بے اختیار پیچھے ہٹ گیا— فوراً سمندر کی طرف سے بجتی ہوئی آواز اس کے جواب میں آئی، پھر وہی:

''سریوژا!..''

میرے پاؤں وہیں جم گئے، اور کہیں ''شیطان کی انگلی'' کے سرے سے جان لیوا گونج سنائی دی:

''سریوژا!..''

''لعنت ہو اس پر!..'' دبی گھٹی آواز میں میرے منہ سے نکلا—

''لعنت ہو اس پر!..'' بالکل کانوں کے اوپر کہیں سے وہی گونج ہوئی—

''لعنت ہو——و!..'' سمندر کی طرف سے آواز آئی—

بڑھتا جاتا تھا۔ جتنے میں ہم اس کے تاریک اور ٹیڑھے سائے میں پہنچے چٹان ہمارے سروں پر اسی کبھڑی نظر آنے لگی جیسے یہ "شیطان کی انگلی" نہیں ہے، بلکہ "شیطان کا مینارہ" ہے ۔۔۔ ویران، کالا سیہ اور ایسی کہ اس پر جانے کی ہمت نہ پڑے۔ گویا وینکا نے میرے اسی خیال کو پڑھ لیا اور اس کا جواب دیا:

"جانتے ہو، کیسے آدمیوں نے اس پر چڑھنے کی کوشش کی ۔۔۔ مگر کوئی آج تک اوپر پہنچ نہیں سکا۔ بہت سے گر کر مر گئے، کچھ نے ہاتھ پاؤں توڑ لیے... ہاں، ایک آدمی تھا، ایک فرانسیسی، وہ اوپر پہنچ گیا تھا..."

"کیسے پہنچ گیا.."

"پتہ نہیں کیسے اوپر جا پہنچا... مگر پھر اتر نہیں سکا، وہیں بھاگ ہو گئی اور بھوک سے مر گیا.... پھر سوچ کر بولی "مگر شاید اس نے کمال کیا.."

ہم اس تھوڑی چٹان کی جڑ تک پہنچے اور وہاں ایسی آواز سنی، جیسے ہنسنے لگی:

"لو، ہم آ گئے..."

چند قدم پیچھے ہٹی اور دھیمے سے پکارا:
''سریوژا!''

''سریوژا...'' پھر دوبارہ میرے بالکل کان میں اس کی پتلی سی مذاق اڑانے والی آواز آئی، ایسے گویا ''شیطان کی انگلی'' چٹان کے اندر سے سیدھی کان میں آ رہی ہو —

میں چونک گیا اور چٹان کی تلی سے بے اختیار پیچھے ہٹ گیا — فوراً سمندر کی طرف سے بجتی ہوئی آواز اس کے جواب میں آئی، پھر وہی:

''سریوژا!..''

میرے پاؤں وہیں جم گئے، اور کہیں ''شیطان کی انگلی'' کے سرے سے جان لیوا گونج سنائی دی:

''سریوژا!..''

''لعنت ہو اس پر!..'' دبی گھٹی آواز میں میرے منھ سے نکلا —

''لعنت ہو اس پر!..'' بالکل کانوں کے اوپر کہیں سے وہی گونج ہوئی —

''لعنت ہو — وا!..'' سمندر کی طرف سے آواز آئی —

بڑھتا جاتا تھا— جتنے میں ہم اس کے تاریک اور ٹھنڈے سائے میں پہنچے چٹان ہمارے سروں پر ایسی کھڑی نظر آنے لگی جیسے یہ ''شیطان کی انگلی،، نہیں ہے، بلکہ ''شیطان کا مینار،، ہے — ویران، گم سم اور ایسی کہ اس پر جانے کی ہمت نہ پڑے— گویا ویتکا نے میرے اندیشے پڑھ لئے اور ان کا جواب دیا:

''جانتے ہو، کتنے آدمیوں نے اس پر چڑھنے کی کوشش کی— مگر کوئی آج تک اوپر پہنچ نہیں سکا— بہت سے تو گرکر مرگئے، کچھ نے ہاتھ پاؤں توڑ لئے... ہاں، ایک آدمی تھا، ایک فرانسیسی، وہ اوپر پہنچ گیا تھا—،،

''کیسے پہنچ گیا؟،،

''بس، جیسے تیسے اوپر جا پہنچا... مگر پھر اتر نہیں سکا، وہیں پاگل ہو گیا اور بھوک سے مر گیا...،، پھر سوچ کر بولی ''مگر کیا اس نے کمال!،،

ہم اس کھڑی چٹان کی تلی تک پہنچے اور ویتکا اپنی آواز نیچی کرکے کہنے لگی:

''لو، بس آ گئے...،،

اخروٹ کے درخت نیچے والے اخروٹوں کی طرح گھنے نہیں تھے — ان میں سے بہت سے تو سوکھ کر ٹھنٹھ ہو چکے تھے — بعضوں کے پتے ننھے سے سیاہ چمکتے ہوئے بھونروں نے ایسے کھا لیے تھے کہ پتوں کے بجائے جالا رہ گیا تھا —

ویتکا کے ساتھ چلنے سے میں تنگ آ چکا تھا، کیوں کہ وہ تکلی جیسی ٹانگیں اچھالتی ہوئی تیز تیز چلی جا رہی تھی اور اس کے گھٹنے ذرا اندر کو دبے ہوئے تھے — اتنے میں ہم ایک صاف ستھری جگہ میں نکل آئے — یہاں نظروں کے سامنے ایک ڈھال تھی جس پر چھوٹی چھوٹی بھورے رنگ کی گھاس اگی ہوئی تھی اور اس کے پار سرمئی چٹان کھڑی تھی —

"اسے کہتے ہیں "شیطان کی انگلی!" ویتکا نے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے مجھے بتایا —

پتھروں کے اس سرمئی ستون کی طرف جو قدم ہم آگے دھرتے تھے، وہ ہماری نظروں کے سامنے اور اونچا ہوتا جاتا تھا، اور ہمیں ایسا لگا کہ جتنا ہم قریب ہوتے جاتے ہیں، وہ اس سے کہیں زیادہ

کتوں کے دانت ہم سے کوئی آدھے قدم پر
بھنبھوڑنے کے لئے بیقرار تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان
کی گدیوں پر کانٹے دار گھاس کی بال اور گردن میں
چیچڑیاں چمٹی ہوئی ہیں، جو گردن کا لہو پی کر
پھول گئی تھیں۔ بالوں کے گچھوں میں آنکھیں
صاف نظر نہیں آتی تھیں۔ تعجب کی بات یہ کہ
وہ اتنا حلق پھاڑ کر چیخے پھر بھی اندر مکین سے
انہیں چپ کرنے کوئی نہ نکلا۔ جب میں نے
اطمینان کر لیا کہ چاہے یہ کتنا ہی چیخیں چلائیں،
زنجیروں کو جھنجھوڑیں، لیکن ہم تک نہیں پہنچ
سکتے تو شرارت کی خوشی ہونے لگی۔ ہمارے اس
پیدل سفر میں جہاں پہاڑی چٹانیں اور غار ہوں،
جہاں آوازیں پراسرار سنائی دیتی ہوں، صرف اسی کی
کمی تھی کہ اژدہوں کا خوفناک پہرہ راستہ روکے
بیٹھا ہو۔ سو یہ کمی بھی پوری ہو گئی۔ دو
اژدہے موجود ہیں، جھبرے بالوںوالے، آنکھیں بالکل
بند اور حلق پھٹے ہوئے!

جس راستے سے ہم گزر رہے تھے وہ اب تنگ
ہوتے ہوتے ایک پیہ معلوم ہوتا تھا۔ یہاں

سڑک پر جا کر نکلے جہاں راستے پر ریت اس خوبی سے چھڑکی ہوئی تھی گویا شکر پھیلائی ہو۔ یہاں سے آگے چلے تو ایک چوڑی سی ہموار ڈھلان آئی جس پر جنگل کے رکھوالے کی چوکی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا چونے کے پلاسٹر کا مکان تھا جسے خوبانی کے گھنے درخت گھیرے کھڑے تھے۔

جب ہم اس مکان کے قریب پہنچے تو خاموشی کو دیوانہ وار بھونکنے نے توڑ دیا۔ دو بڑے قداور جھبرے کتے، جن کے سفید بال میلے کچیلے تھے، اوپر سے لٹکے ہوئے ایک تار میں زنجیر سے بندھے تھے، وہ زنجیروں کو جھٹکا دینے لگے۔ اور اس زور سے ہم پر لپکے کہ زنجیر کی ڈھیل ختم ہونے پر ان کے گلے گھٹنے لگے، پاؤں زمین سے اوپر اٹھ گئے اور لال زبانیں حلق سے باہر نکل آئیں۔ زنجیروں کو انہوں نے بار بار جھنجھوڑا، ہم پر جھپٹنے کی کئی کوششیں کیں اور آخر تھک کر کر گئے اور ہانپنے لگے۔

"ڈرو نہیں، ہم تک ان کا پنجہ نہیں پہنچ سکتا!" ویتکا نے اطمینان سے کہا۔

کر لڑکی نے جواب دیا — "نام میرا بلاشبہ ہے — وکٹوریتا — لیکن سب وینکا، وینکا کہتے ہیں — جیسے لڑکی نہیں، لڑکا ہوں وکٹر نام کا — "

"تو وینکا کہنے کی کیا ضرورت؟ وِیکا کہہ سکتے ہیں — لڑکی کے لئے وِیکا ٹھیک ہے — "

"ویکا — ارے واہ، تیوا!" پھر وہ مسکرائی اور وہ تیز نوکیلے دانت نظر آئے —

"کیوں، کیا ہے؟" وِیکا، یعنی جنگلی مٹر — "

"مگر ان جنگلی مٹروں کو چوہیائی مٹر بھی کہتے ہیں اور چوہیاں مجھے بالکل برداشت نہیں ہیں!"

"اچھا تو جیسا، وینکا سہی، اور میرا نام ہے سریوژا — کیا ابھی اور دور جانا ہے؟"

"ابھی سے سانس پھول گیا؟ جنگل کے رکھوالے کی جھونپڑی ہے — اس سے نکل کر جائیں گے تب "بڑی ریس" نظر آئے گی..."

لیکن دیر تک ہم چکر کاٹتے چلے گئے اور ان اخروٹوں میں سے ہو کر گزرے جن میں سے سوندھی اور شہد جیسی باس آ رہی تھی — آخر میں کھلی

ہم دونوں کافی فاصلہ طے کر چکے تھے کہ مجھے ایک دم خیال آیا، لڑکی کا نام تک تو معلوم نہیں کیا —

''اے سنو!،، میں نے پیلے اور نیلے دھاری دار جانگیے کے پیچھے زور سے آواز دی — وہ درختوں کے بیچ تتلی کی طرح اڑی چلی جا رہی تھی — ''اے، نام کیا ہے تمہارا؟،،

وہ تھم گئی اور میں قدم بڑھا کر اس کے برابر پہنچ گیا — یہاں جنگل چھدرا تھا، اور درختوں کے درمیان خلیج اور گاؤں دکھائی دیتا تھا، گاؤں کیا تھا، تھوڑے سے چھوٹے چھوٹے گھروندے تھے — بہت لمبا چوڑا اور گمبھیر سمندر افق کے کنارے تک پانی سے بھرا ہوا تھا اور اس کے بعد دھواں دھواں، نیلے دھندلکے پھیلتے چلے گئے تھے جو آسمان کی طرف پرت پرت چڑھے ہوئے تھے — کھاڑی میں سمندر بلی کے بچے کی طرح سکڑا سمٹا ہوا تھا — کسی لمحے ساحل پر ایک سفید فیتہ بن کر رہ جاتا اور کسی لمحے ساحل کو چاٹ جاتا اور پھر سے غائب ہو جاتا —

''پتہ نہیں، تم سے کہوں کیسے،، سوچ سوچ

شدت کا سخت مقابلہ کر رہی تھی — جب سگریٹ
کے دھوئیں جیسا ہلکا بادل دھوپ کو کاٹتا ہوا،
بجری کٹی ہوئی سڑکوں کو، سفیدی کی ہوئی دیواروں
کو اور کھپریل کی چھتوں کو جنوب کی تیز آنچ
سے صاف کرتا ہوا گزر جاتا تھا تو سارے منظر پر
وہ برے آثار نظر آنے لگتے تھے جو خراب موسم سے
پہلے نظر آتے ہیں، اور سمندر کا خنک جھونکا ایکدم
اور تیز ہو جاتا تھا —

''بڑی زین،، نام کے ٹھکانے کو جو پگڈنڈی
گئی تھی، وہ شروع میں ٹیلوں کے اندر سے پیچ کھاتی
ہوئی جاتی تھی، اس کے بعد ایک دم سیدھی چڑھائی
تھی جو اخروٹ کے خوشودار گھنے باغیچے میں سے
گزرتی تھی — ایک مقام پر پہنچ کر ایک کم گہرے
پتھریلے گڑھے نے راستے کو توڑ رکھا تھا — یہ
گڑھا ان طوفانی نالوں میں سے کسی ایک کی
آماجگاہ تھا جو بارش کے بعد پہاڑ سے گونجتے، چھل
چھل کرتے چاروں طرف اتر پڑتے ہیں لیکن انہی
بارش اخروٹ کی پتیوں پر رکنے نہیں پاتی کہ وہ
خشک ہوکر رہ جاتے ہیں —

''پریمورسکایا سڑک پر، بلغاریوں کے ہاں ٹھیرا ہوں — ''
''ہم لوگ تراکانیخا کے ہاں ہیں — ''
''اچھا، تو یہ بات ہے— میں نے تمھاری اماں کو دیکھا ہے — لمبی سی ہیں، کالے کالے بال ہیں، ہے نا؟''
''اوھو— میرا تو اپنی اماں کو دیکھنا ہی نہیں ہوتا — ''
''کیوں؟''
''انھیں وقت نہیں ملتا، ناچ کا شوق ہے...''
لڑکی نے سن کے سے بال جھٹک دئے جو سوکھ چکے تھے — ''چلو، ایک آخری غوطہ لگا لیں!''
وہ ایک دم کود کر کھڑی ہوگئی — سارا بدن ریت میں لھسا ہوا تھا — سمندر کی طرف ایسے پھرتی سے دوڑی کہ چھوٹی چھوٹی گلابی ایڑیاں چمکتی دکھائی دیں...

صبح کا وقت تھا — دھوپ بھری تھی — ہوا پرسکون تھی — گرمی بھی نہیں تھی — طوفان کے بعد سمندر کی طرف سے چلنےوالی خنک ہوا دھوپ کی

''[illegible] ہو ..''

''[illegible]

سی ہو گئی [illegible]

[illegible] ایک [illegible]

[illegible] ایک [illegible]

ایک [illegible]

[illegible] اور بھی ..''

''[illegible]

ہو کر اس کی بات [illegible]

[illegible]

ہو گئی

''[illegible]''

''[illegible]''

''[illegible]

[illegible]

[illegible] ..''

[illegible] ..''

[illegible]

[illegible]

''ہاں، سچ؟''

''قسم سے! سڑکوں پر دوڑا پھرتا تھا، اور ایک ایک سائیکل والے سے پوچھتا رہتا تھا: ''کیوں جی، آپ کے پاس کون سی سائیکل ہے؟'' کوئی کہے: ''ڈوکس'' کوئی بتائے ''لاثویلا'' بعضوں نے ''اوپل'' بتائی — خیر، یہ سب تو تھیں میرے پاس — ایک ''رایل انفیلڈ'' نہیں تھی....'' میں نے جلدی سے کہا کیوں کہ اندیشہ تھا، یہ بیچ میں کوئی جملہ کس دے گی اور میں بات پوری نہیں کر پاؤں گا، لیکن وہ سنجیدگی سے، شوق سے، سنتی رہی، اور مٹھیوں میں ریت بھربھر کر انگلیوں میں سے چھاننا بھی بند کر دیا — ''روزانہ میں لیوبانکہ چوک پر جاتا رہا — ایک بار تو ایسا ہوا کہ جا رہا تھا کہ ٹرام کے نیچے آتے آتے بچا — لیکن آخر ''رایل انفیلڈ'' بھی ہاتھ آ گئی! معلوم ہے، اس پر ہنسلی مارکہ لگا ہوتا ہے اور لاطینی زبان کا بڑا سا ''R'' بنا ہوتا ہے....''

''خیر تو تم اچھے رہے!'' وہ لڑکی مسکرا دی اور اس کا بڑا سا دہانہ کھل گیا — ''ایک راز کی بات ہے — میں خود بھی چیزیں جمع کرتی ہوں....''

ایک چھلے کی شکل کی چھوٹی پتھری تھی— ایک پتھری میرے اس پورے خزانے کا سرتاج سمجھئے، یہ دھویں کا سا پکھراج تھا، دھویں کی ہلکی سی لکیر، جو دھندلے شیشے میں نظر آ رہی ہو—

''کیا آج کے آج میں سب جمع کیا ہے؟''

''کیا کہتی ہو؟ اتنی ساری مدت میں جمع ہوا ہے!..''

''تب تو کچھ نہیں ہوا—''

''خود ذرا جمع کرکے دیکھو...''

''مجھے کیا بڑی ہے!'' اس نے اپنا دبلا پتلا، کھال ادھڑا ہوا شانہ جھٹک دیا— ''بھلا سارے دن آدمی گرمی میں تپتا پھرے، ان واھیات پتھریوں کی تلاش میں!..''

''پگلی ہو، تم'' میں نے کہا ''ننگ دھڑنگ پگلی کہیں کی!''

''تم خود پگلے ہو!..'' وہ بولی ''اور میں جانوں، ڈاک کے ٹکٹ بھی جمع کرتے ہوگے؟''

''ہاں تو پھر!'' میں نے چیلنج کے انداز میں جواب دیا—

اندر کی جیب سے دفتی کا سگریٹ کیس نکالا اور اس آنسو کو اٹھا کر اپنے خزانے میں رکھ لیا۔

''ذرا دکھانا، دکھانا تو مجھے!..''

اس چھوٹی سی لڑکی نے بالوں کی بھیگی ہوئی لٹوں کو منھ پر سے ہٹایا اور دانتوں کے بیچ میں اڑس لیا۔ بالوں میں سے جو چہرہ نظر آیا وہ باریک ناک نقشے کا تھا اور اس پر حیرت پڑی تھی۔ سرمائی بلی کی سی آنکھیں تھیں، اٹھی ہوئی ناک تھی اور بہت بڑا دہانہ۔ وہ میرے ڈبے میں جمع کی ہوئی پتھریوں وغیرہ کو دیکھنے لگی۔

روئی کی ہلکی سی تہہ بچھی تھی اور اس پر ایک چھوٹا سا بیضاوی شکل کا عقیق تھا، شفاف اور گلابی، اس سے ذرا بڑا ایک اور عقیق بھی تھا جس پر سمندر نے اپنی کاریگری نہیں دکھائی تھی اور جو روشنی کا کوئی اثر قبول نہیں کرتا تھا۔ اور بہت سی چھوٹی چھوٹی پتھریاں تھیں جن پر مختلف قسم کے نقش ابھرے ہوئے تھے، دو پتھر جیسے بےجان قابل دید ہوئے: ایک کی شکل جیلی فش سے ملتی تھی، دوسرے پر کیکڑے کا سا نقش تھا!

فرش پر جا بجا سبزی مائل نیلے رنگ کی گول سڈول پتھریاں پڑی رہ گئی تھیں، شکر کی گولیوں جیسے، کانچ کے ٹکڑے جیسے، خوب چوسی ہوئی مصری کی ڈلی ہو، مردہ کیکڑے، سڑا ہوا سمندری جھاڑ جھنکاڑ، جو ریت پر بکھرے رہ گئے تھے، ان سے آیوڈین کی سی تیز بدبو آرہی تھی — مجھے معلوم تھا کہ جب طوفانی لہریں اترتی ہیں تو کنارے پر ایک سے ایک سڈول پتھریاں چھوڑ جاتی ہیں، اسی لئے میں اطمینان سے ایک ایک قدم پر ریت کے فرش کو طے کر رہا تھا اور پانی کی تازہ دھوئی ہوئی پتھریاں چنتا پھر رہا تھا —

''اے — میرے جانگیے پر کیوں بیٹھے جا رہے ہو؟،، کسی کی پتلی سی آواز سنائی دی —

میں نے نظر اٹھا کر دیکھا — میرے پاس ایک ننگ دھڑنگ چھوکری کھڑی تھی، ہاتھ پاؤں سوکھے، ہڈیوں کے ڈھانچے اور پسلیاں اوپر کو نکلی ہوئی — اس کے لمبے لمبے گیلے بال منہ پر پڑے ہوئے تھے اور پانی سارے بدن سے ٹپک رہا تھا — بدن پر دھوپ کی کلونس کا کوئی اثر نہیں تھا — سردی کے مارے

سینے گوریا، سمندر کا ساحل، دو پہر کے وقت کا سناٹا، ایک چھوٹی سی لڑکی سمندر سے نکلی... اب سے کچھ کم تیس برس پہلے کی بات ہے —

میں سنسان گھاٹ پر کنکر پتھر کی تلاش میں تھا — طوفان آکر گزر چکا تھا — طوفانی لہروں نے سر مار مار کر ساحل کو وہاں تک دھو ڈالا تھا جہاں سینی‌ٹوریم کی سفید دیواریں کھڑی تھیں — اب سمندر پرسکون تھا اور اپنی حدپر واپس جاچکا تھا — نیلگوں کتھئی رنگ کی ریت دور دور تک پھیلی پڑی تھی اور پتھریلی روڑی کی لمبی ڈھیریاں ریت اور ساحل کے درمیان حد فاصل بن گئی تھیں — لہریں جہاں سے اتری تھیں وہاں ریت اتنی سخت اور پنیلی تھی کہ قدموں کے نشان تک نہیں ٹھیرتے تھے — ہموار

یوری باگیین ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے۔ آج کل کے سب سے مقبول افسانہ نگاروں میں ان کا نام آتا ہے۔ اب تک ۲۰ سے زیادہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ بعض کہانیاں ہندستانی زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں، مثلاً ''پائپ''، ''سردیوں کے شاہ بلوط''۔

یہ کہانی ''پلٹی ہوئی آوازیں'' یوری ناگیبن کی نئی تحریروں میں سے چنی گئی ہے۔

ناگیسین

پلٹتی ہوئی آوازیں

·ٹھیکی ہوئی ٹانگوں کو اس نے پھیلا لیا، آرام دے لیا — اس کے بعد لوہے کی الماری کے خانوں پر نوٹوں کی گڈیاں لگا دیں، میز پر تنخواہوں کی فہرستیں رکھ لیں اور لال پنسل رکھ دی کہ جو جو تنخواہ لیتا جائے اس کے نام کے آگے ''چڑیا،، بناتی جائے —

برامدے میں دھکا پیل اور شور کے ساتھ لائن لگ گئی — سیما نے چھوٹی سی کھڑکی کھولی اور روکھے پن سے آواز لگائی:

''دھکم دھکا مت کرو — ایک ایک کو تنخواہ مل جائے گی — ،،

لادکر بیدل پہنچ گئی— یہاں تعمیری کام پر بڑے بڑے جانبازی کے کارنامے روزمرہ کی بات ہوتے ہیں، سیما کا یہ کارنامہ ایک عام اور ہونے والی بات معلوم ہوتا تھا— وہ سوچنے لگی: یہی ہونا بھی چاہئے— زندگی بہت ٹیڑھی کھیر ہے! یہ بھی اچھا ہی ہے— اچھا ہے کہ لوگوں سے واہ وا وصول کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے— اس طرح جینے میں اور ہی لطف ہے— میخائل شادی‌شدہ نکلا، مگر میں کوئی اس پر نسوے تھوڑی بہاؤں گی— اگرچہ ٹھیک کر چور ہو چکی ہوں لیکن لوگوں کو تنخواہ تو بانٹنی ہے— رات تک کام کرنا ہوگا— اور یہ بڑے میاں سدر ایلچ گزارنے کے مہروں کو کیتا کیٹ بجانے رہیں گے، اس وقت تک حساب کرتے رہیں گے جب تک جمع خرچ کی کوڑی کوڑی برابر نہیں نکلے گی— میرا جاجی جو ابھی میری تعریف کے پل باندھ رہی تھی، بھول بیال جائے گی اور پھر روز صبح سویرے منہ ہاتھ دھونے کے نیکانے پر بڑبڑایا کرے گی... سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے!

سیما ذرا دیر گرمی میں آرام سے بیٹھی رہی،

کینٹا کھٹ گن تارے پر حساب کر رہے تھے — انہوں نے سر اٹھائے بغیر سوال کیا:

''اتنی بڑی رقم لےکر چل پڑنے کا فیصلہ کر ہی لیا تم نے؟..''

''ایک شخص پہچاننے کو میرے ساتھ تھا —''

''بھروسے قابل؟''

''ہاں، ایکسکیوبٹر چلانے والا...''

چیف اکاؤنٹنٹ سیدر ایلیچ نے اطمینان کے ساتھ سر ہلا دیا اور آگے حساب میں جٹنے سے پہلے بولے:

''تمہاری بہن نے ناک میں دم کر رکھا ہے: ۳ کروڑ دفعہ ٹیلفون کر چکی ہے، پوچھتی جاتی ہے: سیما پہنچ گئی؟ پہنچ گئی؟''

اوپر کا کوٹ وغیرہ اتارے بغیر ہی سیما نے جگ سے پانی کا ایک گلاس لیا اور غٹاغٹ چڑھا گئی، پھر روپیہ بانٹنے کی کھڑکی والے کٹھرے میں پہنچ گئی، وہاں پہنچ کر بڑا کوٹ اتارا اور برف سے گیلے چہرے کو پوڈر لگا کر خشک کیا —

سیما کو اس کی شکایت نہیں تھی کہ اتنے لوگوں میں ایک نے بھی تعجب نہ کیا کہ وہ رقم

لادکر بیدل پہنچ گئی— یہاں تعمیری کام پر بڑے
بڑے جانبازی کے کارنامے روزمرہ کی بات ہوتے ہیں
سیما کا یہ کارنامہ ایک عام اور ہونے والی بات معلوم
ہوتا تھا— وہ سوچنے لگی: یہی ہونا بھی چاہئے—
زندگی بہت ٹیڑھی کھیر ہے! یہ بھی اچھا ہی ہے—
اچھا ہے کہ لوگوں سے واہ وا وصول کرنا کوئی
ہنسی کھیل نہیں ہے— اس طرح جینے میں اور
ہی لطف ہے— میخائل شادی‌شدہ نکلا، مگر میں
کوئی اس پر ٹسوے تھوڑئی بہاؤں گی— اگرچہ تھک
کر چور ہو چکی ہوں لیکن لوگوں کو تنخواہ تو
بانٹنی ہے— رات گئے تک کام کرنا ہوگا— اور یہ
بڑے میاں سیدر ایلیچ گن‌تارے کے مہروں کو
کھٹاکھٹ بجاتے رہیں گے، اس وقت تک حساب کرتے
رہیں گے جب تک جمع خرچ کی کوڑی کوڑی برابر
نہیں نکلے گی— لیزا چاچی جو ابھی میری تعریف
کے پل باندھ رہی تھی، بھول بھال جائے گی اور پھر
روز صبح سویرے منھ ہاتھ دھونے کے ٹھکانے پر بڑبڑایا
کرے گی... سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے!
سیما ذرا دیر گرمی میں آرام سے بیٹھی رہی،

[illegible] کر رہے تھے – انہوں
[illegible]:
[illegible] کا فیصلہ کر
[illegible]
[illegible] کو میرے ساتھ تھا –،،
[illegible]
[illegible] چلانے والا...،،
[illegible] اطمینان کے ساتھ
[illegible] سے پہلے بولے:
[illegible] دہ کر رکھا ہے:
[illegible] جگ ہے، پوچھی جاتی ہے:
[illegible] گئی؟،،

[illegible] اتارے بغیر ہی میا نے
[illegible] ایک گلاس لیا اور غٹاغٹ چڑھا
گئی۔ [illegible] کی کھڑکی والے کٹہرے میں
[illegible] گئی۔ [illegible] کر بڑا کوٹ اتارا اور برف
[illegible] لگ کر خشک کیا –
[illegible] کی شکایت نہیں تھی کہ اتنے
[illegible] ایک نے بھی تعجب نہ کیا کہ وہ رقم

اور بندوبست کے دفتر کی طرف ہولی — دفتر کے پا
جو بیرکیں تھیں، ان میں سے مزدوروں نے سیما کو
آتے دیکھ لیا اور وہ دوڑ لئے اور چلتے میں روئی کے
کوٹ پہنتے جاتے تھے — کوئی اور وقت ہوتا تو
سیما کو اس بات کی خوشی ہوتی کہ دیکھو، اتنے
سارے لوگوں کو میری ضرورت ہے — لیکن فی الحال
وہ شفقت کے جذبے سے صرف اتنا سوچ سکی: ”مزدوروں
کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا —“

دروازے کی سیڑھی پر، سیما نے دیکھا کہ لیزا
چاچی موجود ہے اور برامدے میں داخل ہوتے وقت
اس کے کان میں آواز پڑی — بڑی بی کسی عورت کو
دھیمی آواز میں بڑے زوروں سے قائل کر رہی تھیں:
”دیکھو، میں جو تم سے کہتی تھی، وہ پیدل
پہنچ جائے گی، کہا تھا نا! کیسا ہی طوفان ہو،
کیا حقیقت رکھتا ہے! میری بیرک میں سب ایسی
ہی بلا کی چھوکریاں ہیں، ان کے ساتھ تو رہتے
بھی ڈر لگے آدمی کو!“

دفتر کے اندر پہنچ کر سیما نے تھیلا میز پر
کھ دیا — بے مروت سیدر ایلیچ اب بھی ویسے ہی

ھوئی انتشار میں بیٹھی ہے — ذرا یہاں سما لوں، پھر انہیں لینے جانا ہے —''

''اچ — چھا...'' سما نے یہ لفظ کھینچ کر کہا، اور اس اندیشے سے کہ کہیں یہ شخص میرے دل کا راز نہ بھانپ جائے، اس نے جلدی سے اگلا جملہ کہا ''ایکسکیوٹر پر کام کرنے والے کو تو ایک آدھ کمرہ دینا ہی ہوگا —''

بندوبست کے دفتر سے چند قدم پر وہ دونوں رک گئے —

''لیجئے، اپنا خزانہ سنبھالئے، خزانچی جی!'' میخائل نے کہا ''کہیں کچھ اور خیال نہ آ جائے لوگوں کے دل میں — بہر حال روپے کا معاملہ ہے... اور یہ مفلر میں آپ کے گلے سے خود اتارے لیتا ہوں: میری بیوی میں رقابت کا جذبہ بہت تیز ہے —''

سما مسکرا دی اور کہنی موڑ کر اس نے تندی سے تھیلا لٹکا لیا —

''خدا حافظ، شکریہ آپ کا!''

''نہیں، بھلا شکریے کی کیا بات ہے —''

سب نے خاموشی کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا

رها هوں — نام میخائل — خاندانی نام، اگرچہ ذرا بےتکا سا ہے، لیکن ہے مزےدار — مجھے بےچینکن * کہتے ہیں — کہئے آپ کو بھنی ہوئی کلیجی پسند ہے؟"

"پسند ہے —"

"یہ بات ہوئی!"

"ایکسکیویٹر چلاتا ہے یہ!" سیما نے اپنے جی میں سوچا — "میں یہ حساب کتاب کا چکر چھوڑکر چل دوں گی اور اسی کے ساتھ مشین پر کام کیا کروں گی —"

"آپ کے ہاں رہنے سہنے کا کیسا انتظام ہے؟" میخائل نے پوچھا —

"مزدوروں کے ہوسٹل میں چارپائی مل جائے گی —"

"اور اگر کنور گرہستی کا ساتھ ہو، تب؟"

"کیا شادی کرنے کا ارادہ ہے؟"

"ارادہ کیا معنی... شادی کو ڈھائی سال ہو گئے — بیوی وہاں شہر کے اسٹیشن پر بچے کو لئے

---

* بےچین معنی کلیجی — (مترجم)

لمبائی چوڑائی مس پھیلی ہوئی تھی، رات کی روشنیاں ہو رہی تھیں —

اس نوجوان نے سگریٹ ختم کرنے کے بعد دور پھینک دی — برف کی ڈھیری میں غائب ہونے سے پہلے سگریٹ کے ٹرے سے ہوا نے ایک بڑی سی چنگاری پیدا کی اور چنگاری کو اڑا کر برف کے بگولے میں گھماتی ہوئی لے گئی — سیما کو ایک دم اندیشہ ہوا کہ بس اب جدا ہونا ہے اور یہ اجنبی بھی لوگوں کے درمیان اسی طرح گم ہو جائےگا جیسے یہ چھوٹی سی چنگاری برفیلے جھونکوں میں گم ہوئی ہے —

''کس کی جان کو دعا دوں گی مس؟'' سیما نے بےاحتیاطی سے سوال کر ہی لیا تاکہ وہ بھانپ نہ جائے کہ یہ عورت جی جان سے جاننا چاہتی ہے کہ وہ کون ہے، کیا اتہ پتہ ہے —

''میں آپ کے ہاں تعمیری کام پورا کرانے آیا ہوں'' اس نے بھی ویسے ہی لہجے مس جواب دیا — ''میرا پیشہ ایکسکیویٹر سے زمین کی کھدائی کرنا ہے — انچارج کو اپنے آنے کی اطلاع دینے جا

دریا کے بیچ میں پہنچ گئے، تب انھیں برف صاف کرنےوالا ٹریکٹر ملا — وہ برف ہٹاتا ہوا، اپنے پیچھے زمین پر دندانے بناتا ہوا اور دونوں طرف برف کی ڈھیریاں لگاتا ہوا چلا آ رہا تھا —

''اتنی دیر کیوں کردی؟،، سیما ڈرائیور پر چیخ پڑی —

اس نے شیشے لگی ہوئی کیبن کا پٹ کھولا اور افسوس کے ساتھ ھاتھ ھلا دیا:

''خدا غارت کرے، اس کم بخت کا پرزہ ٹوٹ گیا تھا — سوچا، رات وھیں کاٹنی پڑے گی، لیکن پھر کام چلا لیا —،،

اندھیرا تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا — برف کا طوفان ھلکا ہو چلا تھا، اور اس کے اندر سے صاف آسمان کی جھلکیاں نظر آنے لگی تھیں — طوفان کی شدت ختم ہو رھی تھی: لوھے کے شہتیروں کے زنگ‌آلود کناروں نے، جو برف کے اوپر اٹھے ہوئے تھے، طوفان کے تھپیڑوں کو دھیما کر دیا تھا — نشیب کی گہرائی میں سے نکلتے ہوئے انھیں بھاری لاریوں کی ھیبت‌ناک دھڑا دھڑ سنائی دی — بستی میں، جو ایک ٹیلے کی

سیما اپنی ساوتی روکھے پن کو قائم نہیں رکھ سکی اور ہنس پڑی —

ایک مدت سے اس نے کسی سے بوں بے تکلفی کے ساتھ بات نہیں کی تھی- اپنے دل میں اعتراف کرنے لگی: ''ھاں، واقعی، دنیا میں ایسے بھی لوگ ھیں!..،، اس کا جی چاھا کہ اس شخص سے کچھ پوچھ کچھ تو کرے، کون ھے، کہاں سے آیا ھے، لیکن ھمت نہیں پڑی اس خیال سے کہ کبھی وہ ایسا ویسا سوچنے لگے — اس انتظار میں کہ خود ھی بول دےگا، سیما کو یہ سوجھی کہ اجنبی میں کوئی وہ چیز ھے جو لیبا کی یاد دلاتی ھے — ممکن ھے لیبا سے اس کی واقعی کوئی مشابہت نہ ھو لیکن سیما کو اس کی ذات سے جو دلچسپی پیدا ھوئی وہ خود اپنی نظروں میں اس کا جواز ڈھونڈھ رھی تھی — آخر وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ یہی وہ آدمی ھے جس سے ملاقات کا ایسے زمانے سے دل کو انتظار تھا — اسے یاد آیا کہ جب اس نوجوان نے اپنا ماتھا رومال سے پونچھا تھا تو رومال صاف نہیں تھا — اچھا تو یہ بات ھوئی: ''یہ بیاھا ھے!،،

''لمبے ڈگ بھرئیے، خزانچی جی! مزے میں
چل رہی ہیں آپ تو! کوئی اکاؤنٹ کے دفتر میں
آتشدان کے سامنے سنکائی ہو رہی ہے کیا؟''
اس نے اپنے گلے سے مفلر نکال لیا، اسے سیما
کی گردن میں لپیٹ دیا اور اسی لپیٹ میں کوٹ کا
کالر بھی لے لیا۔ مذاق میں بولا:
''عارضی دیا ہے!''
جلدی جلدی قدم اٹھانے سے سیما کا سانس چڑھ
گیا، مگر وہ نوجوان جلدی مچائے جا رہا تھا۔
''میری پیٹھ پر ٹھوکے مت دئے جائیے!'' سیما
نے خفگی سے کہا، وہ رک گئی اور ھانپنے لگی۔
''میں جانوں، اب تو بدن میں حرارت آ گئی
ہے'' اس نے چھیڑا ''یہاں پر معلوم ہوتا ہے کہ
خزانچی لوگ بڑے نک چڑھے ہوتے ہیں۔ ایک
روبل کی ریزگاری تو مل جاتی ہوگی آپ کے یہاں؟
یا وہی طریقہ ہے سب کا سا، کہ روبل بھنانا چاہو
تو جواب ملے گا، ریزگاری نہیں ہے!''
''غیر کی ریزگاری مجھے نہیں چاہئے! جتنی
ضرورت ہے میں اپنی محنت سے کما لیتی ہوں...''

کسی کے مضبوط ھاتھوں نے سیما کو بازو پکڑ کر اٹھایا اور قدموں پر کھڑا کر دیا — اس نے پپوٹے مل کر کھولے، دیکھا کہ سامنے وھی پوستین کے کوٹ والا نوجوان کھڑا ھے — نقدی کا تھیلا اب بھی اس کے شانوں پر کسا ھوا تھا — اس کا گھبراھٹ اور غصے کا چہرہ سیما کو اس وقت پیارا اور چھبتا معلوم ھوا —

''اوف، کہاں پھنسی پڑی ھیں آپ! مشکل سے سراغ ملا —''

''میں — میں راستہ بھول گئی تھی...''

''کہا تو تھا کہ میرے پیچھے پیچھے چلی آئیے — پالا تو نہیں مار گیا؟ تو مجھی پر ٹک جائیے، اور چلتے ھیں —''

''نہیں، خود میں...''

''میں کے گلے پر چھری — چلئے، قدم بڑھائیے — حرارت آ جائے گی!''

اس بے بے تکلفی سے سیما کو ٹھوکا دے دیا اور وہ دو چار قدم یوں ھی لڑھک گئی — لیکن یہ بھی اسے ناکافی معلوم ھوا، اور وہ جلدی مچانے لگا:

لیکن گھٹنوں میں دم نہیں رہا تھا — آخر سیما رہ گئی، ہوا کے رخ پر اس نے پیٹھ کر لی اور دستانوں کے اندر سے باری باری گھٹنے ملنے لگی —

گھٹنے درد کرنے لگے تھے، گرم لہر ٹانگوں میں دوڑ گئی — خوش ہوکر سیما پھر اس طرف مڑی جدھر وہ شخص جا رہا تھا لیکن اب وہ نظروں سے اوجھل تھا اور کہیں سفید دھند میں غائب ہو چکا تھا —

برفیلے جھونکے نے سیٹی بجا کر گویا اس کا مذاق اڑایا، اور وہ دھندلے نشان بھی میٹ دئے جو اس نوجوان کے نمدے کے جوتوں سے برف پر نظر آ رہے تھے — سیما نے گھوم کر سب طرف دیکھا لیکن چاروں طرف برفیلے بگولے طیش میں بل کھا رہے تھے — برف ہوا میں لمبی چٹیوں کی طرح اٹھتا تھا اور ٹیلوں، چڑھائیوں اور اٹھانوں پر بگولے بنانے لگتا تھا — طوفان، طوفان، طوفان، بے انتہا، بے پناہ —

٥

سیما نے دوڑنا چاہا — آنکھوں میں برف کے گالے آپڑے اور پلک جھپکتے میں آنسو بن گئے — وہ

اس نے جھجک کر وہ بوجھ اٹھا لیا اور اپنے کندھے میں لٹکا لیا —

سما کا جی چاہا کہ چیخ مار کر کہے کہ یہ رقم سرکاری ہے، غیر آدمی کے حوالے کسی طرح نہیں کی جا سکتی، لیکن وہ اجنبی اس کو تسلی دینے کے انداز میں مسکرا دیا یعنی فکر مت کرو، سب ٹھیک ہے، اور تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا — سما اچھل کر کھڑی ہوئی اور اس کے پیچھے دوڑنے لگی —

ہوا اور تیز ہو گئی: جھونکے اس زور کے تھے کہ آدمی کو اٹھا کر پھینک دیں — سما نے چلتے میں ہاتھوں سے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر دیکھا — موزے اور موزہ پوش پر برف کی تہہ چڑھ گئی تھی — تب اسے یاد آیا کہ جب وہ پہلے کے بند ٹھیک کرنے میں لگی ہوئی تھی تو گھٹنے برف میں ٹکا لئے تھے — برف بدن سے چپک گیا، پھر پگھلا اور پگھلتے ہی سردی کے مارے ٹانگوں پر جم گیا اور اب گھٹنوں کی چپنوں پر برف کی تہہ چڑھی ہوئی تھی —

وہ برابر اس کوشش میں تھی کہ نوجوان نظر سے اوجھل نہ ہونے پائے اور چلنے میں گھٹنے ملتی رہی —

سنائی دیا کہ پیٹھ پر کسے ہوئے تھیلے کی پیٹی تڑاق سے ٹوٹ گئی، اور کمر کا بوجھ ایک دم تھپ تھپ کرنے لگا بلکہ کچھ بوجھل ہو گیا —

سیما کے دماغ کو جیسے گرمی چڑھ گئی — اس نے تھیلے کو جھٹکا دیا، اس میں پچاس روبل کی ایک گڈی جو نکل کر گر گئی تھی، پھر ٹھونس دی، اور اس کے بند باندھنے لگی — تھیلے کا بند پالا پڑنے سے سخت ہو گیا تھا اور سردی میں اکڑی ہوئی انگلیوں میں سے اس کے سخت سرے نکل نکل جاتے تھے — گرہ لگانے کی گھبراہٹ میں وہ اپنے ہم‌سفر کے بارے میں بالکل بھول بھال گئی — اتنے میں سر پر اس کی آواز سنائی دی:

''اوہو، روبیہ ہی روپیہ ہے! صاف نظر آتا ہے کہ خزانچی ہو!''

پچھلے اندیشوں نے پھر سیما کو گھیر لیا — وہ بھی اسی کے پاس گھٹنوں پر جھک گیا — خاموشی سے اس نے ٹوٹے ہوئے بند کو تھاما، ہوشیاری سے اس میں گرہ لگا دی اور بندوں کو خوب تان کر دیکھ لیا — سیما نے ہاتھ بڑھایا کہ اب اپنا تھیلا سنبھال لے لیکن

یہ تیبی کہ اس ڈکیت سے آنکھیں چار کرے اور اس کا حوصلہ پست کردے—

''گالوں کو مل لیجئے ، اور آپ کی ناک بھی ایک طرف سے سفید پڑ گئی ہے!'' اس نے خوش دلی سے کہا بلکہ سیما کو تو یوں لگا جیسے اس کی آواز میں گھریلوپن کی سی بے تکلفی تھی، جس کے سننے ہی لمحہ بھر میں دل سے سارا ڈر نکل گیا—

''کیا الٹی کھوپڑی ہوں میں بھی! دیکھو تو ایک بھلے آدمی کے بارے میں کیسے کیسے برے خیال میرے دل میں خواہ مخواہ آرہے تھے— 'گھوں' وہی اس بزدل کزورکس کے 'کہہ دینے کی وجہ سے!...''

سیما کا جی چاہا کہ اپنے ہمراہی سے کوئی دلجوئی کی بات کرے، لیکن کہنے کو لفظ ہی نہ ملے—

برف کے جھکڑ میں سے سامنے فاصلے پر فر کے درختوں کی مہربان دھندلی سی نظر آنے لگی— سیما کونے نکلی ہوئی برف کی ڈھیری پر چڑھ رہی تھی کہ اس کا پاؤں پھسل گیا اور دھم سے برف پر گری— دونوں کہنیاں اس ڈھیری کے اوپری پرت میں گڑ گئیں—

لیکن مصیبت ہے کہ مزدوروں کو آج تنخواہ نہیں بٹےگی اور لیزا چاچی اس کا نام لےلےکر نہ جانے کیا اول فول کہےگی، بعد میں اسے کہیں معلوم ہوگا کہ سیما قتل ہو گئی — ایسے بھی لوگ ہونگے کہ جب تک صنوبر کے درختوں کے جھنڈ میں سیما کی لاش کا سراغ ملےملے، وہ اپنے جی میں سوچ لیں گےکہ یہ عورت روپیہ لےکر فرار ہو گئی: کسی نے بھی تو نہیں دیکھا کہ وہ دفتر سے کب نکلی، کدھر کو گئی —

سیما کو یہ بھی خیال آیا کہ یوں تو مرنے کے بعد سب برابر ہے، لوگ کیا کہیں گے، لیکن غم اس کا ہے کہ خود وہی لوگ جن کی خاطر اسنے ایسے ہولناک طوفان میں راستہ طے کرنے کا فیصلہ کیا، خود وہی اس کے لئے برے برے خیال دل میں لائیں گے —

ہوا کا رخ بدل گیا — اب جھونکے پہلو سے آرہے تھے اور آگے چلنےوالے کی چوڑی کمر اسے ہوا کی زد سے محفوظ نہیں کر سکتی تھی —

وہ نوجوان چلتے چلتے اچانک ٹھیر گیا اور جھٹکے کے ساتھ اس کی طرف مڑا — سیما ایک قدم پیچھے ہٹ گئی اور فکر کے مارے اپنا سر آگے کو کر لیا، کوشش

"جھجک گیا! معلوم ہوتا ہے ابھی نام کو شرافت باقی ہے—"

سیما نے اس سے کہہ دیا کہ وہ اپنے راستے جائے اور یہ کہہ کر خود ہی تعجب کرنے لگی کہ مجھ میں حکم چلانے کی یہ آواز کہاں سے آگئی— وہ جوان کچھ بو کھلایا، شانے چڑھائے اور آگے ہو لیا— سیما ذرا ٹھہر کر اس کے پیچھے روانہ ہوئی—

اس شخص کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھتے ہوئے سیما نے سوچا: ظاہر بات ہے، اس کو علم ہے کہ میں نے بہت بڑی رقم وصول کی ہے— اور یہ جو صوبر کے جھنڈ کے پاس پہنچ کر اس نے مجھے پکڑا ہے، یہ کوئی اتفاق تو ہے نہیں— چاقو سے حملہ کرے گا، کوشش کرے گا کہ مجھے جنگل کے بیچ میں لے جائے گا اور برف میں داب دے گا— برف پگھلنے کے موسم تک کسی کو لاش بھی نہیں ملے گی—

سیما کو نہ جانے کیوں خیال آنے لگا کہ یہ آدمی بہرحال پکڑا جائے گا، اور ابھی اس لوٹ کی رقم کا دسواں حصہ بھی اڑانے نہیں پائے گا کہ اسے دھر لیں گے— اس میں کیا شک ہے، بچ کر تو نہیں جا سکتا،

''آپ کھڑی کیا دیکھ رہی ہیں بت کی طرح؟ پاؤں جم جائیں گے — پالہ مار جائے گا —''

''اور اوپر سے مجھے بنا رہا ہے!'' سیما نے نفرت کے ساتھ سوچا — ''قتل کی نیت ہے اور پالے سے ڈراتا ہے مجھ کو!''

مضبوط بدن کے اس نوجوان سے سیما کے دل میں سخت نفرت ابل پڑی جو محنت سے جی چرا کر ایک بیچاری عورت کو قتل کرنے کے لئے تیار ہے اور نیت یہ ہے کہ مزدوروں کی تنخواہ کا روپیہ جھپٹ کر اسے عیاشی میں اڑا دے —

وہ سیدھی تن کر کھڑی ہو گئی اور سر آگے کر لیا — اس ڈاکو کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ میں تجھ سے ڈرتی نہیں ہوں بلکہ نفرت کرتی ہوں — آنےوالے نے قدم ڈھیلے کر دئے اور ہاتھ اپنی پھولی ہوئی جیب میں ڈال لیا —

''کیا انتظار ہے؟ کیا ہے؟'' سیما نے بگڑ کر اس سے سوال کیا —

''آپ کا انتظار ہے...'' اس نے منھ ہی منھ میں جواب دیا — ''ساتھ چلنے میں ذرا لطف رہے گا — ''

قدموں چلنے لگتی تھی تا کہ برف ہوتے ہوئے گیٹس
کو ٹانگوں سے مل ڈالے: اوپر تلے دو جوڑی موزے
اور گیٹس تک کے موزہ پوش تیز ہوا کے ہڈی تک
پہنچنے والے سرد جھونکوں کو روکنے میں ناکام تھے —
ایک بار جب وہ ہوا کی طرف پیٹھ کرکے رکی تھی تو
اڑتے ہوئے برف میں سے فاصلے پر کوئی بھاری غیرکم
سفید چیز حرکت کرتی ہوئی نظر آئی تھی — ٹھہر کر
اس نے نگہ جما کر دیکھا تو وہی نوجوان معلوم ہوا،
جسے تھوڑی دیر پہلے دیکھا تھا، جو بھیڑ کی پوستین
کا چھوٹا اوورکوٹ پہنے ہوئے تھا — وہ نمدے کے
اونچے جوتوں کی نوک سے برف کے گالے اڑاتا ہوا قدم
جما کر سیدھا اسی کی طرف بڑھا آ رہا تھا — فوراً
سیما کو کڑورکن کا خبردار کرنا یاد آگیا، یاد آتا
تھا کہ ٹانگوں نے جواب دے دیا، بدن میں سرد لہر
دوڑ گئی اور اس نے سوچا: ''بس، خاتمہ ہوا!،،

''اوف... دیکھو آخر پکڑ ہی لیا!،، اس نے
ایک عجیب ہشاش بشاش آواز میں پکار کر کہا اور
اپنے کوٹ کی ابھری ہوئی جیبوں کو تھپکا، مطلب یہ
ہوگا کہ ٹٹول رہا ہے، کہیں چاقو گر تو نہیں گیا —

''آپ کھڑی کیا دیکھ رہی ھیں بت کی طرح؟ پاؤں جم جائیں گے — پالہ مار جائے گا—''

''اور اوپر سے مجھے بنا رہا ھے!'' سیما نے نفرت کے ساتھ سوچا— ''قتل کی نیت ھے اور پالے سے ڈراتا ھے مجھ کو!''

مضبوط بدن کے اس نوجوان سے سیما کے دل میں سخت نفرت ابل پڑی جو محنت سے جی چرا کر ایک بیچاری عورت کو قتل کرنے کے لئے تیار ھے اور نیت یہ ھے کہ مزدوروں کی تنخواہ کا روپیہ جھپٹ کر اسے عیاشی میں اڑا دے—

وہ سیدھی تن کر کھڑی ھو گئی اور سر آگے کر لیا— اس ڈاکو کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ میں تجھ سے ڈرتی نہیں ھوں بلکہ نفرت کرتی ھوں— آنے والے نے قدم ڈھیلے کر دئے اور ھاتھ اپنی پھولی ھوئی جیب میں ڈال لیا—

''کیا انتظار ھے؟ کیا ھے؟'' سیما نے بگڑ کر اس سے سوال کیا—

''آپ کا انتظار ھے...'' اس نے منہ ھی منہ میں جواب دیا— ''ساتھ چلنے میں ذرا لطف رھے گا—''

قدموں چلنے لگتی تھی تاکہ برف ہوتے ہوئے گھٹنوں کو ہاتھوں سے مل ڈالے: اوپر تلے دو جوڑی موزے اور گھٹنوں تک کے موزہ پوش تیز ہوا کے ہڈی تک پہنچنے والے سرد جھونکوں کو روکنے میں ناکام تھے — ایک بار جب وہ ہوا کی طرف پیٹھ کرکے رکی تھی تو اڑتے ہوئے برف میں سے فاصلے پر کوئی بھاری سرکم سفید چیز حرکت کرتی ہوئی نظر آئی تھی — پھر کر اس نے نگہ جماکر دیکھا تو وہی نوجوان معلوم ہوا، جسے تھوڑی دیر پہلے دیکھا تھا، جو بھیڑ کی پوستین کا چھوٹا اوورکوٹ پہنے ہوئے تھا — وہ نمدے کے اونچے جوتوں کی نوک سے برف کے گلے اڑاتا ہوا قدم جماکر سیدھا اسی کی طرف بڑھا آ رہا تھا — فوراً سیما کو کڑورکی کا خبردار کرنا یاد آگیا، یاد آیا تھا کہ ٹانگوں نے جواب دے دیا، بدن میں سرد لہر دوڑ گئی اور اس نے سوچا: ''بس، خاتمہ ہوا!''

''اوف... دیکھو آخر پکڑ ہی لیا!'' اس نے ایک عجیب شاش شاش آواز میں پکار کر کہا اور اپنے کوٹ کی ابھری ہوئی جیبوں کو تھپکا، مطلب یہ ہوگا کہ ٹٹول رہا ہے، کہیں چاقو گر تو نہیں گیا —

جب سیما باہر اس کھلی جگہ پر پہنچی جہاں ہموار میدان ہر کچھ چڑھائی آگئی تھی تو قدم اٹھانا اور بھی دشوار ہو گیا — ہوا اس کی شال اور کوٹ اڑائے لئے جا رہی تھی، دامن پھٹ پھٹا رہے تھے —

سیما کو اس بات کا ڈر نہیں تھا کہ راستے سے بھٹک جائے گی یا سردی سے ٹھٹھر کر رہ جائے گی — اسے یقین تھا کہ برے موسم کا تو مقابلہ کر لے گی: تازہ دم ہے، دل اور ہاتھ پاؤں میں جوانی ہے، قوت ہے — خطرہ ایک اور بات کا تھا: اگر کہیں اس برف کی آندھی طوفان میں برے آدمی سے پالا پڑ گیا تو؟

تعمیر کے ٹھکانے پر ملک کے کونے کونے کا آدمی آیا ہوا تھا — سو آدمی اگر نیک ایماندار ہوں تو ان میں چور بدمعاش بھی ہو سکتے ہیں — مردانہ ہوسٹل میں ایسے واقعات ہو جاتے تھے کہ آج کوئی چیز گم ہے، آج کچھ اور غائب ہے — آتی سردیوں میں، جب سیما کو یہاں پہنچے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے، خوراک کی دوکان لٹ گئی تھی اور پہرےدار مارا گیا تھا —

ذرا ذرا دیر سے سیما ہوا کی طرف پیٹھ کر کے الٹے

آتی ہوں گی، انہیں چائے پینی ہے— بچاری اچھے دل کی جھگڑالو عورت ہے! پتہ نہیں، اس نے کچھ انتظام کر لیا اپنے ''غول،، کو کھلانے کےلئے یا نہیں؟

سیما نے مشین کی طرح اپنے بھاری تھیلے کے بند کاندھے پر کس لئے، پیٹھ پر اس کا وزن جھلا کر دیکھا اور آہستہ قدموں سے برساتی کی سیڑھیوں کے نیچے اتر گئی— بنگلے کے ایک کنارے سے برفیلی ھوا کا زوردار جھونکا آیا اور سیما کو دھکا دے کر نکل گیا— کہیں گر نہ پڑے، اس خیال سے سیما نے قدم آگے بڑھا دیا، پھر ایک اور قدم، ایک اور قدم اور وہ احاطے کے پھاٹک میں سے ھوکر باھر نکل آئی—

۳

سحت پالا کٹنے کی وجہ سے برف جم کر بالکل بلور سا چکنا، پھسلواں ھو گیا تھا— جہاں اوپر اٹھے ھوئے ٹیلے سے تھے، وھاں سخت ھوکر برف کی ایک پرت چڑھ گئی تھی— سفیدے کے جھنڈ میں جھکڑوں کی وجہ سے شور برپا تھا— باربار اس کے پاس سے ژوں ژوں جھونکے گزر رہے تھے گویا سمندر کی موجیں...

جب سیما باھر اس کھلی جگہ پر پہنچی جہاں ہموار میدان پر کچھ چڑھائی آگئی تھی تو قدم اٹھانا اور بھی دشوار ہو گیا — ہوا اس کی شال اور کوٹ اڑائے لئے جا رہی تھی، دامن پھٹ پھٹا رہے تھے —

سیما کو اس بات کا ڈر نہیں تھا کہ راستے سے بھٹک جائے گی یا سردی سے ٹھٹھر کر رہ جائے گی — اسے یقین تھا کہ برے موسم کا تو مقابلہ کر لے گی: تازہ دم ہے، دل اور ہاتھ پاؤں میں جوانی ہے، قوت ہے — خطرہ ایک اور بات کا تھا: اگر کہیں اس برف کی آندھی طوفان میں برے آدمی سے پالا پڑ گیا تو؟

تعمیر کے ٹھکانے پر ملک کے کونے کونے کا آدمی آیا ہوا تھا — سو آدمی اگر نیک ایماندار ہوں تو ان میں چور بدمعاش بھی ہو سکتے ہیں — مردانہ ہوسٹل میں ایسے واقعات ہو جاتے تھے کہ آج کوئی چیز گم ہے، آج کچھ اور غائب ہے — اتنی سردیوں میں، جب سیما کو یہاں پہنچے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے، خوراک کی دوکان لٹ گئی تھی اور پہرےدار مارا گیا تھا —

ذرا ذرا دیر سے سیما ہوا کی طرف پیٹھ کر کے الٹے

آتی ہوں گی، انہیں چائے پینی ہے— بچاری اچھے دل کی جھگڑالو عورت ہے! پتہ نہیں، اس نے کچھ انتظام کر لیا اپنے ”غول“ کو کھلانے کے لئے یا نہیں؟

سیما نے مشین کی طرح اپنے بھاری تھیلے کے بند کندھے پر کس لئے، پیٹھ پر اس کا وزن جھلا کر دیکھا اور آہستہ قدموں سے برساتی کی سیڑھیوں کے نیچے اتر گئی— بنگلے کے ایک کنارے سے برفیلی ہوا کا زوردار جھونکا آیا اور سیما کو دھکا دے کر نکل گیا— کہیں گر نہ پڑے، اس خیال سے سیما نے قدم آگے بڑھا دیا، پھر ایک اور قدم، ایک اور قدم اور وہ احاطے کے پھاٹک میں سے ہوکر باہر نکل آئی—

۴

سخت پالا کٹنے کی وجہ سے برف جم کر بلور سا چمکنا، پھسلواں ہو گیا تھا— جہاں اوپر اٹھے ہوئے ٹیلے سے تھے، وہاں سخت ہوکر برف کی پرت چڑھ گئی تھی— سفیدے کے جھنڈ میں جھکڑ کی وجہ سے شور ہو رہا تھا— باربار اس کے پاس سے زوں جھونکے گزر رہے تھے گویا سمندر کی موجیں

جب سیما باہر اس کھلی جگہ پر پہنچی جہاں
ہموار میدان پر کچھ چڑھائی آگئی تھی تو قدم اٹھانا
اور بھی دشوار ہو گیا — ہوا اس کی شال اور کوٹ
اڑائے لئے جا رہی تھی، دامن پھٹ پھٹا رہے تھے —
سیما کو اس بات کا ڈر نہیں تھا کہ راستے سے
بھٹک جائے گی یا سردی سے ٹھٹھر کر رہ جائے گی — اسے
یقین تھا کہ برے موسم کا تو مقابلہ کر لے گی: تازہ
دم ہے، دل اور ہاتھ پاؤں میں جوانی ہے، قوت ہے —
خطرہ ایک اور بات کا تھا: اگر کہیں اس برف کی آندھی
طوفان میں برے آدمی سے پالا پڑ گیا تو؟

تعمیر کے ٹھکانے پر ملک کے کونے کونے کا آدمی
آیا ہوا تھا — سو آدمی اگر نیک ایماندار ہوں تو ان
میں چور بدمعاش بھی ہو سکتے ہیں — مردانہ ہوسٹل
میں ایسے واقعات ہو جاتے تھے کہ آج کوئی چیز کم
ہے، آج کچھ اور غائب ہے — انی سردیوں میں، جب
سیما کو یہاں پہنچے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے،
خوراک کی دوکان لٹ گئی تھی اور پہرےدار مارا گیا
تھا —

ذرا ذرا دیر سے سیما ہوا کی طرف پیٹھ کر کے الٹے

آتی ہوں گی، انہیں چائے دینی ہے۔ بچاری اچھے دل کی جھگڑالو عورت ہے! پتہ نہیں، اس نے کچھ انتظام کر لیا اپنے ''غول،، کو کھلانے کےلئے یا نہیں!

سیما نے مشین کی طرح اپنے بھاری مفلر کے بند کاندھے پر کس لئے، ہتھو بر اس کا وزن محسوس کر دیکھا اور آہستہ قدموں سے برساتی کی سیڑھیوں کے نیچے اتر گئی۔ بنگلے کے ایک کنارے سے برفیلی ہوا کا زوردار جھونکا آیا اور سیما کو دھکا دے کر نکل گیا۔ کہیں گر نہ پڑے، اس خیال سے سیما نے قدم آگے بڑھا دیا، پھر ایک اور قدم، ایک اور قدم اور وہ احاطے کے پھاٹک میں سے ہو کر باہر نکل آئی۔

۳

سخت پالا پڑنے کی وجہ سے برف جم کر بالکل بلور سا چمکا، پھسلواں ہو گیا تھا۔ جہاں اوپر اٹھے ہوئے ٹیلے سے تھے، وہاں سخت ہو کر برف کی ایک پرت چڑھ گئی تھی۔ سمندر کے جھنڈ میں جھکڑوں کی وجہ سے شور برپا تھا۔ باربار اس کے پاس سے زوں زوں جھونکے گزر رہے تھے گویا سمندر کی موجیں...

ھیں نہیں... راستہ صاف نہیں ھوا تو رات یہیں کاٹ دیں گے ۔۔"

"آپ کو لوگوں کا خیال نہیں ھے!" سیما نے آھستہ سے کہا ۔۔

"میری پیاری، سب کے لئے ایک کی محبت پوری نہیں پڑتی!" بیلسکایا نے یقین کے ساتھ جواب دیا اور پھر دوسرے سینڈوچ میں لگ گئی ۔۔

سیما اس مکان کی برساتی میں آئی ۔۔ سمجھ میں نہیں آرھا تھا کہ اب کیا کرنا ھے ۔۔ دروازے کی سیڑھیوں کے پاس برف کی چنگاریاں چکر کھا رھی تھیں، آنکھوں میں گھسی جا رھی تھیں، ناک اور گال کاٹے دے رھی تھیں ۔۔ سیما یہ سوچ کر کانپ گئی کہ برفیلی ھوا کھلے میں کس قدر تیز اور بے تحاشا ھوگی ۔۔ جی چاھا کہ الٹے قدموں اندر دفتر میں واپس ھو جائے جہاں حرارت اور راحت ھے، لیکن ایک دم اسے لیزا چاچی کا اترا ھوا چہرہ یاد آگیا ۔۔ اس نے سوچا نہ جانے اس وقت بڑی بی کیا کر رھی ھوگی ۔۔ شاید برف کے طوفان کو گالیاں کوسنے دے رھی ھوگی، بوائلر گرم کر رھی ھوگی کہ اب "شریف زادیاں"

ہوکے آ گئے... پہلے کسی زمانے میں آتے تھے خواب...
اب کیا ہو گیا ہے!"

سیما نے ٹرانسپورٹ کے کمرے میں جھانک کر دیکھا — اونگا کو پریشانی تھی: معلوم نہیں ٹریکٹر کو کیا ہوا! راستے میں کہیں نہیں رک یا بیٹھ کی بہت ٹوٹنے سے اندر دھنس گیا..

اور سیما نے ڈرائیور سے کہا وہ جو جیسے ہیں، راستے میں کہیں ٹریکٹر میں جائے گا، لیکن اس نے صاف انکار کر دیا:

"میں یہاں گاڑی چھوڑ کر نہیں جا سکتا — جب تک راستہ نہ مل جائے، میں بھی نہیں جا سکتا اس جگہ سے —"

سیما نے جیپ میں بیٹھ کر تلاش کر لیا اس کے آگے بھی وہی حوض رکھی —

"پاگل ہوتی ہو، میں سمجھ رہی ہوں!" جھلا کر بولی مڑے میں سفوف بھرا رہی تھی، وہ سیما کی جو بہت سیدھے ہی جیسے بیٹھ کر ہم نے دونوں ہی زرے میں ہاں ہوں، ہوتی ایسے سے ... والے ہوا...

ہی وہ نوجوان بات کرتے کرتے رک گیا— کژور کن
سیما کے قریب کو کھسک آیا اور بولا:
"یہ آدمی پوچھ گچھ کر رہا تھا کہ ہم کون
ہیں، کہاں سے آئے ہیں، کتنی دیر میں واپس جانے والے
ہیں، کار میں کتنے آدمی ہیں— مشتبہ کیرکٹر معلوم
ہوتا ہے— بہتر یہی ہے کہ آپ اس کے پاس روپیہ
لے کر مت گھومیے: وقت اچھا نہیں جا رہا— روپے کے
تھیلے پر ہاتھ مار دے، آنکھوں میں مٹھی بھر کے
مرچیں جھونک دے اور اڑجائے— کیا کر لیں گے ہم—
بہت آسان بات ہے!"
"کژورکن، آپ تو گھبرا دیں آدمی کو!"
سیما نے کھڑکی سے ماتھا لگا کر باہر دیکھا—
برف کا سفید غبار کھڑکی کے شیشوں سے چھن چھن
ٹکرا رہا تھا— کہیں دور برف کے جھکڑ نے کسی درخت
کو اس زور سے جنجھوڑا گویا بیچ میں سے توڑ دیا—
بوڑھا چوکیدار برف میں لتھڑا ہوا اندر برامدے
میں پاؤں پٹکتا ہوا آیا، اس نے اپنا بدن جھاڑا اور کاغذ
میں تمباکو لپیٹنے لگا—
"بھلا یہ کوئی طوفان ہے؟ ایسے ہی دو

گئیں، انھیں ھاتھ کے تھیلے میں ڈالا اور کرسی پر بیٹھ گئی اس انتظار میں کہ اب ٹریکٹر آتا ھوگا۔ کڑورکن نے جیسے سب خبر رکھتی تھی، اطلاع دی کم ٹریکٹر چل دیا ھے لیکن گھنٹہ بھر گزر گیا، ٹریکٹر کا کہیں نام و نشان نہیں تھا — ٹیلفون پر ٹیلفون آتے رھے، لوگ تنخواہ کے بارے میں پوچھتے رھے۔ ایک دفعہ کسی شخص نے بڑے خزانچی کو صلواتیں سنا دیں — خزانچی نے جلدی سے رسیور رکھ دیا، ھونٹ آگے کو نکال دئیے اور بڑبڑایا:

''ماں بہن کی گالیوں پر اتر آیا بھلا آدمی... میرا اس میں کیا قصور، موسم ھے!،،

سیما اکاؤنٹ آفس میں بیٹھے بیٹھے اکتا گئی — تھیلا ھاتھ میں سنبھالے ھوئے باھر برامدے میں نکل آئی — کرورکن کسی نوجوان سے گفتگو کر رھا تھا جو چھوٹا اوورکوٹ پہنے ھوئے تھا — پوستین کی ٹوپی آگے بالکل بھوؤں پر رکھی تھی — اس کی سیاہ آنکھوں سے شرارت اور شوخی جھانک رھی تھی — بھیڑ کی کھال والے نئے اوورکوٹ کی جیبوں میں سے اونی دستانے اوپر کو نکلے ھوئے تھے — سیما کو دیکھتے

میں کر رکھی ہے! اب اس سے نجات ملنی چاہئے — جیسے ہی ٹریکٹر اپنے ٹھکانے پر آئے فوراً اسے ادھر روانہ کر دیجئے — آپ جانتے ہیں، چار سو آدمی تنخواہ کے انتظار میں بیٹھا ہے!..،،

سیما نے سنا اور اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا — ،،ارے واہ، اولگا! اور میں سمجھ رہی تھی کہ یہ انتقام لے رہی ہے — اوفوہ! ابھی کتنی حماقت بھری ہوئی ہے میرے اندر!،،

،،بڑا خزانچی آ گیا،، کژورکن نے آہستہ سے چونکی ہوئی آواز میں کہا —

بڑا خزانچی اوچائکن بھرے ہوئے شانوں کا آدمی تھا، بیچ کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی پہنے رہتا تھا، سیما سے حالانکہ بہت اچھی طرح واقف تھا لیکن اس کا شناختی کارڈ طلب کر لیا — کارڈ لے کر اس میں نام اور ولدیت وغیرہ جانچتا رہا — اطمینان کرنے کے بعد اس نے کاؤنٹر پر نوٹوں کی گڈیاں ایک دو تین کرکے رکھنی شروع کیں — یہ گڈیاں ہری دھاری کے کاغذی چوخانی کترنوں میں بندھی ہوئی تھیں — سیمانے سب ملا کر ۲ لاکھ ۶۱ ہزار ۵ روبل نقد وصول

نکل آئی — کھڑکی کے پاس بینچ پر بیٹھے بیٹھے اس نے خود کو دل ہی دل میں برا بھلا کہا کہ کیا ضرورت تھی اولگا کے پاس جانے کی — اگر بہن نے برف صاف کرنےوالی گاڑی بھیجی نہیں تو، اسے تنگ کرنے کی نیت سے بالکل آخر میں اس کو روانہ کرے گی دریا کے بائیں طرف سے — بہانے جتنے کہو بنا دے: کیا کریں، یہ سڑک تعمیری کاموں کےلئے کوئی خاص سڑک تو ہے نہیں، اس پر صرف کاریں گزرتی ہیں — اس لئے...

صنوبر کے سوکھے ہوئے تختوں کے دروازے میں سے آواز سنائی دینے لگی جس نے سما کے دکھی خیالات کا تار توڑ دیا — اولگا زور زور، محکمانہ لہجے میں بول رہی تھی:

"داہنے کنارے سے — ہاں، میں بول رہی ہوں — بائیں کنارے کے موٹر ٹرانسپورٹ کے انچارج کو بلوا دو — کون؟ کامریڈ سیویرتسف، بہت خوب! برف صاف کرنےوالی گاڑیاں ابھی تک مرمت میں ہیں؟ مجھے پہلے سے معلوم تھا، یہ جواب ملےگا — آپ کا یہ جو بھالو کا سا ٹوس‌بن ہے، اس نے میری جان عذاب

دکھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی — بات یہ ہے بہنا، ہم دونوں میاں بیوی کام پر تھک کر چور ہوجاتے تھے — اس لئے یہ...،،

''اگر صرف اسی لئے ہوتا تو کیا تھا!،،

''کیا مطلب!،، اولگا نے حسب‌معمول اپنی بائیں بھوں اوپر کو چڑھا لی اور داھنی نیچے کرلی —

''فی‌الحال اس معاملے پر بات نہیں کرنی — میں تمھارے پاس ایک اور کام سے آئی تھی — سڑک پر ٹریکٹر یا بلڈوزر بھیجنا ضروری ہے، نہیں تو آج میں روپیہ لےکر دریا پار نہیں جا سکتی — ،،

''معلوم ہے مجھے، لیکن اس وقت میں کچھ نہیں کر سکتی — ٹریکٹر تو وھاں گیا جہاں پتھر توڑا جا رہا ہے : وھاں ایک پر ایک لاری پھنسی جا رھی ہے، اور برف صاف کرنےوالی دو گاڑیاں تھیں، دونوں سرست کو گئی ہوئی ھیں — رہا بلڈوزر، تو دریا پر سے بھیجنا ایسا خطرہ ہے کہ خود بڑا افسر بھی اپنے سر ذمہ‌داری نہیں لے سکتا — برف کی پرت پتلی ہے —،،

سیما یہ جواب لےکر ٹرانسپورٹ کے کمرے سے

بتانے لگی کہ بہنوں میں کھٹ پٹ ہو گئی ہے—
ضرورت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جا کر لیہہ آؤں:
آپس کی رنجش کی وجہ سے لوگوں کی تنخواہ تو نہیں
رکنی چاہئے—

اولگا سوئچ بورڈ کے سامنے کھڑی تھی— اس کا
ہاتھ ٹیلیفون کے ریسیور پر تھا— اس نے سیما کو
اشارہ کیا کہ کرسی پر بیٹھ جاؤ اور خود جیسے تنی
ہوئی تھی ویسے ہی رہی، کسی فوری خیال میں محو
ہوکر— اس کے چہرے کے ایک رخی نقوش (شوہر
کے خیال میں وہ یونانی نقوش تھے) برف جمی ہوئی
کھڑکی کے پس منظر میں صاف ابھرے ہوئے تھے—
سیما اپنی بہن کو ایک عجیب و غریب احساس کے
ساتھ دیکھتی رہی اور ایک دم اسے یوں لگا کہ یہ
خوبصورت عورت جو عنابی رنگ کا اونی فراک پہنے
کھڑی ہے، یہ مرکر میری سگی بہن نہیں ہے، بلکہ
محض ملنے والی ہے، ایسی ہی جیسے سلسلویا—

"جانتی ہو، سیما،" آخر اولگا نے زبان کھولی
"میں خود تو اور وسیلی تو بہت خوش ہوں کہ ہم نے
تمہیں جتا کردیا... پھر بھی ہم نے تو نار لمراہی

16°

کاٹیج میں ایک پورا فلیٹ مل گیا ہے، کہے گی کہ تم بھی وہیں رہنے آ جاؤ— اور جب سیما کی زبان سے انکار سنے گی تو فوراً بگڑ بیٹھے گی اور دھمکی دے گی کہ اگر میرا کہنا نہ مانا تو ابا کو لکھ بھیجوں گی — ابا کو تو ابھی معلوم ہی نہیں کہ ہم دونوں بہنوں میں قطع تعلق ہو گیا ہے—

سیما اندر سے نکل کر دوباری میں آ گئی — سکون تھا — ہوا نہیں چل رہی تھی اور اب پہلے سے بھی زیادہ گھنا برف پڑ رہا تھا — خشک برف کے گالے یوں گر رہے تھے کہ ان کی سرسراہٹ تک کچھ کچھ سنائی دے رہی تھی —

''آثار برے ہیں، سیما،، کاؤورکن نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا — ''برف ڈھیروں گر رہا ہے— راستہ نہیں ملے گا... زور دے کر کہنا پڑے گا کہ ٹریکٹر یا بلڈوزر سڑک پر بھیج دیں — نہیں بھیجا تو ہم جا نہیں سکیں گے، رات یہیں بسر ہو گی — ،،

''تم ہی چلے جاتے، ڈسپیچر سے خود کہہ دیتے —،،

''نہیں، تمہارا جانا ٹھیک رہے گا، بہن ہے آخر!،،

سیما نے سوچا: اب اگر نہ جاؤں تو کاؤورکن

سب برف میں لتھڑ گئے — کوریڈور میں اسے دریا کے داھنے بازووالے سیکشن کی خزانچی بیلسکایا مل گئی — بیلسکایا نے بتایا کہ بڑا خزانچی ابھی بینک سے روبیه لے کر نہیں آیا ھے، وہ اسے ایک بینچ کے پاس لے آئی جو اکاؤنٹ اور ٹرانسپورٹ کے کمروں کے بیچ میں پڑی ھوئی تھی —

بیلسکایا کے بدن سے عطر کی بھینی بھینی خوشبو آ رھی تھی — وہ بڑی ترنگ میں تھی اور خزانچی کے بینک سے نہ آنے کی خبر یوں سنا رھی تھی گویا کوئی خوشی کی بات ھے — سیما کو بہت دن سے اس کا احساس تھا کہ یہ عورت اس وقت بہت مگن رھتی ھے جب گھر سے باھر رھنے کا موقع مل جائے — معلوم ھوتا تھا کہ شوھر سے کوئی خاص رغبت نہیں ھے اور بچے اسے وبال لگتے ھیں —

"سیما پیاری، کوئی خوشی کی بات سننا چاھتی ھو؟"

"اچھا، فرض کرلو، سننا چاھتی ھوں — "

"لوھے کا کاری گر استوپین تمھیں چاھتا ھے — وہ جو ھمارے سیکشن کے مشین کھاتے میں کام کرتا ھے —"

نفرت، غم، غصہ اور بیزاری سب کچھ ایک جملے میں سیما کے منھ سے پھٹ پڑا:

''اوف، تم — اور انسان بنتی ہو؟''

آدھ گھنٹے کے اندر اندر اس نے سوٹ کیس میں اپنا سارا سامان بھر لیا، لینیا کی سارنگی گلے میں لٹکا لی جس پر سفید غلاف چڑھا رکھا تھا اور بیرک سے باہر نکل آئی — دوباری میں پہنچ کر لمحے بھر کو خیال کا ایک جھونکا آیا: ''شاید واپس ہی چلوں؟''، مکڑی کا لٹکتا ہوا جالا ہوا سے اس کے منھ پر آ لگا، منھ، سینے اور بالوں کو لپٹ گیا — سیما نے جی کڑا کر کے جالا صاف کیا اور دوباری سے تیز قدم اٹھاتی ہوئی چل دی —

کوئی مہینے بھر تک سیما بلڈوزر چلانے والی ماروسیا ریپکینا کے خیمے میں رہی اور اس کے ساتھ ایک ہی پلنگ پر سوتی رہی — پھر نئی بیرک میں ان دونوں کو ایک چھوٹا سا کمرہ دے دیا گیا —

جھگڑے کے بعد سے سیما کی صرف ایک بار بہن سے ملاقات ہوئی تھی، وہ بھی عمارتی بندوبست کے برامدے میں — دونوں نے ایک ساتھ گردن جھکا کر

سمجوں — آخر اس میں یہ خواہش زور پکڑ گئی کہ ان رشتہ داروں سے علاحدگی اختیار کی جائے اور خیموں میں رہنے کا ٹھکانا کر لیا جائے —

زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اس کا موقع بھی نکل آیا — بہن کا تو معمول تھا کپڑے دھونے کو کہنا، اس بار سیما نے جان بوجھ کر سارے کپڑے نہیں دھوئے بلکہ مسہری کے نیچے میلے کپڑوں کی ڈھیری میں سے صرف تیوڑے سے دھو دئیے — اولگا نے جو یہ دیکھا تو نخرے سے ہونٹ سکڑ گئے، بائیں بھوں اوپر چڑھ گئی، داھنی نیچے اور اینٹھ کر بولی:

''تو نے اپنے آپ کو سمجھا کیا ہے؟ ایں؟ بڑی آئی شہزادی لکسمبرگ کی! ہاتھ دکھ جاتے کیا اگر تو بس چار کپڑے زیادہ دھو دیتی؟ بہچوں کے اس کباڑخانے سے نکال کر لائے، اچھا کام دلوایا —— اور یہ اس کا احسان مانا —،،

سیما نے رنج کے باوجود بڑی بہن کا کہنا سنا — اسے امید تھی کہ لمحے بھر کو تو بہن کا ضمیر جاگےگا — لیکن یہ کہاں گمان تھا کہ وہ اس قدر ناانصافی پر اتر آئے گی —

پر پڑی انگڑائیاں توڑا کرتی اور لجاجت سے دھیمی آواز میں کہتی:

''میری ننھی سیما، میری بہنا، ذرا لپک کے مجھے ناشتہ نہیں کرا دے گی؟ کیوں؟ ذرا جٹ جائیو ری، چڑیا میری!،،

اور جب بستر کے نیچے میلے کپڑوں کی ڈھیری لگ جاتی تو وہ سیما کو گلے سے لگالیتی اور شکایت کے لہجے میں کہتی:

''میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے اور یہاں گردن پر میلے کپڑوں کا پوٹلا دھرا ہے— کیا کروں؟ تم نہیں دھودو گی میری اچھی بہن، دو جوڑ میرے اندر کے کپڑے پانی میں نکال دیتیں اور کچھ تھوڑا سا وسیلی کا...،،

سیما سمجھتی تھی کہ بڑی بہن نے جو منت سماجت کی ہے اس کا اصل مطلب ہی یہ ہے کہ وہ میلے کپڑوں کا سارا ڈھیر دھو ڈالے— رات گئے تک ایک دوبار وہ کپڑے دھونے کے ناند پر جھکی رہی، اولگا کے حکم چلانے کو دل ہی دل میں کوستی جاتی تھی اور خود کو بھی کہ میں ایسی دبو اور نازک کیوں

کھانا کھا چکتا تو برتن زور سے سرکا دیتا، اٹھ کھڑا ہوتا اور سیما کی طرف نظر کئے بغیر روکھے پن سے کہتا :

''بستر لگا دو!،،

سیما اطاعت گزاری کے ساتھ بستر تیار کرتی اور تنور کے پاس چلی جاتی — وہ پلنگ پر پھیل پڑتا، یوں ھی آنکھ بند کرکے جو کتاب ھاتھ میں آ جائے الماری میں سے کھینچ لیتا، دو چار سطریں پڑھتا اور پھر آنکھ لگ جاتی —

سیما کو وسیلی وسیلی‌وچ کا یہ رویہ داب سخت ناگوار تھا — شروع میں تو وہ چپ چاپ سہے گئی، بعد میں سختی سے جواب دینے کی ھمت نہ پڑی، شرم آتی تھی — جی میں سوچا : میرا نھنوئی کام کرتے کرتے بری طرح تھک جاتا ہے، کام بڑا سخت ہے، بڑی ذمہ‌داری کا ہے — ایسا نہیں، جیسا میرا کام...

بہن اولگا نے نہ صرف یہ کہ اپنے شوہر کے اس سلوک کا کوئی نوٹس نہیں لیا بلکہ خود بھی اسی طرح پیش آنے لگی — فرق یہ تھا کہ اس پر پیار اور شفقت کا پردہ ڈال رکھا تھا — صبح سویرے وہ بستر

اسامی ملی تبی اور بہن اولگا کو عمارتی کام کا ڈسپیچر مقرر کیا گیا تھا — سیما انہی کے ساتھ رہنے سہنے لگی —

وسیلی وسیلی‌وچ صبح سویرے اپنے کام پر روانہ ہو جاتا تھا اور دن چھپے تھکا ماندہ اور غصے میں بھرا ہوا واپس آتا تھا — مسہری کے تکئے پر اپنی برساتی ڈال کر چوکھٹ پر بڑے بڑے جوتے اتار دیا کرتا تھا جو مٹی کیچڑ اور کنکریٹ میں لتھڑے ہوتے تھے اور سیما سے تحکمانہ لہجے میں کہتا:

"ذرا دھو دینا انہیں — "

وہ میز پر بیٹھ جاتا اور اس انتظار میں کہ اب سیما کھانا سامنے لگائے گی، دونوں مٹھیوں سے اپنی کنپٹیاں دبا کر چوڑے ماتھے کا سر تھامے ہوئے بیٹھا رہتا — کبھی اس نے یہ نہ پوچھا کہ رات کا کھانا تیار ہے یا نہیں، میز کے پاس منٹ دو منٹ بیٹھتے ہی وہ منھ چڑھا کر پہلو بدلنے لگتا، اور اپنی ہر ایک حرکت سے یہ ظاہر کرتا کہ میں بھوکا ہوں اور سیما کا دیر لگانا مجھے ناگوار گزر رہا ہے — جب پیٹ بھر کر

اور باعزت نوکری مل جائے گی جیسی بلڈوزر چلانے والی ماروسیا ریکینا کرتی ہے —

کئی بار سیما نے سیدر ایلیچ کے دماغ میں شہانے کی کوشش کی کہ اسٹاف کے محکمے کے چیف آپ کے پرانے ساتھی ہیں، ان سے کہہ سن کر کوئی اور کام دلوا دیں، کچھ نہیں تو زمین برمانے والی کی جگہ دے دیں، لیکن چیف اکاؤنٹنٹ نے سنی ان سنی ایک کر دی —

''سیمیسّجا،، وہ بولے — انہیں ناموں کو اسم تفصیل کے ساتھ بولنا پسند تھا ''دیکھو، میری ساری زندگی گزر گئی گن تارے پر روبیہ پائی کا حساب کرتے کرتے، حالانکہ اگر سچ پوچھو تو بچپن سے میری تمنا تھی کتوں کو سدھانے کی —،،

سیما نے جان بوجھ کر کام خراب کرنے کی کوشش کی تاکہ اسی بہانے اکاؤنٹ آفس سے اسے نکالا ملے لیکن سیدر ایلیچ کی نظر اس پر نہیں گئی — سیما کو ہٹا کر اس کی جگہ لگانے کے لئے کوئی نہیں تھا — چنانچہ کام کی طرف سے اس کی غفلت بھی کچھ کام نہ آ سکی —

اس کے بھوئی وسیلی وسیلیوچ کو دریا کے بائیں کنارے والے بندوبست میں چیف میکینک کی

جو بیمار پڑ گئی تھی — وہ لاکھ سمجھاتی رہی کہ
میں دوکان کے کاؤنٹر پر ملازم تھی، مجھے حساب کتاب
بالکل نہیں آتا، لیکن سب کہنا سننا بیکار رہا —
پہلے والی خزانچی چند روز میں تندرست ہوگئی،
جغرافیائی چھان بین کرنے والے ایک شخص سے اس
نے شادی کرلی اور اس کے ساتھ سہم بر روانہ ہو گئی
جہاں شوہر کو نئے پن بجلی اسٹیشن کے لئے جگہ
تلاش کرنی تھی — باہر روانہ ہونے سے پہلے وہ
اکاؤنٹ آفس میں آئی، لوہے کی تجوری پر لکھ گئی:
''رخصت، اے کاؤنٹر،، اور روپیہ دینے کی کھڑکی پر یہ لفظ
لکھ دئے: ''کمیونزم ہوگا تو خزانچی نہیں رہیں گے،، —
اسی دن چیف اکاؤنٹنٹ سیدر ایلیچ نے کھڑکی
پر لکھی ہوئی عبارت دیکھ لی، انھیں سخت غصہ آیا
اور خود اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ مٹا کر صاف کر دئے —
تجوری کی کالی دیوار پر لکھے ہوئے لفظ ان کی نظر نہیں
ڑے اور وہ اب تک صاف ابھرے ہوئے تھے — سیما
ے دیکھا تو وہ اس کے لئے امیدافزا بن گئے کہ ایک
ایک دن وہ بھی روپیہ بانٹنے کی کھڑکی سے رخصت
جائے گی، اس کی جگہ کوئی اچھی سی، دل چسپ

کوئی رہٹ کھودنے میں لگا ہوا تھا، کوئی زمین کا گارا نکل رہا تھا جہاں آئندہ جہازوں کی آمدورفت کے قابل نہر چلنے والی تھی —

دریا بہت بڑے پاٹ کا تھا — بیچ میں ابلا پڑتا تھا — جیسے نیچے گہرائی میں سے کوئی طاقت اسے اوپر پھینک رہی ہے —

کشتی کھینچنے والے دخانی انجن لال پہیے گھما گھما کر تیز پانی کی دھار کاٹتے ہوئے بڑھتے اور گھاٹ کے پاس کشتیاں اتار دیتے جن پر مال لادنے اتارنےوالے ٹرک، لکڑی کے شہتیر، لوہے کے تار، سانچے اور اینٹ پتھر لدے ہوئے ہوتے تھے —

یہاں پہنچ کر سیما کا جی چاہا کہ زندگی کا ڈھب بدل دے، اس طرح بسر کرنا شروع کرے کہ ماضی کی یاد قریب نہ آنے پائے — لیکن اسے کوئی ایسا زندہ اور دل چسپ کام نہ مل سکا جس میں دل لگ جاتا — اسٹاف‌والے محکمے کے چیف کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ وہ پانچ برس اکاؤنٹس میں کام کر چکی ہے، فوراً اس کو دریا کے بائیں کنارے والے بندوبست کے دفتر میں ایک خزانچی کی عارضی کرنے پر بھیج دیا

سیما کو بیوہ ہوئے چھٹی بہار جا رہی تھی کہ
ایک دم آنکھیں کھلیں؛ یوں لگا کہ یہ گھٹا ہو
کمرہ جس میں وہ رہتی ہے، سر پر چڑھا آرہا ہے، اور
یہ زندگی، نپی تلی اور بے مقصد زندگی اس کے سینے
کا بوجھ بن گئی ہے—

عین انہی دنوں بڑی بہن اولگا اور اس کا شوہر
وسیلی وسیلیوچ جو مینکےجاؤر میں کام کرتے تھے،
ان کی بدلی ہو گئی اور انہیں سائبریا کے ایک بہت
بڑے پن بجلی اسٹیشن کی تعمیر پر بھیجا جانے لگا—
اولگا اور اس کا شوہر سائبریا جاتے وقت بڑوں بزرگوں
سے رخصت ہونے کے لئے ادھر آ نکلے — اس وقت
سیما نے بہن بہنوئی سے کہا کہ مجھے بھی ساتھ
لو—

جب یہ لوگ تعمیر کے ٹھکانے پر پہنچے تو کام
شروعات ہو رہی تھی — دریا کے دونوں کناروں
پے بھاری بھاری سرمئی خیمے تنے ہوئے تھے —
ذرا فاصلے پر لکڑی کا کام کرنے والوں نے
برعکس لکڑی کی نہیں — چلتے ہوئے
روں کی ڈولیاں چمکتی ہوئی نظر آتی تھیں:

تو اٹھ کر کنگھی چوٹی تک نہیں کرتی تھی۔ ماں باپ نے بہتیری کوشش کی کہ اس کو ''عقل آ جائے''، لیکن کہنے سننے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اور انھوں نے بھی اس سے ہاتھ دھولئے۔

دل کو جو روگ لگ گیا تھا، اس کا اثر سیما کی صورت پر ظاہر ہونے لگا۔ جان پہچان والوں کی نظر میں اب وہ گمبھیر اور فکرمند حسن کا نقش بن گئی تھی۔ شاید اسی وجہ سے یا دوسری وجہ ہو کہ وہ دیکھنے میں بالکل نوعمر معلوم ہوتی تھی، بہت سے لوگ اس کے آگے پیچھے پھرے: ڈپو سے سامان سپلائی کرنےوالے ایجنٹوں نے، ان گاہکوں نے، جنھیں کہیں جانے کی جلدی نہیں تھی، اس کے چکر کاٹے، لیکن سیما کو نہ ان مردوں کی خاص توجہ پسند تھی جنھیں صرف جی بہلانا مقصود تھا، نہ ان سے جی ملتا تھا جو بہت خیر خواہی اور سنجیدگی کا جذبہ لےکر آتے تھے۔

سال گزرتے گئے۔ لیکن مرحوم شوہر کی تصویر اس کے دل سے مٹی نہیں۔ وہ سب سے عزیز یاد بن گئی، بچپن کی اور طالب علمی کی پیاری یادوں کے ساتھ وہ بھی دل کی گہرائیوں میں اتر کر رہ گئی۔

روہانسی آواز اس کے کان میں پڑی ''ہاں، ہاں، میرے
لینیا، میں ٹھیک ہوں،، پھر اس پر غشی طاری ہو گئی —
آدھی رات کو لینیا دنیا سے چل بسا —
گھر کی ہر چیز سیما کو اس کے شوہر کی یاد
دلاتی تھی — آخر وہ میکے رہنے چلی آئی اور پھر وہی
بغل کا چھوٹا سا کمرہ رہنے کو ملا جس میں وہ شادی
سے پہلے رہا کرتی تھی — بعض اوقات اسے یوں محسوس
ہوتا تھا گویا کبھی یہاں سے گئی ہی نہیں تھی —
چاروں طرف یا تو وہ لوگ تھے جو تعلیم پا رہے
تھے، یا وہ جو کام کر رہے تھے — تعلیم جاری رکھنے
کو سیما کا جی نہیں چاہا، چناں چہ جو پہلی نوکری
اسے ملتی نظر آئی، وہی کرلی —— پرچون کی دوکان
میں خزانچی کا کام —
کام سے نمٹ کر وہ گھر واپس آتی تھی، رات کا
کھانا کھا کر اپنی کوٹھری میں گھس جاتی تھی —
پہروں سوتی رہتی تھی — گھنٹوں بے خیالی سے اپنے
بستر پر پڑی رہتی تھی — دیوانوں کی طرح پڑھتی رہتی
تھی، لائبریری کے سوا کہیں آتی جاتی نہیں تھی —
چھٹی کے دنوں میں، جب کام پر جانا نہیں ہوتا تھا،

اس طرح کی زندگی کوئی سال بھر سے اوپر چلتی رہی— اچانک ایک جھٹکے نے سارا عیش خاک میں ملا دیا— جون کا مہینہ تھا، اتوار کا دن، صبح کا وقت— لینیا کے کھاتے سے نوجوانوں کی ایک ٹولی شہر سے باہر تفریح کے لئے گئی ہوئی تھی— یہ دونوں میاں بیوی بھی اسی میں تھے— دونوں وقت ملتے واپسی ہوئی— بارش ہوچکی تھی— سڑک پر پھسلن تھی— اتفاق کی بات کہ لاری سڑک سے پھسل گئی، بائیں طرف کا پچھلا پہیہ گڑھے میں جا پڑا— اس طرف کی سیٹوں پر جتنے لوگ بیٹھے تھے، گاڑی سے نکل کر باہر گرے— سیما اور بعض اور لوگوں کے معمولی سی چوٹیں آئیں، کسی کسی کی ہڈی اکھڑ گئی، لینیا ایسا گرا کہ کنپٹی ایک بڑے سفید پتھر پر جاکر لگی— اس کے کاندھے پر جو باجا لٹک رہا تھا، وہ بالکل صحیح سالم رہا، صرف اس کی سرخ مضراب نکل کر اپنے مالک کے مردہ بازو کے پاس جا پڑی—

جب زخمی لینیا کو ہسپتال میں باہر کے کمرے میں لے جانے لگے تو اسے ہوش آ گیا— اس نے صرف اتنا پوچھا: ''سیما خیریت سے ہے؟'' اور سیما کی

لگتا تھا— سیما میاں کے پاس بیٹھی ہوئی اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیتی تھی، نیم ناز آنکھوں سے دیکھتی رہتی اور سازسنتی رہتی، ایسے یوں لگتا کہ وہ دونوں ہمیشہ جوان رہیں گے، ہمیشہ چین کی باسری بجتی رہے گی—

دن چھپے کے بعد، جب لینیا کو اپنے تعلیم بالغان والے اسکول میں پڑھنے جانا نہیں ہوتا تھا تو میاں بیوی شہر میں سیر کو نکل جاتے تھے— سیما اچھے سے اچھا لباس بدلتی تھی، میاں کی کھردری ہتھیلیوں میں، جو مشین کے تیل سے رنگی ہوئی تھیں، اپنا ننھا سا ہاتھ سٹا دیتی تھی اور وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سڑکوں پر ٹہلتے جاتے تھے، اخباروں کے پریس کے برابر سے نکلتے ہوئے، گھڑیوں کے مستری کے پاس سے اور اس گھر کے پاس سے گزرتے تھے، جس کے زینے کے برابر شیشے کی تختی ٹنگی ہوئی تھی: ”دانتوں کی مرمت کے ماہر ایبش— دوسری منزل، فلیٹ نمبر ۴۲“— راہگیر پیچھے سے آکر آگے نکل جاتے تھے، ٹھوکے دیتے تھے، ان کی صورت تکتے تھے، مگر وہ دونوں دنیا بھر سے بے خبر ٹہلتے چلے جاتے تھے—— ایک دوسرے میں گم—

اور سنبھال کر چلنے والا آدمی تھا — اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ "اس سے کوئی جھٹکا نہیں" — سیما نے اپنے اوورکوٹ کے بٹن لگائے، نقدی کی تھیلی، جو کاغذ میں لپٹی ہوئی تھی، بغل میں دابی اور چلنے کو تیار ہو گئی — چلتے وقت، جب وہ دستانے چڑھا رہی تھی تو اس نے سوچا: چیف اکاؤنٹنٹ سیدر ایلیچ ابھی اپنی عادت کے مطابق خبردار کرے گا کہ دیکھنا، روپے کا ساتھ ہے، ہوشیاری سے جانا — لیکن وہ اپنے حساب کتاب میں ایسا بے سدھ تھا اور گن تارے کو کھٹا کھٹ جمع تفریق میں بجا رہا تھا کہ بظاہر اسے یہ بھی خبر نہیں ہوئی کہ چاروں طرف کیا چل رہا ہے — سیما نے بے اختیار اپنے قدم آہستہ کردئے — جب دروازے کے قریب پہنچ گئی تو اس نے مڑ کر ایک نظر بھی ڈالی کہ اب تو کہے — اسے خود اس بات پر تعجب تھا — تب سیدر ایلیچ بولا — بولتے وقت اس نے سر نہیں اٹھایا لیکن وہی کہا:

"سیرافیما ایوانوونا، ذرا احتیاط سے — روپے کا ساتھ ہے — "

شہر میں جو لوگ آکر بسیں گے ان میں سے کسی کو معلوم بھی نہیں ہوگا کہ یہاں کسی زمانے میں اکاؤنٹ کا بدوضع دفتر تھا — لوگوں کو نقشہ تیار کرنےوالے انجنیر یاد رہیں گے، مقادم اور فورمین یاد رہیں گے، ایکسکیویٹر کے مشہور ڈرائیور، بلڈوزر چلانے والے اور کنکریٹ بجھانےوالے، سب یاد رہ جائیں گے، لیکن کوئی خزانچی اور تنخواہوں کا حساب کتاب کرنے والوں کو اچھے لفظوں سے یاد نہیں کرنے گا...

''کیا خوب پیشہ ہے ہمارا! اسٹاف کی خدمت کرتے ہیں اور بس!''

آرام کی رات گزارنے کے بعد اکاؤنٹ آفس کے ملازمین بڑے مزے میں قلم چلا رہے تھے اور گن تارے پر کھٹا کھٹ حساب کر رہے تھے — شاید اس لئے کہ سیما وہاں ٹھالی بیٹھی ہوئی تھی، اسے وہ سارا کام دھام جو چاروں طرف چل رہا تھا ایک دم یوں ہی معمولی سا نظر آنے لگا —

کمرے میں ڈرائیور کازورکن داخل ہوا — یہ شخص پورے اس سیکشن میں سب سے زیادہ محتاط

جائے کہ دریا کے اس پار عمارتی بندوبست کے دفتر پہنچنے کا راستہ ھی اٹ جائے —

سیما اپنے سیکشن کے اکاؤنٹ آفس پہنچی تو ابھی کام کا وقت شروع ھونے میں کوئی پندرہ منٹ باقی تھے لیکن پھر بھی سب ملازمین اپنی اپنی جگہ موجود تھے — چیف اکاؤنٹنٹ سیدر ایلیچ نے سیما کے سلام کے جواب میں صرف سر ھلا دیا اور منھ چڑھائے ھوئے اور زوروں میں گن‌تارے پر روپے پیسے کا حساب کرتا رھا —

سیما نے موٹر خانے کو فون کیا اور جب تک وھاں سے گاڑی آئے، انتظار میں لوھے کی تجوری کے پاس آڑ لگے ھوئے کونے میں، ویسے ھی لدی پھندی بیٹھ گئی — خالی بیٹھے بیٹھے، بے رنگ اور جگہ جگہ سے اکھڑی ھوئی دیواروں پر نظریں دوڑا رھی تھی تو سیما کو خیال آیا: جب پن بجلی اسٹیشن بن کر تیار ھو جائے گا تو دریا کے بائیں کنارے کی یہ بھدی بے وضع عمارت ڈھا دی جائے گی اور اس کی جگہ پر کئی منزل کی خوبصورت عمارت کھڑی ھو جائے گی یا پارک بنے گا جس میں فوارے ابل رھے ھوں گے — نئے

پوچھ گچھ اس لئے کر بیٹھی کہ یہ معاملہ کاروباری ہے، ذاتی تعلقات سے اسے کوئی سروکار نہیں —

''ہاں، وہاں سے لاؤں گی تو بانٹوں گی —،،

''بانٹ دینا،، لیزا چاچی نے اجازت دے دی — ''تین دن ہو گئے ہیں، لڑکیوں کو روٹی کا ٹوٹا ہو رہا ہے — نوجوانی ہے، من موجی معاملہ ہے — روپیہ ہاتھ میں آیا نہیں کہ پانی کی طرح بہا دیا — بیسٹریاں اڑرہی ہیں، ریشمی کپڑے خریدے جا رہے ہیں، اور کبھی پتلون تک ڈھیلی پڑی ہے — یہ نہ ہو، تو جینا مشکل ہے — چھوریں کو ہر ایک کا جی مچلتا ہے، عمدہ سے عمدہ کپڑا چاہئے بدن پر — ،،

ذرا وہ خاموش رہی، پھر بولی: ''تیرا کام سب سے چوکھا ہے: لوگوں کو خوشی بانٹتی ہے، نقد گنتی ہے چھن چھن، کوئی میری طرح تھوڑئی!..،،

موسم کی ٹیر نکل گئی تھی — برف گلے سن سن کر گر رہا تھا، نکھرا نکھرا، پھولا ہوا اور بھاری — سیما کو برف پڑنا اچھا لگتا تھا لیکن آج کے برف پڑنے سے اسے کوئی لطف نہیں آیا: کیا پتہ، اتنا برف پڑ

بالٹی تو فالتو لے جائیے ،، اب کے بڑی بی واقعی ناراض هو گئی —

سیما نے صبر و سکون سے کاندھے جھٹک دئیے اور چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی گئی —

سیما نے گیس کے چولہے پر کل کے رکھے ہوئے کٹلٹس گرم کئیے اور بھوک کے بغیر محض اس خیال سے کھا پی لیا کہ صبح کو تو ناشتہ کیا هی جاتا هے بہرحال — پھر سارا دن پڑا تھا، سارے دن کی محنت سامنے تھی: عمارتی بند و بست کے دفتر جانا تھا روپیہ لینے، پھر وہ روپیہ لا کر تقسیم کرنا تھا—

اس نے خوب گرم کپڑے اپنے اوپر لاد لئیے، اخبار میں تھیلی لپیٹ لی جس میں عام طور سے روپیہ بھرا کرتی تھی—

جب وہ بیرک سے باهر نکلنے لگی تو ڈیوڑھی پر لیزا چاچی سے پھر مدبھیڑ هو گئی—

''آج تنخواہ بانٹنے کا دن هے، نا؟،، بڑی بی نے دل چسپی دکھائی اور هونٹ سکیڑ لئیے، یہ ظاهر کرنا تھا کہ منہ هاتھ دھونے کی جگہ پر جو دو ایک سخت جملے هو گئے تھے، اسے وہ بھولی نہیں هے، البتہ

تھی، آدھی آدھی رات تک شال اور میزپوش کاڑھنے میں آنکھیں ٹپکایا کرتی تھی۔

''دوسری بیرکوں مس لوگ برف سے ہی منھ ہاتھ دھو لیتے ہیں،، لیزا چاچی بڑبڑائی ''اور میرے یہاں نواب زادیاں رہتی ہیں۔ انھیں چشمے کا پانی لا کردو۔ ،،

''وجہ یہ کہ اور بیرکوں میں منھ ہاتھ دھونے کی سلفچیوں میں پانی جم گیا ہے، نل پھٹ گئے ہیں۔ اس لئے برف سے منھ ہاتھ دھونا پڑتا ہے اوروں کو،، سیما نے منھ پر صابن ملتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

''میرے ہاں، وہ بھی نہیں جمتا۔۔۔ لعنت ہو اس پر!،،

''جمےگا کیسے، رات کو آپ اس کا پانی نکال دیتی ہیں اور صبح کو ابلتا ہوا پانی اس میں بھر دیتی ہیں،، سیما نے تولئے سے منھ ہاتھ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

''دوسری بیرکوں میں آدمی رہتے ہیں آدمیوں کی طرح اور یہاں، میرے یہاں ایک ایک قدم پر نظر رکھی جاتی ہے۔ کیا مجال، گرم پانی کی کوئی ایک

تو خود ہی پونچھ دوں گی — کون سا ایسا لمبا چوڑا کام ہے؟''

''اچھا تو لو، جھاڑ پونچھ کا سامان تم پر چھوڑے جاتی ہوں!'' لیزا چاچی نے کچھ اس انداز میں کہا جیسے جھاڑن کے چیتھڑے کم سے کم مخمل کے تو تھے ہی—

''یہ بات ہے تو تم خود پونچھنا'' سیما نے جواب دیا اور منہ ہاتھ دھونے لگی— کوشش یہ تھی کہ ایک بوند بھی باہر فرش پر نہ گرنے پائے—

سیما نے لیزا چاچی کے کہنے کا برا نہیں مانا— انہیں بہت کچھ معاف کر دینے کی عادت ہو گئی تھی سیما کو— آخر بوڑھی عورت صبح سے شام تک ٹانگیں گھستی پھرتی تھی، جیسے پاؤں میں چکر ہو: فرش دھو رہی ہے، کمرے صاف کر رہی ہے، کپڑے دھودھو کر ڈال رہی ہے، ٹانکے بھر رہی ہے، کھانا تیار کر رہی ہے اپنے بچوں کے لئے (سب ملا کر چار تھے لیکن چاچی انہیں ہمیشہ ''غول'' کہتی تھی)— روز کی اس خدمت کے علاوہ اوپر کی بھی محنت مزدوری

وقت کس بے رحمی کے ساتھ تیزی سے گزرا چلا جا رہا ہے۔ ہفتے بھر بعد میں ۲۶ سال کی ہو جاؤں گی، نوجوانی بھر ہاتھوں سے چلی، لیکن اب تک زندگی کی چول ٹھیک نہیں بیٹھی... سیما نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا، لحاف ایک طرف جھٹکا اور ٹھنڈے غالیچے پر ننگے پاؤں رکھ دئے۔

سیما کاندھے پر تولیہ ڈال کر برامدے میں نکل آئی۔ منہ ہاتھ دھونے کی جگہ پر فرش پہلے سے پونچھا جاچکا تھا۔ صفائی کرنےوالی بڑی بی لیزا نے فرش پونچھ‌کر گیلا جھاڑن چولھے کے پاس سوکھنے کو ڈال دیا تھا۔

''سلام چاچی، خیریت؟''، سیما نے پیار سے کہا۔

''ہاں بیٹا، کسی کی خیریت، کسی کی شامت!''، بڑی بی لیزا نے سفید جھاڑن فرش پر ڈال دیا۔ ''پھر فرش پر پانی کردیویں ہیں کہ کسی طرح چین سے نہ بیٹھ سکوں۔ خود تو بستر میں گھسے رہیں ہیں اور میں زمین پونچھتی پھروں۔''

''جانے بھی دو، بڑی‌بی، میں اگر فرش بھگوؤں گی

[illegible]
حزانى



''بس، قصہ ختم!،، ایلیا رومانووچ کے دماغ میں فوراً خیال آیا اور انہوں نے پوچھ ہی لیا:

''آپ کے نام جو خط آئیں، انہیں کس پتے پر بھیجا جائے؟،،

''خط ہی نہیں آئیں گے اب!،، بے پروائی سے اس لڑکی نے جواب دیا اور بولی: ''میشا، دوڑ لو!،،

چوپٹ کھلے ہوئے دروازے میں سے دھوپ کی چوڑی پٹی اندر آئی — ڈاکٹر شیوبلیوا کے سر کے چاروں طرف آخری بار تانبے کا سا سرخ ہالہ بن گیا تھا — باہر سے موٹر کی گھوں گھوں سنائی دے رہی تھی اور ایلیا رومانووچ سے برداشت نہیں ہو سکا، وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور برساتی میں نکل آئے —

لاری جو دونوں کے انتظار میں کھڑی تھی، آہستہ آہستہ اسٹارٹ ہوئی اور دھول کے بادل اوپر کو اٹھانے لگی — ایلیا رومانووچ کو لڑکی نظر نہیں آئی وہ اندر کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی —

بڑے میاں وہیں برساتی میں رہ گئے — قدم نہیں اٹھے، اور وہیں سے وہ ویران سڑک کو دیکھتے رہے جو گرد و غبار میں اٹ گئی تھی، اور انہوں نے

ایک حسرت کے ساتھ سوچا کہ نوجوانی کیسی بےدرد ہو گئی ہے — ''واقعی، کری‌نیتسا نے بلاوجہ وہ سوال نہیں کیا تھا: کہاں کی مٹی ملے گی؟ شاید میرا وقت آگیا...''

وہ ابھی سوچ میں پڑے تھے کہ اچانک کسی کی زور کی آواز نے انہیں چونکا دیا:

''سلام، بابا!''

موڑ سے ایک چھوٹے قد کا چست اور پھرتیلا آدمی اچھل کر سامنے آیا اور ایلیا رومانووچ کو کاغذ کا ایک پرزہ دے کر بولا:

''زمین کے امپرومنٹ کے لئے زمین کی کھدائی کرنے والے اسٹیشن کا پتہ ہے یہ — ہم یہیں ٹھیریں گے — اچھا، میں چلا!''

اس شخص کو بڑی جلدی پڑی تھی — لیکن ایلیا رومانووچ اٹھ کھڑے ہوئے، انہوں نے اس کی آستین تھامی اور کہا:

''اندر چلئے — یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ آپ کی ٹیم میں کل کتنے آدمی ہوں گے — ''

''بس، قصہ ختم!،، ایلیا رومانووچ کے دماغ میں فوراً خیال آیا اور انہوں نے پوچھ ہی لیا:

''آپ کے نام جو خط آئیں، انہیں کس پتے پر بھیجا جائے؟،،

''خط ہی نہیں آئیں گے اب!،، بے پروائی سے اس لڑکی نے جواب دیا اور بولی: ''میشا، دوڑ لو!،،

چوپٹ کھلے ہوئے دروازے میں سے دھوپ کی چوڑی پٹی اندر آئی — ڈاکٹر شیویلیوا کے سر کے چاروں طرف آخری بار تانبے کا سا سرخ ہالہ بن گیا تھا — باہر سے موٹر کی گھوں گھوں سنائی دے رہی تھی اور ایلیا رومانووچ سے برداشت نہیں ہو سکا، وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور برساتی میں نکل آئے —

لاری جو دونوں کے انتظار میں کھڑی تھی، آہستہ آہستہ اسٹارٹ ہوئی اور دھول کے بادل اوپر کو اٹھانے لگی — ایلیا رومانووچ کو لڑکی نظر نہیں آئی وہ اندر کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی —

بڑے میاں وہیں برساتی میں رہ گئے — قدم نہیں اٹھے، اور وہیں سے وہ ویران سڑک کو دیکھتے رہے جو گرد و غبار میں اٹ گئی تھی، اور انہوں نے

نام و نشان نہیں تھا — گہری سیاہ آنکھوں میں خوشی اور راحت کی چمک بھری ہوئی تھی — اس کے سرخ بال سرمئی غبار میں اٹے ہوئے تھے اور لاپروائی کے انداز میں، زنانہ ٹوپی سے لٹیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں —

شیویلیوا کے ساتھ اس مہم کا ہواباز میشا ویخر کھڑا اپنی ٹوپی بےقاعدگی سے ہاتھوں میں پھرائے جا رہا تھا — اس کے متعلق ایلیا رومانوو‌ح کو صرف اتنا معلوم تھا کہ شطرنج کا ایک رسالہ اس کے نام آتا ہے —

ہواباز نے کوشش تو کی کہ چہرے سے شان اور رعب داب ظاہر ہو، لیکن خوشی کی مسکراہٹ برابر اس کے بھرے ہوئے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی —

لفافوں کے پتے دیکھنے کے بعد شیویلیوا نے بے احتیاطی سے چار خطوں کو تو موڑ توڑ ڈالا اور پانچواں اپنے ساتھوالے کے حوالے کیا:

"لو، پڑھو، اماں کا خط ہے —"

"بعد میں، نینا، آخری گاڑی ہے، چھوٹ جائے گی —" ہواباز نے بھاری آواز میں کہا —

''کیا ارادہ ہے، چرنی گوانشچینا میں مرنا پسند ہے یا یہیں کی خاک میں دفنائے جاؤ گے؟''

''ابھی طے نہیں کیا'' ایلیا رومانووچ نے ایمانداری سے دل کی بات کہہ دی — اور اس اجڈ مستری کے سوال کا برا نہیں مانا —

مہم میں جتنے آدمی تھے، ایک ایک کرکے سب ان سے رخصت ہوئے آئے اور سبھی نے ان کے حق میں دعائے خیر کی — بڑے میاں سب کو سوکھے منھ سے رخصت کرتے رہے اور دروازے پر ان کی نظریں چوری چوری لگی رہیں — نیا شیویلیوا کو ڈاکخانے میں صورت دکھائے ہوئے پورا مہینہ گزر گیا تھا — پانچ خط اس کے نام کے پڑے تھے اور وہ کہیں ریگستان کی خاک چھانتی پھر رہی تھی —

وہ اس دن پہنچی جب آخری گاڑیاں گاؤں سے جانے والی تھیں —

ایلیا رومانووچ حسب معمول اپنی کرسی سے ذرا اٹھے اور ابھی سلام دعا بھی نہیں کر پائے تھے، کہ حیرت سے اس کا منھ تکتے رہ گئے — وہ جو پہلے آنکھوں میں اداسی چھائی رہتی تھی، اب اس کا کہیں

گیا ہے،" اس کی جوڑی منیجر پر نیتا نے
اس طرح نظر ڈالی کہ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔
"یہ مٹھائی کی گولی ہے...... منیجر بورنگ
مستری منمنایا۔

"مجھے آپ بالکل بچی سمجھتے ہیں!" شیوبلوا
بے اختیار مسکرا دی۔ "آپ کی مٹھائی کی گولی ذرا
سخت نکلی ہے!"

اس واقعے کے بعد سے ایلیا رومانووچ نے خوشی
خوشی مستری سے بحث شروع کر دی ... یوں میں
کیلا کہ دونوں ہم وطن ہیں۔ اور فوراً ترستہ مکان
کی طرف سے منیجر بورنگ مستری ... کے اور جانے
بننے کی دعوت مل گئی۔

سروے کرنے والا ... رسوف، جس کے متعلق
ایلیا رومانووچ کے دل میں ... شوق ... اسے لے
لگ گئی تھی اور شیوبلوا کے علاج نے اس کی جان
بچائی، وہ اس لڑکی کے نئے ہمدردوں کا ... لے کر آیا۔
ایلیا رومانووچ نے فوراً ... تصور ... کر دیا کہ
ہمیشہ اس کے ماتھے پر بالوں کا گچھا پڑا رہتا ہے اور
آنکھیں تیرتی رہتی ہیں، بلکہ یہاں تک مہربان

چٹختے ہوئے ایندھن کی آنچ مس اپنی اکڑی ہوئی انگلیاں سنکنے لگے —

ایلیا رومانووچ نہ تو ان سے ناراض ہوتے، نہ انہیں وہاں سے ٹلنے کو کہتے — انہوں نے اب اس ٹیم کے لوگوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا تھا— ایک تو وہ جن میں ''آدمیت،، تھی، دوسرے ''یوں ہی سے لوگ،، — ''آدمیت،، والی شمار میں وہ لوگ آتے تھے، جو بڑے میاں کی موجودگی میں ایک بار بھی نینا شیویلیوا کے ساتھ تمیزداری اور خاطر سے پیش آئے ہوں —

شروع مس جس نے بوڑھے پوسٹ ماسٹر کا دل جیتا، وہ بورنگ مستری کری‌نتسا تھا — ڈاکخانے میں اس کی نینا سے مڈ بھیڑ ہوئی — دیکھتے ہی وہ مسکرایا اور جیب مس ہاتھ ڈالے:

''ڈاکٹر، مس آپ کو سب جگہ تلاش کر چکا ہوں — شکریہ اس دوا کا — بخار کی مصیبت دور ہو گئی — لیجئے، شوق کیجئے!،،

موٹر کے تیل اور چربی میں سنے ہوئے ہاتھ سے اس نے جیب میں سے کوئی عجیب سی رنگین ڈلی نکالی —

''کیا ہے یہ؟'' اس کی چوڑی ہتھیلی پر نینا نے اس طرح نظر ڈالی کہ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی — ''یہ مٹھائی کی گولی ہے...'' سینیر بورنگ مستری منمنایا —

''مجھے آپ بالکل بچی سمجھتے ہیں!'' شیویلیوا بے اختیار مسکرا دی — ''آپ کی مٹھائی کی گولی ذرا میل گئی ہے!''

اس واقعے کے بعد سے ایلیا رومانووچ نے خوشی خوشی مستری سے باتیں شروع کر دیں — باتوں میں کھلا کہ دونوں ہموطن ہیں — اور فوراً بڑے میاں کی طرف سے سینیر بورنگ مستری کو گھر آنے اور چائے پینے کی دعوت مل گئی —

سروے کرنے والا بابو رویتسوف، جس کے متعلق ایلیا رومانووچ کے کان میں بھنک پڑی کہ اسے لو لگ گئی تھی اور شیویلیوا کے علاج نے اس کی جان بچائی، وہ اس لڑکی کے لئے پھولوں کا تحفہ لے کر آیا — ایلیا رومانووچ نے فوراً بابو کا یہ قصور معاف کر دیا کہ ہمیشہ اس کے ماتھے پر بالوں کا لچھا پڑا رہتا ہے اور آنکھیں تھرکتی رہتی ہیں، بلکہ یہاں تک مہربان

چیختے ہوئے انجن کی آنچ میں اپنی اکڑی ہوئی انگلیاں سینکنے لگے —

اپنے رومانوی نہ تو ان سے نفرت ہوتی، نہ انہیں وقت سے ملنے کو کہنے — انہوں نے اب اس ٹیم کے لوگوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا تھا — ایک تو وہ جن میں ''انسیت،، تھی، دوسرے ''یوں ہی سے لوگ،، — ''انسیت،، والی شفٹ میں وہ لوگ آتے تھے، جو بڑے میاں کی موجودگی میں ایک بار بھی تنہا شیبیوا کے ساتھ تیمارداری اور خطر سے پیش آئے ہوں —

شروع میں جس نے بوڑھے پوسٹ ماسٹر کا دل جیت، وہ موونگ مستری کری ینما تھا — ڈاکخانے میں اس کی نیند سے منہ بھیڑ ہوئی — دیکھتے ہی وہ مسکرایا اور جیب میں ہاتھ ڈالے:

''ڈاکٹر، میں آپ کو سب جگہ تلاش کر چکا ہوں — شکریہ اس دوا کا — بخار کی مصیبت دور ہو گئی — لیجئے، شوق کیجئے!،،

موٹر کے تیل اور چربی میں سنے ہوئے ہاتھ سے اس نے جیب میں سے کوئی عجیب سی رنگین ڈلی نکالی —

''کیا ہے یہ؟،، اس کی چوڑی ہتھیلی پر نینا نے اس طرح نظر ڈالی کہ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی —

''یہ مٹھائی کی گولی ہے...،، سینیر بورنگ مستری منمنایا —

''مجھے آپ بالکل بچی سمجھتے ہیں!،، شیویلیوا بے اختیار مسکرا دی — ''آپ کی مٹھائی کی گولی ذرا سیل گئی ہے!،،

اس واقعے کے بعد سے ایلیا رومانووچ نے خوشی خوشی مستری سے باتیں شروع کر دیں — باتوں میں کھلا کہ دونوں ہم‌وطن ہیں — اور فوراً بڑے میاں کی طرف سے سینیر بورنگ مستری کو گھر آنے اور چائے پینے کی دعوت مل گئی —

سروے کرنے والا بابو روبتسوف، جس کے متعلق ایلیا رومانووچ کے کان میں بھنک پڑی کہ اسے لو لگ گئی تھی اور شیویلیوا کے علاج نے اس کی جان بچائی، وہ اس لڑکی کے لئے پھولوں کا تحفہ لے کر آیا — ایلیا رومانووچ نے فوراً بابو کا یہ قصور معاف کر دیا کہ ہمیشہ اس کے ماتھے پر بالوں کا لچھا پڑا رہتا ہے اور آنکھیں تھرکتی رہتی ہیں، بلکہ یہاں تک مہربان

کیٹیاپنے کی بات نظر آتی ہے، بائیں طرف کو قلم کا جھکاؤ ہے...،،

ہفتے بھر بعد وہی بات نکلی جو اناستاسیا کو اس روز سوجھی تھی —

شیویلیوا نے خط لکھ کر ان کے حوالے کیا اور آخری لمحے میں لفافے کے اوپر ہی دوسری طرف یہ جملہ اور بڑھا دیا: ''پھر بھی تمہارا انتظار ہے!،،

اتفاق سے اس جملے پر ایلیا رومانووچ کی نظر پڑ گئی اور وہ بیٹھے دیر تک چھت کو تکتے رہے — اور شام کو انہوں نے بیوی سے لفافے کی پشت والی اس تحریر کا ذکر کیا —

بیوی نے آہ سرد بھری اور کہا: ''اسے غم ہے! تم مرد ذات اسے نہیں سمجھ سکتے!،،

* * *

سردیوں میں قربان نے سبزرنگ کے کٹہرے والے کمرے میں لوہے کا چولہا لگا دیا اور اس میں ساکساؤل کی لکڑی کا ایندھن مستقل دیا جانے لگا — آنے جانے والے وہاں دیر دیر تک ٹھیرنے لگے، ہوحق کرنے لگے اور

نے جو پچاس سال سے قاعدے اور ضابطے کی پابندی میں اپنی ایک حیثیت رکھتا ہے، یہ سب کباڑا کر رکھا ہے...

شیویلیوا کے نام باقاعدگی سے خط آیا کرتے تھے اور ویسے ہی باقاعدگی سے وہ بھی جواب دیا کرتی تھی، لیکن اب دفتر کے دفتر نہیں لکھے جاتے تھے — اس کی اداسی اور بڑھ گئی تھی، اور پہلے کی طرح اب بھی اس کی آنکھوں میں غم بسا ہوا تھا —

ایلیا رومانووچ کا کئی بار جی چاہا کہ لڑکی سے پوچھیں تو: آخر دور دراز پر بیٹھا ہوا یہ واہیات شخص کزارتسیف اسے کیا صدمہ پہنچا رہا ہے، اور زندگی کے جھمیلوں کے بارے میں بوڑھے تجربہ‌کار آدمی کے معمولی خیالات سے اس کی کچھ حوصلہ‌افزائی کریں، لیکن عین‌وقت پر خود کو روک لیتے تھے:

"جیسے اس کو میری ہمدردیوں کی ضرورت ہی تو ہے! مجھ بوڑھے آدمی کو بےتکا سمجھے گی، اور کیا — ٹھیک ہی تو ہے — "

ایلیا رومانووچ کو اتنی فکر لگ گئی کہ آخر ان سے ضبط نہیں ہو سکا اور انہوں نے اپنی بیوی کو اس

باوجود کہ — باھروالوں کے لئے منع ہے — اس نے پکارکر کہا:

''شیویلیوا کے نام کا خط ہو تو مہربانی کرکے دےدیجئے!،،

ایلیا رومانووچ نے سٹپٹاکر ادھر ادھر دیکھا، اس کے بعد قمیص ٹیپک کی اور قربان کو نظرانداز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے، دروازہ کھول دیا —

''معاف کیجئے گا،، لڑکی نے منمناکر کہا ''مجھے خط کی سخت ضرورت ہے، بہت ہی ضرورت — ،،

''ایک سیکنڈ ٹھیرئے!،، ایلیا رومانووچ نے کپکپاہٹ میں جواب دیا اور قربان یہ دیکھ کر مبہوت رہ گیا کہ بڑے میاں خطوں کے بنڈلوں کی ڈوریاں تڑاق پڑاق توڑنے لگے —

خط وصول ہوتے ہی شیویلیوا نو دو گیارہ ہو گئی اور ایلیا رومانووچ کئی منٹ تک حیران و پریشان لفافوں کی ان ڈھیریوں کو تکتے رہے جو میز پر بکھری رہ گئی تھیں —

''لاحول و لاقوۃ!،، انہوں نے سر ہلاکر کہا — انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ میں نے، یعنی اس آدمی

لڑکی کے دل پر بوجھ پڑا ہے، آہستہ سے ٹھنڈا سانس بھرا —

شیویلیوا نے اپنے بالوں کو جھٹکا، کھڑکی سے ہٹ آئی اور ایلیا رومانووچ کی طرف ذرا بھی دھیان دئیے بغیر پھر میز پر بیٹھ گئی اور جلدی جلدی قلم کی نب سرسرانے لگی —

''میں جانوں، یہ پھر پوری کاپی بھرے گی،، ایلیا رومانووچ نے حسب عادت مونچھوں کو پھراتے ہوئے سوچا — ''بھلا، اس سنگ دل نے کس بات کا دکھ پہنچایا ہوگا؟،،

دو مہینے تک لگاتار شیویلیوا ہر پانچویں دن ایلیا رومانووچ کے پاس آتی رہی، اور ہمیشہ ایسے وقت آیا کرتی تھی جب موٹر سے اتارکر ڈاک سارٹ کی جاتی تھی —

اب تک کبھی یہ نہیں ہوا تھا کہ ایلیا رومانووچ نے اپنی ذمہ‌داری ادا کرتے وقت کسی کو بھی اندر موجود رہنے کی اجازت دی ہو، لیکن ایک دن دوپہر کے وقت نینا شیویلیوا نے اندر سے بند کمرے کے دروازے پر دستک دی اور پوسٹ ماسٹر کی اس سخت تنبیہ کے

کیا سمجھے تھے، وہ خود کو بھی نہیں سمجھا سکے اور اس کی وجہ سے سارا موڈ ھی بگڑ گیا — خواہ مخواہ کی بلا قربان کے سر آئی، اسے پھر ویسا ھی ایک لکچر سننا پڑا کہ وقت پر ڈاک نہ پہنچانا کتنی غلط بات ہے —

لیکن پانچویں دن، جب شیویلیوا نے قریب قریب ان کے ھاتھ سے لفافہ جھپٹ لیا، تب بڑے میاں کے چہرے پر رونق آئی —

کھڑکی کے پاس کھڑے کھڑے لڑکی نے جلدی جلدی چھوٹے سائز کے چوکور کاغذوں والا خط پڑھا، پڑھتی گئی اور اداس ھوتی گئی، مستقل اپنے ھونٹوں پر زبان پھیرتی گئی، اور ایلیا رومانووچ کو خط لکھنےوالے پر غصہ آتا رہا —

''اس سے ذرا کچھ زیادہ ھی لکھ دیتا! دیکھو تو اس نے پوری کاپی کی کاپی بھر کر بھیجی تھی اور وہ صرف پرزوں پر بس کر گیا — ،،

نیا نے وہ خط آخر تک پڑھا اور کھڑکی کی طرف منھ پھیر لیا — ایلیا رومانووچ نے یہ انداز کرکے کہ

لڑکی نے بڑے بڑے گول حرفوں میں اس پر لکھا:
''ماسکو نمبر ۹ — معرفت ڈاکخانہ — کزارتسیف گیورگی سیمیونووچ کو ملے — '' اس کے بعد چوڑی سی لائن کھینچ دی ازطرف کرکے، مبہم کے ٹھکانے کا پتہ لکھا اور اپنا پورا نام: ''شیویلیوا نینا الیکسیئیونا'' —

ایلیا رومانووچ اچھے موڈ میں گھر آئے، بلکہ راستے میں سیٹی بجا کر کچھ گنگنانے کی بھی کوشش کرتے رہے—

اناستاسیا وسیلیونا نے شبہ کی نظروں سے شوہر کو دیکھا اور پوچھا:

''پھر کچھ گڑبڑ ہوئی کیا، ایلیا؟''

ایلیا رومانووچ نے نگاہ شوق سے اپنی بیوی کو دیکھا اور خلاف معمول توجہ دکھائی:

''کیوں، طبیعت ٹھیک ہے نا؟ کوئی تکلیف تو نہیں؟''

''خدا کی سوار تم پر، تمہیں تو خبر ہے کہ میں پندرہ سال سے بیمار نہیں ہوئی!''

''افسوس...'' بڑے میاں کے منہ سے نکل گیا—

''کیا کہا؟!''

''نہیں، ابھی تو کام ختم ہونے میں گھنٹہ بھر باقی ہے،، ایلیا رومانووچ نے جواب دیا— ''کوئی بات نہیں، تم فکر مت کرو— ،،

''میں ابھی...،،

لیکن اس نے کاغذ کا پیچھا اس وقت چھوڑا جب ڈاکخانے کا وقت ختم ہو گیا— قربان کو اپنے بڑے بابو کی پابندی وقت کی عادت ہو گئی تھی، وقت ختم ہوتے ہی وہ بد مزگی سے کھانس کھنکھار دیا اور اس سگنل کے پاتے ہی لڑکی نے ایلیا رومانووچ کی طرف لکھی ہوئی پوری کاپی بڑھا دی:

''لیجئے، یہ خط اس لفافے میں ہی نہیں سماتا— ،،

بڑے میاں نے کاپی کو دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور گویا وزن کرتے ہوئے فیصلہ دے دیا:

''اسے تو پیکٹ بنا کر بھیجنا ہوگا— ،،

انہوں نے موٹے کاغذ کا ایک سادہ تختہ لے کر موڑا، اس میں ہوشیاری سے کاپی موڑ کر رکھ دی، اوپر کاغذ لپیٹ کر چپکا دیا اور ہتھیلیوں سے مل مل کر جما دیا—

''مہربانی کر کے اس پر پتہ لکھ دیجئے—،،

''ولادیمیر میخائلووچ صاحب، سب ٹھیک ہے۔ شکریہ!''

''اوہو، ڈاکٹر ہے!'' پھر نہ جانے کیوں ایلیا رومانووچ کو خوشی ہوئی اور پہلی بار انہوں نے کرچیےووئی کے بارے میں سوچا کہ یوں برتاؤ میں تو یہ روکھا لگتا ہے، لیکن دل کا اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے۔

''اچھا، اچھا، مانوس ہو جائیے، جم جائیے!'' انچارج نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اگر ضرورت پڑے تو جب، جس بات کو جی چاہے، مجھ سے کہہ دیجئے گا۔''

تھوڑی دیر میں تمام پرانی اسامیوں کا کام ہو گیا، سب چل دئے اور ڈاکخانہ خالی رہ گیا۔ اکیلی وہ لڑکی بیٹھی خط لکھ رہی تھی۔

اس نے نظر اٹھائی تو ایلیا رومانووچ کو اپنی طرف دیکھتے پایا۔ قصوروار کے لہجے میں کہنے لگی:

''میں نے آپ کو روک رکھا ہے، یہ بات؟''

زائیتسیف، پھر وہ بورنگ کا سینیر مستری کری‌نیتسا کھڑا مسکرا رہا تھا، جس نے بڑی پاٹ‌دار آواز پائی تھی — اور اس کے ساتھ سروے کرنےوالا رویتسوف تھا جس کے ماتھے پر بالوں کا لچھا پڑا رہتا تھا...

بہت دنوں سے ایلیا رومانووچ ان سب کو اچھی طرح جانتے تھے — ان لوگوں میں چھیڑ چھاڑ کی مستقل عادت تھی، ہمیشہ زور زور باتیں کرتے تھے اور بے فکری سے سگریٹ کے دھویں چھوڑا کرتے تھے —

کھڑکی کے پاس ایلیا رومانووچ نے ایک انجانی صورت دیکھی — کوئی لڑکی کھڑی تھی — تعجب کے ساتھ اچھا بھی لگا کہ یہ انجانی لڑکی ان عورتوں سے مختلف تھی، جو اس مہم کے اندر عورت ذات کی نمائندگی کرتی تھیں اور اسپورٹس کے پتلون ڈانٹے پھرتی تھیں — یہ لڑکی چھینٹ کی سادہ سی فراک پہنے ہوئے تھی جس پر نیلے رنگ کے چھلے سے بنے تھے —

اس لڑکی کے چمکیلے سرخ بالوں کے اندر سے دھوپ چھن رہی تھی — وہ دفتی کے ایک مڑے ہوئے فائل سے خود کو پنکھا کئے جارہی تھی گویا اس شعلے کو بجھانا چاہتی ہو جو اس کے سر کو گھیرے ہوئے تھا اور اسے تنگ کئے دے رہا تھا —

ظاھر ہے کہ بڑے میاں کہاں جانے والے تھے —
ایلیا رومانووچ کا دل بیٹھنے لگا اور تنہائی کا
سناٹا محسوس ھوا —

• • •

ترکمانیہ کی طول طویل گرمیاں ختم ھو رھی
تھیں —

اکتوبر کا مہینہ تھا کہ ھوا میں خنکی آنے
لگی — زمین کی تہیں چھاپےوالوں کے سراغ اور نکڑنے
لگے — آخر وہ دن آیا کہ ''شکایتیں ڈالئے،، والی
صندوقچی میں ایک کمبخت کاغذ نکل آیا — ایلیا
رومانووچ نے کانپتے ھوئے ھاتھوں سے اس چٹھی کو
آنکھوں کے بالکل قریب لاکر دیکھا کہ پارسل دیر سے
ملنے کی شکایت لکھی ہے — اسی وقت وہ سمجھ گئے
کہ اب خاتمہ بخیر جانو — کہ یہ چٹھی ھوئی —

''بڑے میاں، یہ منی آرڈر لے لیا — بیوی کو
بڑے کوٹ کے لئے بھیجا ہے — ،،

وھی مونچھوںوالا ڈرائیور ایگور مکاریچ کھڑکی
پر کھڑا تھا، اور اس کے پیچھے اس کا دمچھلا ژینیا

زائیتسیف، پھر وہ بورنگ کا سینیر مستری کری‌نیتسا کھڑا مسکرا رہا تھا، جس نے بڑی پاٹ‌دار آواز پائی تھی — اور اس کے ساتھ سروے کرنےوالا روبتسوف تھا جس کے ماتھے پر بالوں کا لچھا پڑا رہتا تھا...

بہت دنوں سے ایلیا رومانووچ ان سب کو اچھی طرح جانتے تھے — ان لوگوں میں چھیڑ چھاڑ کی مستقل عادت تھی، ہمیشہ زور زور باتیں کرتے تھے اور بے فکری سے سگریٹ کے دھوئیں چھوڑا کرتے تھے —

کھڑکی کے پاس ایلیا رومانووچ نے ایک انجانی صورت دیکھی — کوئی لڑکی کھڑی تھی — تعجب کے ساتھ اچھا بھی لگا کہ یہ انجانی لڑکی ان عورتوں سے مختلف تھی، جو اس مہم کے اندر عورت ذات کی نمائندگی کرتی تھیں اور اسپورٹس کے پتلون ڈانٹے پھرتی تھیں — یہ لڑکی چھینٹ کی سادہ سی فراک پہنے ہوئے تھی جس پر نیلے رنگ کے چھلے سے بنے تھے —

اس لڑکی کے چمکیلے سرخ بالوں کے اندر سے دھوپ چھن رہی تھی — وہ دفتی کے ایک مڑے ہوئے فائل سے خود کو پنکھا کئے جارہی تھی گویا اس شعلے کو بجھانا چاہتی ہو جو اس کے سر کو گھیرے ہوئے تھا اور اسے تنگ کئے دے رہا تھا —

[illegible] کہ بڑے میاں کہاں جانےوالے تھے—
[illegible] کے [illegible] بیٹھنے لگا اور تنہائی کا
[illegible]

* * *

[illegible] گرمیاں ختم ہو رہی
[illegible]

[illegible] کہ ہوا میں خنکی آنے
[illegible] والوں کے مزاج اور نگڑنے
[illegible] کہ "شکپنی ڈاٹنے" والی
[illegible] نکل آیا— ابلیا
[illegible] اس چٹھی کو
[illegible] دیکھا کہ پارسل دیر سے
[illegible] ہے— اسی وقت وہ سمجھ گئے
[illegible] کہ یہ چٹھی ہوئی—
[illegible] میاں، یہ منی آرڈر لے لینا— بیوی کو
[illegible] کے لئے بھیجا ہے—"
[illegible] مونچھوں‌والا ڈرائیور ایگور مکاریچ کھڑکی
[illegible] اور اس کے پیچھے اس کا دمچھلا زینیا

اب وہ لوگوں کی نظروں سے ہٹ کر پیچھے جا پڑے ہیں — غور کا مقام ہے کہ یہ بے حیثیتی کن لوگوں کی وجہ سے —— ان کی وجہ سے، جو اتفاق سے، چلتے پھرتے، ادھر آ نکلے ہیں!

''ہاں، ہیں تو چلتے پھرتے ہی،، ایلیا رومانووچ نے رنج کے ساتھ سوچا — ''یہاں وہاں ٹکریں ماریں گے، شور غل کریں گے، ویرانوں کے چکر لگائیں گے اور پھر —— سوچتے پھرو، کون تھے، کہاں گئے!،،

اور تو اور، بیوی کے ساتھ عریق کے کنارے شام کا ٹہلنا تک جاتا رہا — اس کا سبب مہم‌والی ٹیم کا کلب — پچاس برس کا ساتھ تھا — کبھی بیوی نے شوہر کی مرضی لئے بغیر اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا، لیکن کلب کھلا تو وہ روز روز سینما دیکھنے جانے لگی — ایلیا رومانووچ نے انہیں یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ تمہاری عمر کو یہ بات بالکل زیب نہیں دیتی لیکن اناستاسیا نے افسوس کے ساتھ ایک آہ سرد بھری اور بولیں:

''بوڑھاپا چھانے لگا تم پر، ایلیا — چھوڑو، تم بھی میرے ساتھ چلو — آج ''کیوبان کے کزاک،، پکچر دکھائی جائے گی —،،

گاؤں میں دن رات موٹروں کی بھاری گڑگڑاہٹ مچی رہنے لگی — ہوا میں پٹرول کی ناگوار بو بس گئی — اور گھر سے ڈاکخانے جاتے وقت ایلیا رومانووچ مسلسل دائیں بائیں مڑمڑ کر دیکھتے جاتے تھے: یہ جو موٹر ڈرائیور لوگ ہوتے ھیں، انہیں ٹریفک کے قاعدوں کی کوئی خاص فکر نہیں ہوتی —

جس دن سے یہ زمین کے اندر کی چھان‌بین کرنے‌والے یہاں گاؤں میں نمودار ہوئے تھے، اسی روز سے ایلیا رومانووچ کو ان سے چڑ ہو گئی تھی — جہاں بھی وہ ان ھنستے کھیلتے، بے تکلف لوگوں کو دیکھ لیتے جو ہمیشہ جلدی مچائے رہتے ہیں، تو ایلیا رومانووچ پر رعب سا پڑ جاتا تھا اور اپنی طاقت پر سے اعتماد اٹھ جاتا تھا —

دل کی گہرائی میں سخت ناگواری کا جذبہ گھر کر گیا تھا کہ دیکھو، کل تک مرے میں بسر ہو رہی تھی، سب کی نظروں میں وقعت تھی میری، گاؤں میں خود کو قریب قریب سبھی سے زیادہ باحیثیت آدمی سمجھتا تھا اور اب کیا ھے، نہ وہ پہلے کی سی سلام دعا ھے، نہ ان کی شخصیت کا وہ احترام باقی ھے — یعنی

''نہیں، ہوا میں خنکی ہے، نزلہ ہو جائیگا — چلو، کل تمہیں ڈیوٹی کرنی ہے — ''

گھر آتے ہوئے ایلیا رومانووچ کے خیالات اس طرف مڑ جاتے کہ وہ ٹھیک طرح سے زندگی کے آخری دن بسر کر رہے ہیں، صرف بعض اوقات ان کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے اور وہ اس شبہ کو دماغ سے نکال دینا چاہتے تھے کہ گاؤں میں یہ ڈاکخانہ، تمام اسٹاف سے الگ تھلگ، اوپر کے افسروں نے خاص کر اس غرض سے نکالا ہے کہ مجھے بڑھاپے میں سکون کی جگہ مل جائے...

صبح کو ایسے تمام ناگوار خیالات سے ان کا دماغ پاک ہوتا تھا اور وہ ہرے بلبلوں والے تختوں کی آڑ کے ایک طرف بیٹھے ہوئے اس صندوقچی کو اطمینان قلب سے دیکھا کرتے، جو ہمیشہ سے خالی چلی آ رہی تھی، جس پر انہوں نے بقلم خود یہ الفاظ لکھ رکھے تھے:

''شکایتیں ڈالئے — ''

... یہ سکون کی دنیا اچانک درہم و برہم ہو گئی اور سب کچھ تلپٹ ہو گیا —

ایلیا روماناوچ کو ان لمحوں میں ایک دم اپنی طول طویل زندگی کے واقعات یاد آنے لگتے ـ

جوان بیٹے کا چہرہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا، جو ۱۹۴۳ء کی لڑائی میں مارا گیا تھا ـ اپنی جنم بھومی چرنی گوفشچینا جو یاد سے جاتی رہی تھی، اس کے سفیدوں کے تیے دھندلے میں سے ابھر کر نظروں کے سامنے آنے لگتے ـ ملازمت کی ناکامیاں اور کامیابیاں خود بخود ایک ایک کرکے یاد آنے لگتیں اور اس لمحہ سے کلیجہ چھدنے لگتا کہ ایک ھی پوتی تھی، جو لینن گراد یونیورسٹی میں پڑھتی تھی اور تین مہینے ہونے کو آئے اس سے اتنا بھی نہیں ہوا کہ دادا دادی کو کم از کم ایک کارڈ ھی ڈال دیتی...

سورج اچانک ریت کے ٹیلوں کی سرمئی آغوش میں چھپ جاتا تھا تو اندھیرے میں سے سردی کے تھرتھراتے ہوئے تار بجنے لگتے تھے ـ اناساسیا اپنے شوھر کے شانے کو ٹھوکا دیتیں:

''گھر جانے کا وقت ہو گیا، ایلیا''

''اور دم بھر تو ٹھیرو، اناساسیا ـ دیکھو، پانی کیسے مزے میں چل رھا ہے ـ''

نہیں، بلکہ اس کہا سنی میں بھی شریک ہوگا کہ اس خط کا جواب کیا جانے والا ہے—

مغرب سے پہلے ایلیا رومانووچ گھر کو روانہ ہو جاتے تھے، اپنی بیوی اناستاسیا وسیلیونا کا ہاتھ میں ہاتھ لیتے اور دونوں میاں بیوی بڑی عریق* کے کنارے ٹہلتے ہوئے چلے جاتے—

یہاں، انگور کے گھنے باغیچے میں، سب سے اونچے سر و قامت درخت کے نیچے اناستاسیا وسیلیونا چھوٹا سا ایک نرم غالیچہ ڈال دیتی تھیں اور بوڑھا بوڑھیا آرام سے بیٹھے، خاموشی کے ساتھ جنوب کی مختصر سی شام کا لطف لیا کرتے—

عریق میں مٹیالے رنگ کا پانی چھل چھل کرتا رھتا، انگور کے پتوں کی سرسراھٹ مدھم سی سنائی پڑتی اور سورج کہیں بہت دور، ریگستان کے نیلے دھندلکے میں غوطہ لگا کر غائب ھو جاتا—

---

* نالی سے بڑی اور نالے سے چھوٹی عریقیں وسط ایشیا میں آبپاشی اور شہری استعمال کے لئے واٹر ورکس کے طور پر ایک زمانے سے رائج ھیں— (مترجم)

نہیں ہوا، ایلیا رومانووچ صاحب اور ٹھہر کر آ سکتے تھے ــ کوئی ہرج نہیں تھا ــ

''ڈیوٹی جو ٹھہری!،، بڑے میاں مختصر لفظوں میں جواب دیتے، اور دفتر کا وقت شروع ہو جاتا ــ

دوپہر کے قریب پرانی سی ایک جھٹکے کھاتی ہوئی لاری ڈاک پہنچانے آتی تھی ــ

ایلیا رومانووچ ہاتھوں ہاتھ سادہ اور رجسٹرڈ خط چھانٹ دیتے، پارسل وصول کرتے اور اس سے نمٹ کر وہ قربان پر حکم چلاتے:

''ڈاکیے کی سب سے بڑی ڈیوٹی یہ ہے کہ ڈاک وقت پر پہنچائے ــ کہیں اٹکنا مت، کسی اور بات میں مت لگ جانا!،،

قربان سر سلیم خم کر دیتا تھا، کاندھے میں تھیلا لٹکا لیتا اور وہاں سے چل دیتا ــ ایلیا رومانووچ آہ بھر کر اسے رخصت کرتے ــ وہ پہلے سے اچھی طرح واقف تھے کہ یہ شخص جس گھر میں ڈاک لے کر جائےگا، وہاں گھنٹہ بھر لگا دےگا، جب تک اس کے سامنے کئی بار خط نہیں پڑھا جائےگا، وہ وہاں سے سرکےگا

''کہئے، کل جو خط آیا تھا آپ کے بیٹے قرا آتا
کا، خوش‌خبری ہے؟''

یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ وردی کی سرکاری ٹوپی
کو ہاتھ لگائے بغیر ہی، کسی قدر اکڑکر اور سفید
مونچھوں پر تاؤ دے کر، سامنے سے آنےوالے کی راہ میں
ڈٹ کر کھڑے ہوجاتے اور پوچھتے:

''کیوں جی، میں جانوں، آپ بڑے مشہور آدمی
ہیں، ٹیم کے لیڈر، آ ک محمد؟ بہت لوگ خط لکھتے
ہیں آپ کو— لیکن یہ کیا بات، دو خطوں کا اب
تک جواب نہیں گیا— لوگوں کو انتظار ہوگا!''

بچارہ آ ک محمد شرمندہ ہوکر قسمیں کھاتا
کہ بہت اچھا، آج ہی جواب لکھوں‌گا— اور ایلیا
رومانووچ اس فخر کے ساتھ کہ انہوں نے اپنا فرض ادا
کر دیا، ڈاکخانے‌والی سڑک کو ہو لیتے—

قربان دوہری ڈیوٹی دیتا تھا— ڈاکیے کے علاوہ
رات کی پہرہ‌داری بھی اسی کے ذمے تھی— وہ دروازے
کے لوہے کے بولٹ کو کھڑکھڑاکر کھسکاتا اور اپنی
واحد آنکھ چھت کی طرف اٹھاکر ناگواری سے بڑبڑاتا
کہ تالہ جالہ سب ٹھیک ہے، رات کو کوئی حادثہ

لیس‌دار ململے سے پھٹ پڑے جس کی وجہ سے اندر آنے والوں کو آڑ سے ذرا ہٹ کر، فاصلہ چھوڑ کر کھڑا ہونا پڑتا تھا —

سارا اسٹاف لے دے کر دو آدمیوں کا تھا — ایک تو خود ایلیا روماںوچ ، دوسرے یک چشم ڈاکیہ، قربان — یہ ڈاکیہ عمر میں اپنے پوسٹ ماسٹر صاحب سے کوئی پانچ دن چھوٹا ہوگا اور بس!

یہاں کا چارج لیتے ہی ایلیا روماںوچ کی ایک دم کایاپلٹ ہو گئی — پہلے کی سی خوداعتمادی واپس آ گئی، کام اطمینان سے چلنے لگا اور سب سے بڑی بات یہ کہ یہاں انہوں نے محسوس کیا: میری ضرورت ہے لوگوں کو، میری عزت ہے لوگوں میں —

صبح کے ساڑھے سات بجے ایلیا روماںوچ نوکری پر روانہ ہو جاتے تھے — آہستہ آہستہ، بلکہ ذرا شان کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے وہ گاؤں سے گزرتے تھے، کاشتکار انہیں سلام کرتے تو وہ جواب میں بکمال شفقت اپنی سرکاری ٹوپی اٹھا کر جواب دیتے، ٹہیر ٹہیر جاتے اور لوگوں سے خیریت پوچھنے لگتے :

اور آدھے گھنٹے بعد درخواست لے کر اضلاعی دفتر کے
انچارج کی خدمت میں پہنچ گئے — درخواست یہ کی
گئی تھی کہ کسی ایسی جگہ میرا تبادلہ کر دیا
جائے ''جہاں ذرا زیادہ سکون ہو، ذرا کم ذمہ داری
ہو —''

انچارج نے ان کی درخواست اول سے آخر تک توجہ
سے پڑھی اور کہا کہ وہ کوئی ہفتے بھر بعد آئیں —
اس واقعے کے ایک مہینے بعد ایلیا رومانووچ اپنی بیوی
اناستاسیا وسیلیونا کے ساتھ ایک ایسے گاؤں میں موجود
تھے جس سے ریلوے لائن سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہوکر
گزری تھی اور وہ یہاں کے ڈاکخانے کے انچارج بن کر
ے تھے —

گاؤں کا یہ ڈاکخانہ مٹی کے ایک کچے مکان میں
— مکان میں صرف ایک کمرہ تھا جسے چھوٹے
کے تختوں کی آڑ کھڑی کرکے بانٹ دیا گیا تھا —
کو ٹھیک ٹھاک کرنے کے لئے ایلیا رومانووچ کے
ر بیچ کے کٹھرے کو، جس کے دوسری طرف
ے والے بیٹھتے ہیں، سبز رنگ دیا گیا — رنگ
کلا کیونکہ گرمیوں کے وقت تختوں پر

کر دیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ ''استھنا جانے کی وجہ
سے اب میں ناچ کے قابل نہیں رہا ۔۔
انچارج نے بظاہر برا سا منہ بنایا اور سمجھایا:
''فضول بات کرتے ہیں آپ، ایلیا رومانووچ! ابھی
آپ بالکل صحیح سلامت ہیں ۔۔ اور فوراً یہ جملہ
بڑھایا ''صرف اتنی بات ہے کہ ناچ بہت تھکاتا ہے ذرا
آرام کی ضرورت ہے۔ اپنی طرف سے میں سامنے عرض
کروں گا کہ آپ کو بس خوب بڑھ کر ملے ۔۔
''بے انتہا احسان مند ہوں''، ایلیا رومانووچ نے
ذرا گردن جھکا کر جواب دیا۔ اور اس لڑکی کے
سامنے سے گزرتے ہوئے، جس کے رخسار ندامت سے لال
گل جھ جھ کر رہے تھے، انہوں نے ایک چٹکی بھری:
''محترمہ، بہت افسوس ہے کہ جب آپ میری عمر
کو پہنچیں گی تو میں دنیا میں موجود نہیں ہوں گا،
ورنہ اس وقت ہم دونوں پچھلے زمانے کے مشغلے برابر
کا موازنہ حال کرتے''۔۔
لڑکی کا چہرہ سمٹ گیا اور اس پر کہیں کہیں سرخ
رنگ کا دھبہ پھوٹ پڑا۔ ایلیا رومانووچ اپنی تسلی
کرکے مسکراتے ہوئے سر لمبوں سے باہر نکل آئے

کام کے کافی دباؤ اور خاصی ذمہ‌داری کا عہدہ ملنے کی وجہ سے ان میں اور جان آ گئی تھی — لیکن لڑائی ختم ہونے کے فوراً بعد چند مہینوں میں انہوں نے محسوس کیا کہ طاقت جواب دے رہی ہے — وقت پر کام نہیں نمٹتا اور ساتھ کے لوگ کوشش کرتے ہیں کہ ان پر کام کا بہت بوجھ نہ پڑے، ان کی غلطیوں کو، بھول‌چوک کو بھی ٹال جاتے ہیں — ایلیا رومانووچ نے خود کو کافی کسا بھی، من کو یہ بھی سمجھانے کی کوشش کی کہ صرف اتنی بات ہے : میں ذرا تھک گیا ہوں — عمر سے اس کا کیا واسطہ! لیکن ایک بار کہیں منی آرڈر کے سلسلے میں ان سے کوئی غلطی ہو گئی تو اتفاق سے ان کے کانوں میں یہ جملہ پڑا، جو لال گالوں‌والی خزانچی نادیا نے بڑے اطمینان سے کہا تھا :

”ان سے اور کیا امید ہے؟ پتھر کے زمانے کے آدمی ہیں وہ تو...“

دوسرے ہی دن ایلیا رومانووچ نے ڈاکخانے کے انچارج سے کہا کہ مجھے اب نوکری سے سبک‌دوش

ادھر کھڑکی کے دوسری طرف کھڑے ہوئے لوگوں نے آوازے کسنے شروع کئے:

''ذرا جلدی ہاتھ ہلاؤ، چاچا!''

''گاڑی خواہ مخواہ رکی ہوئی ہے!''

جب سے جیولوجی والوں کی ٹیم گاؤں میں آئی تھی، ایلیا رومانووچ کے دل کا قرار اور گھر کا چین، سب جاتا رہا تھا—

بقول ان کے ''زندگی کا آخری ڈھرا'' جس پر وہ بہت سختی سے چلتے تھے، اب ایک دم سے بگڑ گیا تھا اور اس میں بڑی اونچ نیچ اور پیچ و خم پیدا ہو گئے تھے—

... ڈاکخانے کے محکمے میں ایلیا رومانووچ نے اس وقت نوکری شروع کی تھی جب روس کا پہلا انقلاب بھی نہیں ہوا تھا— یعنی ۱۹۰۵ء سے پہلے، سمرقند میں کام کیا، پھر تاشقند کا تبادلہ ہو گیا—

دوسری جنگ عظیم کے وقت ایک اضلاعی شہر میں کمیونی کیشن کے علاقائی دفتر میں وہ ڈپٹی پوسٹ ماسٹر ہو گئے تھے— کہ انہوں نے اچھی طرح کیا—

اس روز صبح کو، جب ڈاکخانے کے دروازے کے پاس ایک کار آ کر ٹھیری، لمبے قد کا ایک شخص ہری برساتی پہنے ہوئے نکلا اور آڑ کے پاس آیا تو ایلیا رومانووچ کے دل کی دھڑکن لمحے بھر کو رک گئی — ان کے دل کو خبر ہو گئی کہ بس اب آثار اچھے نہیں ہیں —

ہری برساتی والے نے ٹوپی اتاری، رومال سے گنجی چاند پونچھی اور خوش مزاجی کے ساتھ بڑے میاں کو آنکھ کا اشارہ کیا —

"ابھی اپریل کا مہینہ ہے اور آپ کے ہاں اتنی گرمی ہے!"

ایلیا رومانووچ نے نیچے کا ہونٹ دانتوں سے دبایا اور جواب دینے کے بجائے ایک نکونے دستی لفافے پر بہت زور کا ٹھپہ مارا —

گنادی کالینوفسکی ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے — سوویت ادیبوں کی نوجوان نسل کے نمائندے ہیں — مختصر زندگی میں بعض بڑے جانبازی کے کارنامے انجام دئے ہیں — جنگ کے زمانے میں ایک چھاپہمار دستے سے وابستہ رہے جو بیلوروس کے جنگلوں میں لگا ہوا تھا — جنگ کے بعد وسط ایشیا میں ارضیات کے کھوج لگانے والی مہموں میں شریک رہے —

''وہ لو، لاری آ رہی ہے— واسیا کی گاڑی ہے—
''پہلا پنج سالہ پلان،، کے فارم سے آرہی ہوگی،،
الکسئی نے کہا— مجھے لاری کہیں نظر نہیں آئی،
لیکن اپنا سامان سمیٹنے لگا— اتنے میں لاری نظر آئی—
افسوس کہ آگے کی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ کوئی اور
بیٹھا ہوا تھا—میں نے اپنا اوورسیری کا سامان بکس
سمیت اٹھاکر گاڑی کے پیچھے ڈالا، الکسئی سے رخصت
ہوا اور گاڑی کے پیچھے لد گیا— جب ہم ان کھیتوں
اور درختوں کے پاس سے گزر رہے تھے، جن پر بہار
سکرا رہی تھی، تو میں دیر تک سوچتا رہا کہ انسان
ں کیا نیا حسن پیدا ہو رہا ہے—



''وہ بھی وہاں موجود ہے— اس سے کچھ بن
نہیں پڑتا — ''

''میں ایک‌دم اچھل کر کھڑا ہونےوالا تھا کہ
اس نے میرے گال سے اپنا ٹھنڈا گال ملا دیا اور میرے
کان میں چپکے سے کہا: ''الکسئی، تم اچھے ہو،
خوبصورت ہو، مگر بھلا، غیروں کے سامنے کہیں ایسی
حرکت...'' اس کے بعد وہ بھاگ کھڑی ہوئی اور
ماں جو دروازے میں تھیں، اس کی جھپیٹ میں آ گئیں —

''میں اپنے پلنگ پر بیٹھ گیا— سوچوں کہ
''آخر میری صورت اس کی نظروں میں چڑھی تو سہی!''
ماں دودھ کی بالٹی لئے ہوئے آئیں اور مجھے تکنے لگیں
جیسے دم بخود ہوں: ''الکسئی، تجھے یہ ہوا کیا
ہے؟'' میں نے پوچھا: ''کیوں، کیا ہوا؟'' ''ذرا آئینہ
دیکھ جاکر...'' میں نے آئینہ دیکھا تو منہ سے
ہائے نکل گئی —— سارا چہرہ سوجا ہوا تھا — مکھیوں
نے رات کو مجھے خوب کاٹا تھا — ہونٹ پھول گیا
تھا —— آنکھ کے نیچے یہ بڑا نیلا گومڑ پڑا تھا،
جیسے روشنائی مل رکھی ہو...

''دوسیا نے سوجی ہوئی شکل دیکھ کر سمجھ

''الکسئی، یہ مکھیاں کون لے کر آیا ہے؟''

''معلوم نہیں'' میں نے جواب دیا اور دوسری طرف کو منھ کر لیا —

''ناراض مت ہو، الکسئی — وہ پیلاگینا آئی ہیں'' وہ بولی —

''کیوں آئی ہیں؟''

''اپنے چھتے واپس مانگتی ہیں — برا بھلا کہہ رہی ہیں — ''

''مت دینا، ان کے نہیں ہیں — یہ مکھیاں اور چھتے فیودر نکی‌تیچ کے ہیں...''

''فیودر نکی‌تیچ بھی ساتھ آئے ہیں، کھیت میں گئے ہیں — ''

''تو کیا ہوا؟..''

''وہ مکھیاں پھرتے جا رہے ہیں اور بیوی حکم چلا رہی ہیں —''

''میں جانوں ڈرائیور، وسیلی ایوانووچ، یہ چھتے لایا تھا — جاؤ — جا کر اس سے کہو — وہ کرے گا کچھ — ''

ان کے ہاں بیٹھا گیارہ بجے تک سمجھاتا رہا، کہتا
کہ اگر وہ ہمیں عارضی طور پر چھتے دے دیں
تو خود ان کا فائدہ ہے کیوں کہ موٹے اناج سے محا
مکھی جو شہد لاتی ہے، وہ دنیا میں سارے شہدوں سے
عمدہ ہوتا ہے۔ کبھی وہ اقرار کریں، کبھی انکار۔
ان کی بیوی پیلا کیتا اصل میں چھتے دینے کے سخت
خلاف تھیں۔ آخر جب وہ سونے چل دیں تو میں
نے چچا کو راضی کر لیا۔ میں نے اور ڈرائیور نے مل
کر چھتے لاری میں رکھے، اپنے فارم لائے اور اسی رات
کھیت میں محال مکھیاں چھوڑ دیں۔ میں نے
ڈرائیور سے کہہ رکھا تھا کہ کسی کو بتانا مت،
خاص کر دوسیا کو یہ نہ چلے کہ میں مکھی لایا
ہوں۔ اس کام سے نمٹ کر میں گھر چلا گیا۔ اتنا
تھک چکا تھا کہ پھر آتے ہی بستر پر کپڑے پہنے
ہنے سو گیا۔ ابھی آنکھ لگے دیر نہ ہوئی تھی کہ
سی نے میرا نام لے کر پکارا۔ ہڑبڑا کر اٹھا۔ کمرے
ں روشنی تھی۔ ماں جا چکی تھیں مگر دوسیا میرے
د کے پاس کھڑی تھی اور اس طرح تک رہی تھی
ے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔،،

''اور اتفاق کی بات، اسی روز لڑکیوں کو پتہ چلا کہ پودوں کا زیرہ پودوں کو دلوانے کے لئے شہد کی مکھیاں کم پڑیں گی — وہ فوراً ''پییدا،، نام کے کالخوز کو روانہ ہوئیں — کافی فاصلے پر ہے یہ فارم، دریا کے اس پار — وہاں جاکر انہوں نے کچھ چھتے اپنے کھیت کے لئے مانگنے چاہے — لیکن وہ لوگ اپنی چیز دینے کو تیار نہیں — ہمارے کالخوز کا چیرمین بھی مانگنے گیا، پاولوشکا سائیکل لے کر پہنچا، خود دوسیا گئی عرضی لے کر، لیکن سب عرض معروض بیکار — میں نے دیکھا کہ معاملہ بگڑ رہا ہے — فارم کا چیرمین گالیاں دے رہا ہے، دوسیا رو رہی ہے — مگر میں خود اس سلسلے میں جانا نہیں چاہتا تھا — میرے جانے سے دوسیا یہ مطلب نکالتی کہ میں اس کی نظروں میں چڑھنے کے لئے ایسا کر رہا ہوں — خیر، تو، دوسرے دن میں نے طے کیا کہ جانا ہی پڑے گا — میں نے شام کو اپنی چھوٹی لاری لی اور ''پییدا،، فارم کو روانہ ہو گیا — وہاں میرے رشتے کے ایک چچا فیودر نکیتیچ رہتے تھے — ان کے پاس شہد کی مکھی کے بارہ چھتے موجود تھے — میں

کا پانچواں پہیہ — بالکل فالتو — اس مدد کے بغیر کام چل جائے گا ہمارا — جب فصل دیکھ لی تو دوسروں کے کام کا سہرا اپنے سر باندھنے آ پہنچیے —،، وہ کہتی رہی — نہیں معلوم، واقعی مجھے دکھ دینا چاہتی تھی یا غصے میں بکتی چلی گئی، لیکن یوں لگا کہ الفاظ نہیں، طمانچہ پڑا ہے — ،،ذرا سوچ سمجھ کے کہنا دوسیا، نہیں تو زندگی بھر ادھر کا رخ نہیں کروں گا — ،، میں نے کہا — اور اس کا ترکی بہ ترکی جواب ملا ،،فکر مت کرو — میں اپنے کھیت پر اب تمھیں قدم رکھنے ہی نہیں دوں گی — جانتی ہوں — دوسروں کی محنت اپنے نام لکھوانے کی فکر میں ہو،، — یہ الفاظ زخم پر نمک کا کام کر گئے — میں نے اس زور سے اپنے ہونٹ کاٹے کہ ان میں خون اچھل آیا — اور مجھے خاموش رہنا پڑا، ورنہ غصے میں اس وقت کچھ کہہ جاتا تو بعد میں شرمندگی رہتی — میں نے اس کی گری ہوئی کنگھی اٹھائی، اس کے ہاتھ میں دی اور وہاں سے چل دیا — ،،لو، بس، ختم — اب یہ اپنا کام خود کرتی رہیں، مجھ سے کچھ واسطہ نہیں!،،

کھیت کے چکر کیوں کاٹتا پھرتا ہوں — بلا سے، ساری دنیا کو خبر ہو جائے — میں ڈرتا نہیں ہوں،، — یہ سوچا اور جھٹ سے اسے لپٹا کر پیار کرلیا — اس نے بہتیرا خود کو چھڑایا، منہ دوسری طرف کو پھیر لیا، لیکن اس کی جگہ کوئی مرد ہوتا تو بھی میری پکڑ سے چھوٹ نہیں سکتا تھا —

''لڑکیوں نے شور مچایا، ہائے وائے کی، ہنسیں — مگر میں اسے پیار پر پیار کئے چلا گیا — جب دیکھا کہ یہ رو دے گی، چھوڑ دیا — سامنے کھڑی، منہ لال انگارہ، بال الجھے ہوئے، دوپٹہ کمر پر پڑا ہوا — ''دیکھو، کتنا اناج کچل ڈالا، کتنا نقصان کردیا،، اس کے منہ سے بس یہی نکلا — میں نے جواب دیا، کوئی بات نہیں — نقصان سے زیادہ فائدہ بھی تو کیا ہے — تمہاری مدد بھی تو کی ہے میں نے — ''مدد کی ہے! تم کہتے ہو — جب دیکھا کہ اناج زوروں میں بڑھ رہا ہے تو چلے اپنی مدد کا ڈھنڈورا پیٹنے — یاد نہیں، جلسے میں کیا کہا تھا؟،، میں اس کے طعنے کا جواب دیتا لیکن اس نے بولنے ہی نہیں دیا : ''تمہاری مدد کے جیسے ہم محتاج ہی تو تھے : گاڑی

دوسیا کی بتائی ہوئی فصل بڑے زوروں میں بڑھتی چلی جا رہی تھی — کھیتوں میں یوں لگتا تھا کہ دودھ ہی دودھ بھرا ہوا ہے—— موٹے اناج کا سفید رنگ ایسا پھولا کہ آنکھوں میں چکا چوندھ ہونے لگے — تتلیاں اڑتی پھرتی تھیں — ہرے بھرے کھیت کو دیکھ کر دل میں ٹھنڈک پڑتی تھی —

''ایک روز میں وہاں پہنچا، جہاں دوسیا اور اس کی ساتھ والیاں کھیت نرا رہی تھیں — ''

''کیوں، روز روز تم ادھر کا چکر کیوں لگاتے رہتے ہو؟'' دوسیا نے ٹھنک کر پوچھا —

''وہ میرے سامنے کھڑی ہو گئی — آستینیں چڑھا رکھی تھیں — دونوں ہاتھوں میں جھاڑیاں تھیں — مجھے اور میری ٹائی کو دیکھے جا رہی تھی اور مجھے نظر آ رہا تھا کہ میرا مذاق اڑا رہی ہے —

''اچھا، تو ایسی ہو تم '' میں نے اپنے دل میں سوچا ''جب ہم اکیلے ہوتے تھے تو تمہارے منھ سے ایک لفظ نہیں نکل پاتا تھا، شرماتی تھیں، اور اب، دوسروں کے سامنے، میرا مذاق اڑاتی ہو — اچھی بات، میں بھی دکھا دوں گا کہ روز روز تمہارے

دیکھتے رہتے ہو، بیٹے؟،، انہوں نے پوچھ لیا ''کہیں دانے تو نہیں نکل آئے ہیں؟..،، میں نے گڑوں کی دوکان سے ایک ٹائی خریدی— پہلے کبھی ٹائی کا شوق نہیں تھا— گردن گھونٹتی ہے آدمی کی— لیکن ٹائی بھی لے لی— ایک استاد کے پاس پہنچا کہ اس کم بخت چیتھڑے کو باندھنا سکھا دے— ٹائی کس کر میں نے اپنی صورت آئینے میں پھر دیکھی— ٹائی لگنے سے بھی کوئی خاص خوبی نہیں آئی— مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ شہر میں کومسومول کے خاص کارکنوں کے جلسے میں گیا تھا— ہم لاری میں بیٹھے چلے جا رہے تھے— جیسے ہی سڑک پر کوئی سائیکل والا نظر آتا میرے دانت بھنچ جاتے— سائیکل سے مجھے خدا واسطے کا بیر ہو گیا تھا، اور کچھ نہیں— اس لونڈیا نے یہ کر دی میری حالت—

''گرمیوں کا موسم آیا— دن کو کافی گرمی ہونے لگی— اکثر ایسا ہوتا تھا کہ صبح کو آنکھ کھلی، کھڑکی چوپٹ کھول دی، ہاتھ باہر نکال دیا، اتنی گرمی جیسے ہاتھ گرم پانی میں ڈال دیا ہو—

مجھے تم سے ڈر لگتا ہے — تم اپنی ہٹ کے پکے ہو اور میں اپنی رائے کی ضدی ہوں — ہمارا نباہ نہیں ہونے کا،، — یہ کہہ کر وہ چل دی — اس اتوار کو پاولوشکا اسے اپنی سائیکل پر چڑھی کھلانے لے گیا —

،،میں نے جی میں سوچا —— قصہ تمام — جب وہ چاہتی ہی نہیں، تو پھر کیا رہا، ختم — ناچ کی محفلوں میں آنا جانا چھوڑ دیا — شام کے بعد گھر پر رہنے اور مطالعے میں گم رہنے لگا — فرصت کے سارے وقت میں پڑھے جاتا تھا اور مجھے یوں لگتا تھا کہ دوسیا میرے پاس بیٹھی ہوئی وہی کتاب پڑھ رہی ہے — ان دنوں میرا کچھ دماغ چل نکلا — سچ مانتا یہ ہونے لگا کہ بار بار خود کو آئینے میں دیکھتا تھا — اس سے پہلے زندگی میں کبھی آئینہ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا، لیکن اب آئینے کے سامنے کھڑا خود کو تک رہا ہوں، ناک، آنکھ دیکھتا ہوں، ہونٹ دیکھتا ہوں اور سوچے جا رہا ہوں : ،،الکسئی، بھئی، تم میں وہ ہے، میرا سا مزاج، باقی اور کچھ نہیں ہے،، — اماں تک کی نظر پڑ گئی — ،،تم آئینہ کیوں

''ہم لوگوں نے اس لڑکی کے بتائے ہوئے طریقے سے بوائی شروع کی — جہاں میری ضرورت تھی، میں نے بھی اس کا ہاتھ بٹایا: کبھی کہوں کہ سب سے اچھے گھوڑے اس کے کھیت کو بھیجے جائیں، کبھی چھوکروں کو، جو موٹر ٹریکٹر اسٹیشن پر کام کرتے تھے، ترائی کرنےوالی مشین لے کر اس کے کھیت میں پہلے بھجواؤں — غرض چلتا رہا — میں نے ناچنا بھی سیکھ لیا — شام کی محفلوں میں، جب وہ موجود ہوتی تھی، تو میں تھوڑا بہت اسی کے ساتھ ناچتا تھا اور پھر گھر چھوڑنے جایا کرتا تھا — لیکن کبھی اپنے دل کی حالت ظاہر نہیں ہونے دی — پتہ نہیں، اس نے کیوں کر بھانپ لیا، مگر بھانپ لیا بہرحال — جب بھی ہم دونوں تنہائی میں ساتھ ہوتے تو وہ خود کو بہت سنبھالے رہتی اور ایک لفظ منھ سے نہ کہتی — میرے ساتھ اسے کچھ تکلف رہنے لگا — مگر جب میں نے دیکھا کہ اسے اندازہ ہو ہی گیا ہے، تو پھر منھ سیے رہنے سے کیا فائدہ؟ میں نے ہی زباں کھولی اور سب کچھ کہہ ڈالا، کومسومول کی سی ایمانداری سے کہہ دیا — اور وہ بولی: ''الکسئی،

انہوں نے پنسل سے میز بجائی ''خاموش، خاموش! هاں الکسئی، تم اپنی تقریر جاری رکھو— کہے جاؤ— ان لوگوں کا بالکل خیال مت کرو—،،

''ظاهر بات هے که دوسیا کی بدولت جو بهرے مجمع میں میرا مذاق اڑا تها، اس کی وجه سے میرے دل میں اس کی طرف سے گره پڑ جانی چاهئے تهی، لیکن نه جانے کیوں، هوا اس کے برخلاف— اس شام کے بعد سے همیشه میری نگاه اسی لڑکی پر اٹکی رهنے لگی... میں کہے جا رها هوں، تم سنتے سنتے اکتا چکے هوگئے؟ تمهیں اس زراعتی ٹکنیک سے کیا مطلب...،،

میں نے کہا که نہیں، تم بیان کئے جاؤ—

''خیر، تو یه هوا— پہلے تو روزانه اس کا
میرا آمنا سامنا هوا کرتا تها، میں دیکهتا تها که
ه ''سیمیونوونا،، کیسے ناچتی هے، دیکهتا تها که
ربوزے تربوز کا کاشتکار پاولوشکا اسے اپنی سائیکل
گهمایا کرتا هے، لیکن صرف دیکهتا هی تها، اور
چھ نہیں— اور اب اس شام کے بعد سے میں دیوانه
گیا— مگر هاں، میں نے اس پر شروع میں ظاهر
هونے دیا که میرے دل پر کیا گزر رهی هے—

بڑے میاں استیپان، غصے کے مارے ان کے پیٹ میں بل پڑے جاتے تھے۔

"میں ایسا گڑبڑایا کہ تقریر روک دی اور سوچ میں پڑ گیا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دوسیا نے اپنے گھر کے باغیچے میں ڈیڑھ ڈیڑھ مٹ چھوڑ کر اس موٹے اناج کے پودے لگا کر ان کا تجربہ کر لیا تھا، اور اسی سے ٹہنیوں والے پودوں کی ترکیب نکلی تھی۔ ادھر میری تقریر چل رہی تھی، ادھر وہ اس اناج کا ایک گملا اٹھا لائی اور اسے میرے بالکل پیچھے لا کر رکھ دیا۔ میں تو اپنی تقریر میں ہاتھ چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ ایسا پودا ٹہنی‌دار نہیں ہوا کرتا، لیکن سامنے اسٹیج پر گملا رکھا تھا اور اس میں ٹہنی‌دار پودا موجود تھا جسے میرے سوا سب دیکھ رہے تھے۔ میں سنائے میں، پتہ نہیں، معاملہ کیا ہے۔ ایک دم میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اب تم اندازہ کر سکتے ہو کہ مجھ پر کیا گزری ہوگی۔ آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔

"ایوان نکیفوروویچ، ہمارے فارم کے چیرمین بھی اوروں کی طرح ہنسی کے مارے ہنسے پڑتے تھے لیکن

دھوپ تیز ہوتے ہی جل جائے گا — آج دوسیا کے دماغ میں اناج کا ایسا ان‌دیکھا پودا آیا ہے جس کی ٹہنیاں پھیلی ہوئی ہوں، کل اسے سوجھے گی کہ ایسی بکری پیدا کی جائے جس کی چھ ٹانگیں ہوں، تو کیا ہم اسی کے ہو لئے؟

''میں ابھی تقریر کر رہا تھا کہ دیکھا، لوگ ہنس رہے ہیں — مجھے دیکھو، بے‌وقوف، کہ تقریر اور زوردار کر دی... عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ تقریر کرتے وقت میں اپنا ہاتھ کوٹ کے اندر ڈال لیتا ہوں تا کہ خواہ مخواہ ہلتا نہ رہے، لیکن اس دفعہ ہاتھ بھی باہر نکلا رہ گیا تھا اور میں نے تقریر کو اور زوردار بنانے کے لئے ہاتھ بھی داہنے بائیں چلایا — نہیں، ایسا پودا ٹہنی‌دار نہیں ہوا کرتا، میں نے تقریر میں کہہ دیا —

''لوگ اور زور سے ہنسنے لگے — پتہ نہیں، میں سوچوں، کہیں کچھ گڑبڑ ہے — کہیں مجھ پر تو نہیں ہنس رہے ہیں؟ اوپر سے نیچے تک خود پر نظر ڈالی ——— سب ٹھیک ٹھاک تھا — مگر حاضرین جلسہ، پھر بھی ہنسے چلے جا رہے ہیں، خاص کر

رشتے تھے تو دوسا اٹھی اور اس نے اجازت مانگی کہ ایک بار فصل کے آخری دنوں میں وہ اپنے طریقے سے ہوائی کر کے دکھائے گی — اس نے جلسے کے سامنے وعدہ کیا کہ میں ایک ہیکٹر سے ڈیڑھ ٹن اناج اٹھا کر دوں گی —،،

''تم نے، ماہر تھے نہ، اس کی حمایت کی ہوگی —،،

''ہاں، دیکھو، اصل بات کیا تھی... مجھے اس وقت تک معلوم ہی نہیں تھا کہ اس لونڈیا نے بھی دلیے والے اناج کی فصل کے تجربے کر رکھے ہیں — اور آدمی کے قول کو میں کچھ مانتا وانتا نہیں — جیسے ہی اس نے اپنی تحریر ختم کی اور پرسیڈیم میں اپنی جگہ بیٹھی، میں اٹھا اور اسے جھاڑنا شروع کر دیا — میں نے کہا کہ ہم تو لوگوں کو یہ سوا رہے ہیں کہ فصل کے شروع میں جتنی جلدی ہو سکے، ہوائی بوری کر دینی چاہئے، اور یہ دیکھئے، یہ اجازت مانگنے چلی ہیں کہ دیر میں ہوائی کریں — سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ اناج ایسا ہے کہ، جیسے آپ ایک لٹ چھوڑ آدھے منٹ کے لیے بھی اس کا سچ ڈالیں، پھر بھی

ایک تصویری پوسٹ کارڈ آتا ہے جس کا نام ہے ''یوکرین کی رات،، اس کارڈ پر سرو کی تصویر بنی ہے — دیکھ لیجئے، سیدھا سر اٹھائے کھڑا ہے — لیکن دوسیا نے اس کے اگانے کی ترکیب ایسی نکالی کہ وہ سیدھا نہیں بلکہ شاہ بلوط کی طرح بازو پھیلائے ہوئے اگے — اس کے اوپر پھننگ میں پتے ایسے ہوں جیسے چھتری لگی ہوئی ہے، اور اس چھتری کے سائے میں اناج کے دانے — یہ کمال کیا —،،

''یہ کیا کوئی نئی قسم تھی اس اناج کی؟،،

''نہیں، نئی قسم کیوں ہوتی — اسی بیج سے نکلی تھی — ہم لوگ ہمیشہ ملاملا کر بیج ڈالتے تھے، جیسے رئی یا گیہوں کا بیج بویا جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے پودے کو پھیلنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی تھی — لیکن اگر اسے ملاملا کر نہ بوؤ، بلکہ فٹ، ڈیڑھ فٹ جگہ چھوڑتے چلے جاؤ تو اس کی ٹہنیاں پھیلیں گی — پھر کوئی ضرورت نہیں ایک فصل میں تین بار بوائی کرنے کی — دھوپ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی — جب ہم لوگ ایک عام جلسے میں اس موئے اناج کے سوال پر بحث کر

پگھلتا ہے، پھر اس کے ذرا بعدوالے موسم میں، اور
تیسری مرتبہ جب گرمیاں آ پہنچی تھیں — بعض دفعہ
پہلی بوائی سے فصل اچھی آئی، بعض مرتبہ آخری
بوائی میں — غرض ہر بار موسم پر دارمدار تھا —
دو سال پہلے کی بات ہے کہ ہمارے فارم کو پلان
کے مطابق اس اناج کی فصل پانچ گنی دینی تھی —
ہم سب کے سب، یعنی بورڈ کے سارے ممبر فکر میں
تھے کہ پلان پورا کرنے کے لئے کیا تدبیر کی جائے،
سخت مشکل آ پڑی تھی اور دوسیا ہنستی تھی — اس
وقت تک دوسیا کی طرف میں نے کوئی خاص توجہ
نہیں کی تھی — یوں ہی چھوکری سی نظر آتی تھی
کہ جب دیکھو، کسی نہ کسی کام میں دوڑی
جا رہی ہے، نوجوانوں کی کمیونسٹ لیگ کے جلسوں
میں، جو دن میں آتا ہے، کہہ ڈالتی ہے — خیر،
تو اسی دوسیا نے ایک ترکیب نکل لی جس سے موٹے
اناج کا یہ پودا دھوپ برداشت کر سکے — اس نے
ٹہنیوالے پودے کی ترکیب نکلی — اب میں کیسے
سمجھاؤں کہ یہ کیا ہوتا ہے... یہ جو موٹا اناج
ہے اس کا پودا سیدھا کھڑا ہوتا ہے جیسے سرو —

’’میرے پاس یہ زیادہ محفوظ ہے — ورنہ د
کا کیا ہے، روز کہیں نہ کہیں احتیاط سے چھپا
رکھ دیتی ہے اور بعد میں جب نکالنا ہوتا ہے
ڈھونڈھتی پھرتی ہے — ایک دفعہ اس نے یہ ستا
مٹھائی کی ایک خالی ڈبیا میں رکھ دیا، خالی ڈبیا
گراموفون کے ایک ٹوٹے ہوئے بکس میں ڈال دی،
گراموفون ٹرنک میں نیچے رکھ دیا — کہیں کانفرنس
میں جانا تھا — اس کی ڈھونڈھیا مچی ہوئی ہے —
کہیں نہیں مل رہا — سارا گھر چھان ڈالا بعد میں
مجھ سے بولی کہ تم ہی اس کو احتیاط سے رکھا
کرو — ،،

’’کس بات کا انعام ملا تھا یہ اس کو؟،،

’’یہ جو دلیے کا اناج ہوتا ہے — دلیا کھاتے
ہو نا؟ اس پر خطاب ملا تھا — یہ بڑا نازک پودا
ہوتا ہے — زیادہ گرمی، زیادہ سردی، دونوں برداشت
ہیں اس کو: سخت سردی میں پالا مار جاتا ہے،
ت گرمی میں جل جاتا ہے — ہم نے خوب دماغ
ا کہ کیا ترکیب کی جائے جو اس کی فصل بڑھے —
میں اسے تین بار بویا: ایک اس وقت جب برف

مجھے صاف نظر آ رہا تھا کہ الکسئی کوئی اور بات بھی کہنا چاہتا تھا، لیکن بات بنی نہیں — میں نے اپنے دبے ہوئے سینڈوچ نکال لئے اور ہم دونوں کھانے میں لگ گئے —

دیودار کے جھنڈ کے اوپر بڑا سا سرخ سورج ابھرنے لگا اور حد نظر تک ہر شے کو گلاسی کھرے میں رنگ دیا — بڑے والشیح کے کھمبے اور کارخانے کی چمنی بھی اس رنگ میں رنگی گئی —

''یہ میری بیوی ہیروئن عورت ہے...،، الکسئی ایک دم بولا —

''نظر آتا ہے،، میں نے جواب دیا اور یہ نہ سوچا کہ الکسئی کے کہنے کا کیا مطلب تھا —

''نہیں، یہ مطلب نہیں کہ وہ کوئی بڑی جانباز یا جنگی عورت ہے، نہیں، واقعی، ہیروئن ہے — خطاب یافتہ ہے — ''اشتراکی محنت کی ہیروئن،، سرکاری خطاب ہے اس کا — یہ رہا اس کا ستارہ اور تمغہ، دیکھ لو —،،

الکسئی نے ایک بٹوہ نکالا، جو ربڑ کے فیتے سے بندھا ہوا تھا اور اس میں سے سونے کا ستارہ نکال کر دکھایا —

جاؤ بھی، مذاق سوجھا ہے تمھیں!،،
نے ہاتھ جھٹک کر کہا — ،،بڑے چلے تھے
کرنے والے، یہ مت سمجھ لینا کہ میں ڈر گئی —
چاہے تو دو دن کیا، ہفتہ بھر یہیں پڑے پڑے
دو، مجھے کیا... اور یہ اوورسیر صاحب بیٹھے ہیں
ان کی بھی تو خاطر کی ہوتی — میں جانوں، انھوں نے
بھی کچھ نہیں کھایا —،،

اس طرح کہنے کا مطلب یہ کہ گفتگو کا
موضوع بدل جائے، لیکن الکسئی برابر ہنستا رہا —
مجھے بھی اس حرکت پر ہنسی آ گئی —

،،جائیے بھی آپ لوگ...،، دوسیا کھسیانی ہوکر
بولی ،،ظاہر ہے کہ مجھے اکیلے گھر میں رات گزارنے
کی عادت نہیں رہی... ڈر لگتا ہے... اچھا، اب میں
چلی —،،

اس نے مجھے خدا حافظ کہا اور گھر کو روانہ
ہو گئی — ذرا دیر بعد اس کے قدموں کی چاپ بند
ہو گئی —

،،ہم دونوں کی شادی کو ایک عرصہ ہو گیا —
ذرا ایک سال ہونے آیا، لیکن اب بھی منٹ بھر تنہا
ں رہا جاتا اس سے...،،

''لو، دیکھو،'' یہ کہہ کر اس نے پوٹلی میں سے پیکٹ اور ایک برتن نکالا ''اس میں دودھ ہے، یہ رہی روٹی، کچھ انڈے ہیں ابلے ہوئے — دیکھنا، انڈے کے چھلکے زمین پر پھینک مت دینا، گھر لے کر آنا...''

''اور لو، جیسے میں انڈوں کے چھلکے ہی تو سمیٹتا پھروں گا؟''

''اور ہاں — گھر ذرا اول وقت آ جانا —''

''مطلب یہ کہ جی گھبراتا ہے میرے بغیر؟''

''جیسے مجھے اور کوئی کام تھوڑئی ہے گھبرانے کے سوا — تم گھر پر نہیں ہوتے تو کم از کم اندر دھواں نہیں بھرتا —''

''اچھا، خیر؟'' بمشکل سنجیدہ صورت بنا کر اس نے جملہ پورا کیا ''میں جانوں دو دن رات اور یہیں بیٹھے گزریں گے —''

''کیوں، ایسی کیا بات ہو گئی؟'' دوسیا ڈر گئی —

دوسیا اس قدر اچانک اور ایسی معصومیت کے ساتھ ڈری تھی کہ الکسئی کو ہنسی چھوٹ گئی —

دوسیا کو اس کی یہ بات بالکل ناگوار نہیں گزری —

"تمھیں سردی لگ جائے گی — کوٹ کے بٹن تو لگا لئے ہوتے —"

"نہیں، سردی نہیں لگنے کی — برف پگھلنے کے موسم کی ہوا بڑی فائدہ مند ہوتی ہے — طاقت ہی آئے گی، نقصان کیا ہوگا"، الکسئی نے جواب دیا، پھر بھی کالر میں بٹن لگا لیے — "کیا لائی ہو؟"

"جو تم نے کہا تھا، وہی لائی ہوں — اپنی جگہ سے سرکو تو سہی!"

"کوئی بات نہیں، ٹانگیں مضبوط ہیں — کھڑی رہ سکتی ہو"، الکسئی نے سرکتے ہوئے جواب دیا —

دوسیا اس کے برابر بیٹھ گئی، پوٹلی کھولی اور جیب میں سے نمک کی پڑیا نکالی — پڑیا ایسے تہہ کی ہوئی تھی جیسے دواخانے میں سفوف تہہ کیا جاتا ہے —

سر پر جو اس نے شال لپیٹ رکھی تھی، اس کی وجہ سے بھوری، بچوں کی سی متجسس آنکھوں اور اٹھی ہوئی ناک کے سوا مجھے صورت نظر نہیں آئی —

بند ہو چکے تھے — پہاڑی چشمے البتہ اب بھی چہل چہل دریا کی طرف رواں دواں تھے —

''دیکھو، کیا جلدی جلدی چلی آ رہی ہے!،،
الکسئی پیار سے ہنس دیا —

''صرف تمہارا تصور ہے یہ —،،

''ٹھیر جاؤ، ابھی تمہیں بھی یہ تصور نظر آ جائےگا — صاف بات ہے، میری دوسیا آ رہی ہے —،،

واقعی، پہاڑی کے پیچھے سے ایک لڑکی نمودار ہوئی — اس نے بھیڑ کی کھال کا سفید اوورکوٹ پہن رکھا تھا جو کمر پر سے چست تھا — نمدے کے جوتے تھے، ان پر لال جوتا پوش — رومال میں کوئی بندھی ہوئی چیز لئے آ رہی تھی — مجھے نظر آیا کہ الکسئی بہت خوش ہے کہ بیوی اتنے سویرے اٹھ بیٹھی اور اس کے لئے ناشتہ تیار کرکے لائی ہے — لیکن مجھ سے پردہ رکھنے کو اس نے بیوی پر یہ جتایا نہیں بلکہ اور منہ چڑھا لیا —

''میں سمجھا تھا، کوئی اور ہوگا، لیکن تم نکلیں،، اس نے اپنی بیوی سے کہا —

...رٹ پر کام کرنے کی سوجھتی ہے — اور م...
ٹریکٹر اسٹیشن کا ڈائرکٹر بھی ڈیزل آئل کے لئے گاڑ...
بھیجے گا — آدمی مضبوط ہے یہ ڈائرکٹر — اگر
ضرورت پڑ جائے تو پھر نہیں دیکھے گا، برف چالو ہو...
گیا ہے، یا جما ہوا ہے — حکم چلا دے گا کہ ڈیزل
آئل لے کر آؤ اور کچھ نہیں —''

الکسئی ڈھیلے پن سے بول رہا تھا جیسے بولنے
کی مرضی نہ ہو اور لفظوں کے بیچ بیچ میں اپریل
کی اس صبح کا سناٹا مجھ کو سنائی دے جاتا تھا —
سیلن تھی اور سردی تھی — ابھی سورج نہیں نکلا
تھا اور سرمئی آسمان پر چاند کی پگھلتی ہوئی ٹکیا
نظر آ رہی تھی —

''آ رہی ہے'' اچانک الکسئی نے اپنا ہاتھ...
...ک کر آواز دی —

''کون؟''

''میری بیوی، بھلا اتنے صبح سویرے اور کون...؟''

میں نے غور سے سنا — ریل گاڑی تو کبھی کی
...چکی تھی — ڈائنامائٹ کے دھماکے کبھی کے

جاری رہے — چھیلن اس کے پتلون کو چمٹ گئی تھی — ٹوپی ایک کان پر کھسکی ہوئی دھری تھی اور روئی کے موٹے کوٹ کے بٹن کھلے تھے —

''گاڑی تو آئی نہیں...'' میں نے دریا کی طرف بےچینی سے دیکھتے ہوئے کہا —

''نہیں آئی'' الکسئی نے بےپروائی سے اس کی تائید کر دی —

''اگر برف کی سلیں دریا پر ٹوٹنے لگیں تو، بس، راستہ بند!''

''ہاں، پھر تو نہیں گزر سکتے —''

''اگر کسی کی کار آنے سے پہلے برف ٹوٹنے لگا تو مارے گئے — یہیں بیٹھے بیٹھے دو دن دھوپ کھاتا رہوں گا — ''

''دو دن کیا، تین دن لگ سکتے ہیں — ''

''اور لو...''

''مگر تم پریشاں مت ہو — دو گاڑیاں تو آئینگی ہی آئیں گی — واسکا ''پہلا پنج ساله پلان'' نام کے کالخوز سے اپنا چھکڑا لئے ہوئے آئے گا ہی، اسے سپرفاسفیٹ لینے جانا ہے — ان لوگوں کو بالکل

ہم پل کے پاس بیٹھے تھے —— الکسئی لکڑی کے ایک کندے پر، میں اپنے اوورسیری اوزاروں کے بکس پر — تلاش یہ تھی کہ کوئی کار اس طرف جاتی ہوئی مل جائے جدھر مجھے جانا ہے، اس لئے میری نظر سڑک پر لگی ہوئی تھی —

صبح سویرے کا وقت تھا — پانچ بج رہے ہوں گے — دیودار کے جھنڈ کے اوپر آسمان سے سپیدۂ سحر نمودار ہو چلا تھا لیکن ابھی دھوپ نہیں نکلی تھی —

چڑیاں سوئی ہوئی تھیں — کھڈ کے کنارے کنارے پھیلے ہوئے گاؤں کے آخری سرےوالے مکان میں تنور روشن کیا جا رہا تھا، اور دھوئیں کی پتلی سی لکیر اوپر اٹھ رہی تھی —

سرگئی انتونوف ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے — عمارتی انجنیر کی تعلیم حاصل کی اور افسانہ‌نگار کی حیثیت سے شہرت پائی — ان کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا — کئی تصانیف فلمائی جا چکی ہیں — یہ کہانی ”صبح کا وقت“، جو اس مجموعے میں شامل ہے، ان کی ابتدائی کوششوں کا نمونہ ہے —

اکھڑ کھڑے

صبح کا وقت

گی نقل میں تھی تو کپڑوں کی دیکھ بھال کرنے والی تربوخا وھاں موجود تھی— وہ کرسی پر بیٹھی تھی— بھاری ٹخنوںوالی مضبوط ٹانگیں اس نے چیر رکھی تھیں اور اپنی گود کی بچی کو دودھ پلا رھی تھی— بچی کو دودھ پلوانے کے لئے اس کے گھر سے لایا گیا تھا— پوتڑوں اور لتوں میں خوب کس کر لپیٹی ہوئی ننھی سی بچی، گڑیا کی طرح اس کے ھاتھوں پر لیٹی تھی اور ماں کی بھاری چھاتی کو جی لگاکر چسر چسر چوسے جا رھی تھی—

''سنو، تربوخا...،، چاچی نے لمبا سا سانس لےکر کہا ''دیکھتی ھو، معاملہ کیا ھے— ماں تو چل دی اور بچے کے دودھ کا وقت ھو رھا ھے— روتے روتے اس کا گلا بیٹھ گیا— بچہ دیکھو، کیا کمال کا ھے، ایک نہیں سنا—،،

چاچی بولیا کے ھاتھوں پر ایک جامن کا سا چمکتا ھوا بچہ دیکھ‌کر تربوخا بالکل پتھرا گئی— اپنی روشن اور جمیل حسین صاف شفاف آنکھوں سے اسے تکتی رہ گئی— اس کی اٹھی ھوئی ناک پر پسینہ سمٹ گیا—

سیں آئی — چپ چاپ دیر تک چاچی پولیا کو دیکھتی رہی کہ وہ بکھری ہوئی ہیں، کمرے میں گھوم رہی ہیں اور زور زور سے بلکتے ہوئے بچے کو ہاتھوں پر جھلا رہی ہیں —

''ذرا سا صبر کر لے، میرے لال، ذرا اور ٹھیر جا...،، چاچی پولیا گھڑی کو دیکھ کر کہتی جاتی تھیں اور ان کی آس بندھ رہی تھی —

بچہ بندھی ہوئی مٹھیوں سے ان کی بھاری چھاتیوں کو ٹھوکے دے رہا تھا اور روتے روتے اس کا گلا رندھ گیا تھا —

''سنئے، چاچی پولیا،، ماریا پترووناا نے ذرا سوچ کر رائے دی ''کیسا رہے، اگر تریوخنا سے بات کر لیں؟ کیا خیال ہے؟،،

''اوف، توبہ ہے میری، خود سمجھ یہ عقل کیوں نہیں آئی — بوڑھی ہوں، سٹھیا گئی،، وہ بچے کو ہاتھوں پر لئے لئے ایک جگہ ٹھٹھک کر رہ گئیں ''ارے ہاں!،،

جب وہ بچے کو چھاتی سے لگائے ہوئے اس چھوٹی سی کوٹھری میں گئیں جو باہر کے برامدے

بچہ روتے روتے ہلکان ہو رہا تھا۔ کھڑکی میں
تھال رکھا تھا، سب کچھ تو تھا ہی— نوالے کے
لئے لے گئے تھے— کیونکہ وہ تو بس بچہ— ذرا
جھٹ پٹ!..

گاہکینا لچکتی ہوئی چلی گئی اور چند منٹ میں ہانپتی ہوئی کمرے میں واپس آئی— چاچی نے چھوٹے چمچے میں گرم اور میٹھی چائے کی بوندیں لے کر احتیاط کے ساتھ بچے کے ننھے سے کھلے ہوئے منہ میں ٹپکائیں، اس نے منہ بند کر کے وہ سب نگل ڈالیں— چاچی نے کسے ہوئے سب سے اس کی تواضع کی، وہ دم بھر کو چپ ہو گیا اور چاچی کو گھورتا رہا— پھر بگڑ کر زور سے لات چلائی اور بہت ہی زور سے چیخنا چلانا شروع کر دیا—

''ارے واہ، تو تو بڑا موزمبیق نکلا!،، چاچی ہنسا نے تنگ آکر کہا— ''پتہ نہیں، وہاں بچوں کو کیا کھلاتے پلاتے ہوں گے؟ چائے نہیں لیتا، سب نہیں لیتا...،،

بچے کی چیخ پکار کان میں پڑی تو اڈمنسٹریٹر ماریا پرونا، جو ڈیوٹی پر تھی، دوڑی ہوئی کمرے

گھما کر بجانا، سب بیکار رہا — بلکہ انہوں نے ناچنے
کودنے کی بھی کوشش کی — ٹانگوں میں گٹھیا تھی،
پھر بھی انہوں نے ٹانگوں کو خم دئے — سب
بے نتیجہ — بچے کو بھوک لگی تھی اور بس!
کمرے میں دوسری صفائی کرنےوالیوں نے
جھانک کر دیکھا — فرش دھونےوالا فیودر بھی آ گیا —
سب نے اپنی اپنی عقل دوڑائی، مشورے دئے — چاچی
کو ان طرح طرح کے مشوروں پر ہنسی آئی — وہ
خود چار بچے جنم دے چکی تھیں، انہیں معلوم تھا کہ
جب بچے کو بھوک لگتی ہے، کھانے کا وقت ہو
جاتا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے — قریب قریب
چار گھنٹے ہو چلے تھے — لیکن بچے کے اماں ابا
اب بھی غائب تھے، جیسے زمین نگل گئی ہو —
''اچھا، ذرا دوڑ تو جا، ڈیوٹیوالے کمرے سے
چائے لے آ!'' چاچی نے اپنی ماتحت گاپکینا کو حکم
دیا — وہ بطخ کی طرح اپنی گردن اچکائے ہوئے وہیں
کھڑی تھی اور بلکتے ہوئے بچے کو دیکھے جا
رہی تھی — ''ذرا چائے میں شکر زیادہ گھولیو —
آنکھیں پھاڑے کیا تک رہی ہے — دیکھتی نہیں،

بلبلا کر چیخنا شروع کر دیا — معاملہ پھر صاف تھا: تین گھنٹے گزر گئے تھے اور بچے کو بھوک لگی تھی —

''اف، آواز تو دیکھو ذرا!،، چاچی نے کہا اور بچے کو ہاتھوں پر اٹھا لیا — اس نے اپنی سیاہ انگلیوں سے چاچی کا گریبان مضبوط تھام لیا — اس میں سے دودھ کی اور گرمائی کی باس آ رہی تھی، جیسے سب ننھے بچوں میں سے آتی ہے، جب وہ سوکر اٹھتے ہیں — وہ اسے ہاتھوں پر لئے ہوئے کھڑکی تک گئیں اور باہر دکھاکر کہنے لگیں: ''وہ — وہ رہی بلی... وہ بھاگا جا رہا ہے کتا...،،

انہوں نے اسے قاعدے سے اٹھا رکھا تھا — چوڑی ہتھیلی کالے کالے کولھوں کے نیچے لگا رکھی تھی — بچے نے موٹے سے ہونٹ کھول دئے اور بلک بلک کر رونے لگا —

''ابھی نہیں آتی ماں — بول اب کیا کروں؟ بچے کو چھوڑکر چل دی — عائشہ!،،

بچہ حلق پھاڑ پھاڑکر چیخے جا رہا تھا — اٹھا کر کھڑکی کے پاس لایا، شیشے کی ڈاٹ کھلا

ابھی مشکل سے وہ جھابے پر جھکی ہوں گی
کہ بچہ روتے روتے خاموش ہو گیا —
وہ کھیلا ہوا چت لیٹا تھا —
اچھال رہا تھا اور چاچی کو اپنی بٹن جیسی ننھی
گول آنکھیوں سے تک رہا تھا —
''ابھی تیری ماں آتی ہوگی — ذرا صبر کر،،
چاچی نے اسے اطمینان دلایا —
وہ کمرے سے نکل کر برامدے میں آئی تھیں
کہ فوراً جھابے میں سے گونجتی ہوئی چیخ سنائی
دی — الٹے قدموں واپس آئیں — ہاتھ سے پوتڑا
چھو کر دیکھا —
''اوہو، یہ معاملہ ہے! سمجھی،، چاچی واقعی
صدائے احتجاج کا مطلب سمجھ گئیں — انہوں نے
کمرے میں ہر طرف نظر ڈالی کہ سوکھے پوتڑے
کہاں رکھے ہیں — مگر پوتڑے تھے ہی نہیں —
کیا ملتے — تب انہوں نے کھونٹی پر سے صاف تولیہ
کھینچ لیا اور اسے بچے کے نیچے بچھا دیا —
اسے قرار آ گیا — وہ خاموش ہو گیا — لیکن
چاچی ابھی دو قدم ہٹی ہوں گی کہ اس نے پھر

''جاؤ ڈو بو ڈو؟'' اس چھوکرے نے ڈھٹائی سے اس عورت کو چھیڑا، لیکن احتیاطاً راستے سے ہٹ گیا اور بولا ''چاچی، مجھے کتے الرتقہ کا ایک نشان یا بلہ چاہئے!''

''بھلا، یہ کون سا فیشن نکلا ہے! آدمی کو چین نہیں لینے دیتے — جاؤ، چلو یہاں سے — کس سے کچھ رہی ہوں، سنتا ہے؟''

لڑکا چل دیا — بڑی بی اپنے معمول سے لگ گئیں — سارے کمرے خالی ہو چکے تھے، جیسے سب کے سب مہمان ہوا میں اڑ گئے ہوں — سرےوالے کمرے میں دھوپ کی ایک لکیر چھن رہی تھی — بچہ آرام میں تھا —

چاچی بار بار کمرے کا چکر لگا جاتی تھیں — بچہ بڑے مزے سے الرتقہ کی گہری نیند سو رہا تھا — دو گھنٹے سوتا رہا — جب تیسرا گھنٹہ ختم ہونے کو آیا اور چاچی نے بیچے جانے کی تیاری شروع کی تو سرےوالے کمرے سے زور کی پکار سنائی دی، جو اپنی طرف بلا رہی تھی —

اشارہ کیا، پھر کچھ کہا اور کوریڈور میں لٹکے ہوئے گھنٹے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا — بچہ سو رہا تھا — اور اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں — بچے کا باپ جھابے کے پاس کھڑا تھا اور وہ بھی بیچ بیچ میں کچھ بولتا جاتا تھا، تین انگلیاں اٹھا کر — آخرکار چاچی نے قیاس دوڑا لیا کہ یہ میاں بیوی تین گھنٹے کے لئے باہر جا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ میں اس وقت تک بچے کی دیکھ بھال رکھوں —

"ماں کا معاملہ ہے... یہ بات! کوئی سہارے کا آدمی نہ ہو تو کام نہیں چلتا!" انہوں نے رک رک کر کہا — "ہاں، دیکھ بھال رکھوں گی، کیا ہرج ہے!"

چاچی نے دلجوئی کی خاطر عورت کو تھپکا اور وہ جی جان سے مسکرا کر اپنے اسکرٹ کو تھامے ہوئے نیچے کی طرف لپکی تاکہ بس پکڑ لے — برامدے کے گول میں اس سرخ بالوں والے لڑکے نے، جو بلے لگائے ہوئے تھا، اس عورت کو تھامنے کی کوشش کی لیکن چاچی نے اسے پلٹ کر جانے نہیں دیا —

"کیا ہے رے؟" چاچی نے بگڑ کر اسے ٹوکا —

''میں جانوں، یہی ہوگا موزمبیق؟''
''کون کہے، واقعی یہی ہوتا ہوگا موزمبیق؟''
جب تک وہ عورت گاتی رہی چاچی پولیا کھڑی سنتی رہیں — جب وہ گا چکی تو کمرے میں سے نیند کے لمبے سانسوں کی آواز آئی — چاچی پنجوں کے بل وہاں سے کھسک گئیں —

دوسرے دن، جب بڑی بی دوسری منزل پر چڑھ کر آئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہ سرے کے کمرےوالی کوریڈور میں کھڑی ہے — وہ اسی لباس میں تھی جو کل پہن رکھا تھا، لیکن سر پر کچھ فیتا گوٹہ لپٹا ہوا تھا، ہاتھ میں دھاری‌دار زنانہ تھیلا تھا اور گردن میں ہار پڑا تھا جس میں یہ بڑے موٹے آلوچے جیسے دانے تھے — دیکھتے ہی وہ سمجھ گئیں کہ باہر کی تیاری ہے —

چاچی کو دیکھتے ہی اس عورت نے ہاتھ ہلانے شروع کر دئے اور انہیں اشاروں سے اپنے کمرے میں آنے کو کہا — چاچی اندر گئیں تو اس نے کانسی کی سی ہتھیلیاں آگے بڑھا بڑھا کر جوش میں جلدی جلدی ان سے کچھ کہا، اس کے بعد بچے کی طرف

ہے، جیسے چڑیا گاتی ہے — سر سے سر جڑا
آتا تھا جیسے ایک سانس سے دوسرا سانس —
سردل کے پاس کھڑی سنتی رہیں —
جب تک ٹانگوں کی طاقت جواب نہیں
گئی، وہ کھڑی رہیں — وہاں سے ہٹنا ان کے
دشوار ہو گیا تھا — اس گانے میں سے کچھ دھند
سی تصویریں چھن چھن کر نظر آ رہی تھیں، جیسے
بچپن میں نظر آیا کرتی تھیں جب وہ چھکڑے پر
لپٹی ہوئی گاڑی‌بان کا گانا سنتی تھیں — گاڑی‌بان
کے گانے میں انہیں استیپی میدانوں کے چراغ، دور کے
انجانے مکان، انجانے لوگ اپنی طرف بلاتے ہوئے
نظر آیا کرتے تھے... اس وقت، جب وہ کمرے کی
سردل پر کھڑی یہ بھرائی ہوئی اور حلق سے نکلتی
ہوئی آواز سن رہی تھیں، انہیں پھر وہی دور فاصلے
پر جھلملاتے چراغ، جنگل، روندی ہوئی پگڈنڈیاں،
بدیس کے دریاؤں کی روانی، غیرملک کے بچوں کی
صورتیں غرض کہ انجانی زندگی کی تصویر نظر آئی،
س کھلے دروازے نے جس کا ایک منظر ان کے
امنے کھول دیا تھا —

آتے تھیں — اور سارے سارے دن ماسٹر کے جگر کاٹتے
پھرتے تھیں — خواہ مخواہ اسی طرح گرمی میں۔۔۔۔
انہوں نے پھر لڑکی میں جھانک کر دیکھا
اور دونوں کی آنکھیں [illegible] ہوئی اسے یاد تھے جب
دن [illegible] کہ جیتے ہی جائیں۔ [illegible] بڑھا ہوا تھا
سرخ والے لفافے کے [illegible] ہوئے واپس
آئے، ٹھیک اس وقت جب بڑی بی اپنی جگہ چھوڑ
چکی تھیں —
جب وہ [illegible] رہی تھیں تو ان کے
کان میں [illegible] بڑی [illegible] اور اس میں
[illegible] تھی [illegible] تھیں — [illegible]
[illegible] اور [illegible] میں جھانکی —
[illegible] میں اور [illegible]
کر رہی تھی
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تھا — اس کے مہمان جا چکے تھے — بچےوالی ٹوکری یا جھابا بھی موجود نہیں تھا —

دن بھر چاچی اپنے روزمرہ کے صفائی ستھرائی کے کام میں الجھی رہیں، پھر بھی ان کے اندر ایک گم‌سم سی بےچینی پائی جاتی تھی — وہ باربار کھڑکی کے پاس آتی تھیں یہ دیکھنے کہ وہ نوجوان جوڑا واپس آ گیا یا نہیں، ایک دفعہ تو وہ دوسری منزل سے نیچے اتر آئیں، بس کے انتظار میں — داخلے کے دروازے پر وہ سرخ بالوں‌والا لڑکا کھڑا تھا جسے چاچی پولیا نے ڈیلی گیٹوں کی آمد کے پہلے دن دیکھا تھا — چوخانے قمیص پر بلے ھی بلے اور نشان ھی نشان ٹنگے ھوئے تھے، گویا کاغذ کلپوں سے لپا ھوا ھو — وہ بھی سر گھما گھما کر دیکھ رہا تھا — ظاھر تھا کہ بس کا اسے بھی انتظار ہے تاکہ اپنی دولت میں اور نئی بڑھوتری کر لے —

مگر بس نہیں آئی —

"اس موزمبیق کا بھی عجب قرینہ ہے..."

چاچی نے اپنی بدلی‌والی کے ساتھ ڈیوٹی کے ٹھکانے بیٹھے بیٹھے فیصلہ دیا — "ننھے سے بچے کو لے کر

ٹنگا ہوا تھا[1]— چاچی پولیا نے اس نقشے میں موزمبیق کی تلاش شروع کر دی — وہاں موزمبیق نہیں ملا — منیجر اندر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ چاچی نقشے کے سامنے چشمہ لگائے ہوئے کھڑی ہیں اور بحرایڈریاٹک پر پکے ناخونوالی انگلی پھیر رہی ہیں —

''کہئے، آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟'' منیجر نے حیران ہوکر پوچھا — فیسٹیول کے کام کی تیاریوں میں انہیں اتنی بھاگ دوڑ کرنی پڑی کہ گال پٹخ گئے تھے، بیماروں کی سی صورت نکل آئی تھی — ''چاچی پولیا، آپ کو کیا تلاش ہے؟''

''میں دیکھ رہی تھی کہ... موزمبیق کہاں ہے؟'' چاچی پولیا نے افسوس سے کہا — ''نقشے پر تو مل نہیں رہا ہے —''

''کاش مجھے بھی آپ کی سی بےفکری ہوتی!'' ایوان نفونتوویچ نے جواب دیا اور لمبا سانس لیا — ''افریقہ میں ہے موزمبیق، افریقہ میں —''

چاچی پولیا اپنی ڈیوٹی کی جگہ روانہ ہوئیں —· سرےوالا کمرہ خالی تھا اور دروازہ چوپٹ کھلا پڑا

انہیں میز پر دوڑایا، جیسے وہ گناتیک کو انگلیاں میز پر دوڑا کر دکھایا کرتی تھیں کہ وہ آیا آدمی، وہ بھاگا آدمی — پھر انجن کی طرح پھک پھک کرکے منہ سے آواز نکالی، دونوں ہاتھ لچکائے، جیسے ہوائی جہاز کے پر ہوتے ہیں — مگر ہانپ گئیں اور ہاتھ جھٹک کر بیٹھ گئیں —

عورت نے غور سے ان کو دیکھا اور فوراً اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل گئی —

''موزمبیق!،، اس نے حلق کے اندر سے نرم سی آواز نکالی اور الگ الگ حرف ادا کئے: ''مو — زم — بیق!،،

''موزمبیق!،، چاچی نے پھر اسی سوال کو دہرایا اور اس عورت نے گردن ہلا دی —— یعنی ہاں! ''کہاں ہوا بھلا یہ ملک؟،،

وہ اور کئی منٹ کمرے میں بیٹھی رہیں — چاچی نے بہت زور لگایا لیکن بات آگے نہیں چلی — بعد میں انہوں نے میز پر سے خالی طشتری اٹھا لی اور کمرے سے اٹھ کر منیجر کے کمرے کی طرف چل دیں —

ہوٹل کے منیجر ایوان نفونتووچ آدمی اہل علم تھے — ان کے کمرے میں یورپ کا ایک بڑا سا نقشہ

''عجیب لوگ ھیں، آپ نے یہ ھمت کیسے کر لی؟،، پھر چاچی نے وھی سوال کیا—

عورت کے ھنستے ھنستے پیٹ میں بل پڑے جا رہے تھے اور وہ بچے کو جھلا رھی تھی—

''بھلا کوئی بات ھوئی!،، چاچی نے ویسے ھی کہا—

خاموشی ھو گئی—

''کہاں کے رھنےوالے ھیں آپ لوگ؟،، چاچی نے پوچھا— عورت خاموشی سے ان کی صورت تکتی رھی، کوشش کرتی رھی کہ بات سمجھے— ''کہاں سے آئے ھیں؟،، چاچی نے اونچی آواز سے پوچھا— ''کہاں سے آئے ھیں؟ میں پوچھتی ھوں— ھائے پروردگار! روسی زباں تک نہیں آتی تم لوگوں کو! کہاں کی رھنے والی ھیں آپ؟ سمجھیں؟.. اب میں انہیں یہ کیسے سمجھاؤں؟..،،

چاچی چاروں طرف کمرے کو دیکھنے لگیں گویا دیواریں مدد کر دیں گی— وہ عورت انہیں دیکھتی رھی اور بچے کو سینے سے چپکا لیا—

تب چاچی بولیا نے دو انگلیاں الگ کرکے

کو لئے ہوئے تھی— بچے کا ننگا بدن، جس کی جلد چمک رہی تھی اور ننھے سیاہ ہاتھوں پر البیٹیں پڑی ہوئی تھیں، ربڑ کا ببوا معلوم ہو رہا تھا— ماں اسے جھلا رہی تھی، کبھی اپنے سینے کے پاس لاتی، اور اس کے ننگے پیٹ پر منہ رکھ کر گدگدی کرتی، کبھی ہوا میں اچھال دیتی— ماں اور بچہ دونوں کھلکھلائے جا رہے تھے— قریب سے وہ عورت اور بھی کم‌عمر معلوم ہوئی— بچی سی لگ رہی تھی— بال گھونگھریالے اور سخت تھے— ہونٹ پھولے ہوئے اور آگے کو نکلے ہوئے کہ دیکھ کر ہنسی آئے— اس لڑکی یا عورت نے دو انگلیوں کے اشارے سے اپنے بچے کو دکھایا کہ وہ آئی بکری، وہ آئی بکری— چاچی بھی اپنے نواسے کو ٹھیک اسی طرح دو انگلیاں آگے پیچھے چلا کر بہلایا کرتی تھیں—

"یہ تمہیں بچے کو لے کر اتنی دور کا سفر کرنے کی کیا سوجھی؟" چاچی نے اس سے پوچھا اور خود انہیں تعجب تھا کہ وہیں بیٹھ گئیں—

انہوں نے بھی بچے کو گدگدایا— وہ مسکرا دیا اور ننھا سا منہ کھول دیا—

پڑیں گی — تکیے ٹھیک کر کے انہوں نے بستر کھولا اور رات کا کھانا کھائے بغیر ہی بستر میں دراز ہو گئیں —

دوسرے دن چاچی نولیا اپنی ڈیوٹی پر سویرے سے آ پہنچیں — لیکن مہمان ان سے بھی پہلے اٹھ چکے تھے —

منٹ بھر میں دروازے بھڑبھڑانے لگے — کمروں سے سیاہ‌فام مہمان اس طرح نکلنے لگے گویا کسی نے ڈبہ کھول دیا ہو — کوئی اپنا لبادہ بھڑبھڑاتا، چاچی کو دامن کی ہوا دیتا چلا جا رہا ہے، کوئی دوڑا ہوا زینے پر اتر رہا ہے، شاید ناشتہ کرنے کی جلدی ہے — غسل خانے سے کلکاریاں اور قہقہے سنائی دے رہے تھے — نیچے وسیع برامدے کے دروازے کے پاس بسوں کے انجن ٹھرٹھر کر رہے تھے — وہی ہوٹل جو کل تک خاموش تھا، آج پہچانا نہیں جا رہا تھا —

سرے والے کمرے کا دروازہ کھلا پڑا تھا — چاچی نے ادھر بھی جھانک لیا —

اس کمرے کا باشندہ کبھی چل دیا تھا — عورت کھڑکی کے پاس کھڑی تھی اور ہاتھوں پر بچے

ھوں، پھر بھی اس حال میں تھوڑئی دیکھا ھوگا۔
نووارد ان کے سپرد تو نہیں کئے گئے ھیں، وہ ان کے
پاس سے ھوکر غسل خانے، پاخانے میں دوڑتے ھوئے
نہیں گئے ھیں، ان کی نظروں کے سامنے برامدے میں
ناچ کود نہیں ھوا ھے — کنگن اور کڑے اور لکڑیوں
کے باجے ان کی نظروں کے سامنے نہیں بجے ھیں — یہ
عجوبہ باتیں میرے سوا اور کس نے دیکھی ھیں —
خیر، اور چھوڑو، جتنے بھی باھر سے آئے ھیں ان میں
غالباً یہی ایک جوڑا ایسا ھے جس نے شیرخوار بچے
کو جھابے میں ڈال کر دنیا بھر کا چکر کاٹا اور اتنا
بھاری خطرہ مول لیا — چاچی پولیا کے علاوہ ابھی
اور کسی کی نظر سے یہ نہیں گزرا ھے —
گھر پہنچیں تو سناٹا تھا — بیٹی اور داماد
کہیں چل دئے تھے اور اپنے ساتھ بچے گناتیک
کو بھی لے گئے تھے — میز کے بیچوں بیچ بلی بیٹھی
گلدان کے گلدستے سے گھاس کھینچ کر کھا رھی تھی —
''دفان ھو، کم‌بخت سانپنی!،، چاچی پولیا اس
پر برس پڑیں —
ان کا دل ایسا بیٹھا جا رھا تھا کہ اب رو

سوں سوں کر رہا تھا ۔ اس کا ننھا سا پاؤں باہر کو نکلا ہوا تھا ۔ تلوے سیاہ گلاب کی نازک پتیوں کی طرح جھلک رہے تھے ۔

''ہائے ری میا'' ، چاچی بولیا کے منہ سے بےاختیار نکلا اور نظریں اسی حبابے پر جمی رہ گئیں ۔

عورت شرما کر مسکرا دی ۔ اور دیر تک کوئی ایسی بات کہی جو چاچی کی سمجھ سے باہر تھی ۔ چاچی حیرت میں ڈوبی ہوئی، سیدھی کمرہ کھولنے چل دیں اور ان کے ہوٹل کے یہ نئے مہمان بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے ۔

• • •

چاچی بولیا گھر چلیں تو بہت سی تصویریں ان کے دماغ میں گھوم رہی تھیں ۔ ان کا جی چاہ رہا تھا کہ گھر پہنچتے ہی بیٹی اور داماد سے آج کا دیکھا، سب کچھ بیان کریں گی ۔ اطمینان کے ساتھ ایک ایک تفصیل سنائیں گی ۔ دیکھتی ہیں، وہ دونوں بھی کیسے آہ واہ کرتے ہیں اور ہاتھ نچاتے ہیں ۔ عجب نہیں جو یہ لوگ بھی ڈیلی گیٹوں کو دیکھ چکے

لبادے کے نیچے شانوں کے دونوں ابھرے ہوئے پٹھے ہلتے دکھائی دیتے تھے —

برامدے کے بیچوں بیچ پہنچ کر نووارد رک گئے اور ادھر ادھر تکنے لگے — چاچی نے محسوس کیا گویا وہ جنگی چوکی پر کھڑی ہیں اور فوراً ان کی طرف لپکیں —

نووارد مرد نے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے ان کی طرف سرےوالے کمرے کی کنجی بڑھا دی — اس کے ساتھ کی عورت نے سر ایک طرف ڈھلکایا، سر پر پرندوں کی کلغی جیسی چٹیا کھڑی تھی، یہ عورت بھی چاچی کو دیکھنے لگی اور مسکرا دی — اس کے گلے میں مالا پڑی تھی جو معلوم ہوتا تھا کہ سوکھے مکئی کے دانوں سے بنی ہے — اس کا دبلا پتلا ہاتھ جو آبنوس کا تراشا ہوا لگتا تھا، مضبوطی سے جھابے کو تھامے رہا —

چاچی نے اس جھابے میں جھانک کر دیکھا اور حیرت سے ”ہائے!،، کرکے رہ گئیں —

اس کے اندر دودھ پیتا بچہ سو رہا تھا — چاروں طرف تکیے لگے تھے — سیاہ کوئلے سا بچہ سوتے میں

ہوئے پانی کا جگ چھوٹ گیا اور اس کے ٹکڑے ہو گئے تو انہیں ہوش آیا — گاپکینا شیشے کے ٹکڑے بٹورنے لگی تو انہوں نے اسے حقارت کی نظر سے دیکھا اور اپنے ڈیوٹی‌والے کمرے میں چلی آئیں —

واپس ہوتے ہوئے انہوں نے دیکھا کہ سرےوالا کمرہ خالی پڑا ہے — یہ وہی کمرہ تھا جس میں پچھلے سال اونٹ‌والی آ کر ٹھیری تھی — ابھی بڑی مہترانی برامدے کی چوڑی کھلی جگہ پر پہنچنے بھی نہیں پائی تھیں کہ انھیں برامدے میں اور دو مسافر آتے ہوئے نظر آئے —

ان میں ایک مرد تھا، ایک عورت — دونوں بہت ہی کم‌عمر، کم‌جثہ تھے جیسے ابھی نابالغ ہوں — وہ دونوں ایک بڑی سی ٹوکری پکڑے ہوئے لا رہے تھے — یہ ٹوکری کیا تھی، اس قسم کا جھابا تھا جس میں لانڈری سے دھلے کپڑوں کا ڈھیر لایا جاتا ہے — مرد کی ایک بغل میں دھاری‌دار پوٹلا تھا جس میں چیریں بھری تھیں، دوسری طرف ایک اور پوٹلا کاندھے میں لٹکا ہوا تھا — جب وہ یہ سامان لادے ہوئے چلتا تھا تو اس کے لمبے چوڑے سفید

تھیں — مگر عام قسم کے لباس کی وجہ سے ان کے سیاہ چہرے، ان کے بالوں کی بناوٹ، سبک اور تیز حرکات‌وسکنات، گچھی ہوئی، تنی ہوئی آوازیں، یہ سب اور بھی تعجب خیز منظر تھا —

چاچی پولیا کھڑی رہیں — ان سے ہلا بھی نہیں جا رہا تھا — اتنی دیر میں نووارد دوسری منزل پر جا دھمکے — سارا برامدہ ان سے بھر گیا — ہنسی، قہقہے، باتیں، باجوں کی چٹک مٹک، یہاں تک کہ ناچ کود شروع ہو گیا — ان کے آگے آگے ہوٹل کے منیجر ایوان نیفنتووچ جا رہے تھے، پسینے میں شرابور، گویا ابھی حمام سے نکلے ہوں — ان کی صورت سے ظاہر ہوتا تھا گویا کوئی خاص بات نہیں ہوئی —

جب تک برامدہ ہجوم سے خالی نہیں ہو گیا، وہ کھڑی کی کھڑی رہیں —

کم‌عمر سہترانیاں کمرے کمرے دوڑتی پھر رہی تھیں اور بوکھلاہٹ کے مارے سب کچھ گڑبڑائے دے رہی تھیں — چاچی دیکھتی رہیں، مگر جب ان کی نظر پڑی کہ سہترانی گاپکینا کے ہاتھ سے ابلے

پاؤں پٹکتی ہوئی اور کچھ بڑبڑاتی ہوئی چاچی راستے سے ہٹ گئیں — حواس باختہ ہوکر انہوں نے زینے پر اوپر سے نیچے تک نظر ڈالی — اس پر لوگوں کا انبوہ چڑھتا چلا آ رہا تھا — عورتیں لمبے چوڑے لبادے پھڑکا رہی تھیں، یا ایسے اسکرٹ پہنے ہوئے تھیں، جنہیں دیکھ کر خیال آتا ہے کہ بدن پر لمبا چوڑا رنگارنگ کنویس لپیٹ دیا ہے — گلے میں عجیب دقیانوسی قسم کے ہار مالے پڑے تھے، کانوں میں پھول اڑسے ہوئے — مسافروں کے ہاتھوں میں اپنے سامان کے علاوہ ڈھول، نقارے، چٹخ کر بجنےوالے ساز اور کسی درخت کی لکڑیاں تھیں — مردوں کا لباس اور بھی تعجب‌خیز تھا — ایک لمبا تڑنگا جوان جس کے شانے ایسے چمک رہے تھے جیسے ان پر روغن پالش کیا گیا ہو، چاچی پولیا کے خیال میں صرف ایک سفید چادر میں لپٹا ہوا تھا — البتہ ان میں ایسے مرد عورت بھی تھے جو عام شہری لباس یعنی سوٹ بوٹ پہنے ہوئے تھے — بلکہ فیشن‌ایبل عورتیں بھی جنہوں نے دستانوں کی طرح کی فراکیں بدن سے چپکا رکھی

وہاں سے ایسے تیز قدموں واپس آئیں کہ خود انہیں اپنی تیز رفتار پر تعجب ہو گیا —

لیکن وہاں کوئی نہیں تھا — کہیں اگلے دن اس ہوٹل پر پہلی بس آکر رکی —

چاچی نے اپنی کھڑکی کے نیچے موٹر کی ٹھرٹھر سنی تو پہچان گئیں — رعب داب کی صورت بنائے ہوئے وہ اپنے کمرے سے باہر نکلیں — نیچے چوڑے برامدے سے آوازیں ہی آوازیں سنائی دے رہی تھیں — آڑ میں سے جھانک کر دیکھا تو انہیں سکتہ سا ہو گیا —

ٹھیک ان کی طرف ایک عورت بڑھ رہی تھی — اس کا لمبا سا سفید لبادہ تھا، منڈی ہوئی بھیڑ کا سا سر تھا جس پر ننھے ننھے گھونگھریالے بال تھے — اور بالکل سیاہ رنگ —

یہ عورت سانولی نہیں تھی، سنولائی ہوئی نہیں تھی، بلکہ سیاہ فام تھی، قطعی سیاہ‌فام، جیسے تارکول — اس کے برہنہ سیاہ پیروں میں سلیپر تھے — وہ زینے پر چڑھی — چاچی کو زندہ و تابندہ آنکھوں سے دیکھا اور مسکرا دی —

نقارے پر چوب پڑ گئی اور باجہ بجنے لگا ... پاس کی ایک بس میں سے کوئی موٹا سنڈا سا آدمی پھنس پھنسا کر باہر نکلا، چمڑے کا چھوٹا سا پتلون پہنے، جو رانوں پر سے غائب تھا، اور ٹوپی میں پر لگائے ہوئے — نوجوان تماشائیوں کی ڈھیری میں سے ایک سرخی مائل لڑکا باہر نکل کر آیا اور اس کی طرف لپکا — اس نوجوان کے ہاتھ میں بلہ تھا اور اس پر ''ماسکو یونیورسٹی،، کی تصویر بنی ہوئی تھی —

''اوہ!،، اس موٹے آدمی کے منھ سے نکلا اور اس نے پھرتی سے یہ بلہ لے لیا — ''اوہ!،، پھر اس نے وہی آواز نکالی اور اپنی قمیص میں سے کوئی نشان‌والا بیج نکالا اور لڑکے کے ہاتھ میں دے دیا —

وہ یہ نشان لے کر واپس اپنی جگہ چل دیا — بڑی شان سے مٹھی میں نشان تھامے ہوئے تھا —

شور پکار، دھکم دھکا اور ان جانی بولیوں کے مارے چاچی پولیا کے کمر کے پٹھوں میں چسک ہونے لگی — مگر اتنے میں انہیں خیال آیا کہ میں تو یہاں ہوں، اور میرے ہوٹل میں بھی باہر کے لوگ آ پہنچے ہوں گے — بڑی مہترانی ٹھمکتی ہوئی

جیسی بسیں قطار میں کھڑی تھیں — ان میں سے ڈبل گیٹ اتر رہے تھے — فٹ پاتھ پر تماشائیوں کا ہجوم تھا، نوجوانوں کی دھکا پیل تھی — اتنا شور غل مچا ہوا تھا کہ دور فاصلہ کی پھولدار باڑھ والی گلیوں سے بڑی بوڑھیاں نکل نکل کر آ پہنچی تھیں یہ دیکھنے کہ کیا قصہ ہے —

چاچی پولیا غیرت کے مارے ہونٹ چباتی ہوئی بسوں کے پاس سے اپنے راستے چلی گئیں —

ہنستے کھلکھلاتے، شور مچاتے نوجوان اپنا سامان اتروا رہے تھے — یہ سیاہ رنگ کے مختصر سے بدن والے نوجوان، ہلکے پھلکے، عورتوں کے بلاؤز جیسے رنگین بش شرٹ پہنے ہوئے تھے، تعجب یہ کہ دبلی پتلی لڑکیاں، تنگ پتلون ڈانٹے ہوئے تھیں، ان کے چھوٹے چھوٹے گھونگھریالے بال جیسے ٹائنامٹ کے بعد جل کر ذرا ذرا سے رہ جاتے ہیں — یہ سب لوگ شور پکار مچائے ہوئے تھے — مسکراتے جا رہے تھے، کسی بات پر بحث کر رہے تھے — انہوں نے اپنے بکس اور تھیلے بسوں سے اتارکر کاندھوں پر لاد لئے

انہیں برابر یہی خیال رہا کہ ہمارے ہوٹل میں
شاید ان ڈیلی گیٹوں کو جگہ دینے کی باری ہی
نہ آئے —
آخر خبر پھیلی کہ نمائش گاہ کے آس پاس والے
ہوٹلوں میں مہمان اترنے شروع ہو گئے —
آنے والوں میں سے ابھی کوئی نظر نہیں آیا —
لیکن افواہ چلی تو ہوٹل کی دوسری منزل تک پہنچی،
جہاں چاچی پولیا کا عمل دخل تھا —
شام کو چھ بجے ان کی ڈیوٹی ختم ہوتی تھی —
ابھی بدلی کرنے والی کا انتظار بھی نہیں کر پائی
تھیں کہ چارج دینے سے پہلے معائنے کے لئے نکلیں —
اپنے سارے بند و بست کو اور سامنے کھڑی ہوئی
ئی مہترانیوں کو کڑی نظر سے جانچتی گھورتی
ہوئی گزریں —
باہر کی سڑک پر ہمیشہ سناٹا رہتا تھا — آج
ب چاچی ہوٹل سے باہر نکلیں تو رک گئیں —
یہاں اودھم مچا ہوا تھا جیسے ریلوے اسٹیشنوں
ھوتا ہے —
سڑک کے کنارے کنارے پیلے رنگ کی ایک

میں بھاری قدموں سے چلتی ہوئی وہ باورچی خانے میں رات کا کھانا تیار کرنے چل دیں —

وقت گزرتا گیا — چاچی کو روزانہ انتظار تھا کہ اب دور دور کے مہمان آئیں گے — اتنے عرصے ہوٹل برابر خالی ہوتا گیا — کمرے پانی کے جہازوں کی طرح صاف شفاف ہو رہے تھے، اندا دھند چمکائے جا رہے تھے — چوراہے پر لکڑی کا ایک چھوٹا سا آدمی لگا دیا گیا، جس کے سر پر چھجے دار ٹوپی جمی ہوئی تھی — وہ ہاتھ بڑھائے ہوئے کھڑا تھا اور اس کی ہتھیلی کے نیچے لکھا تھا: «Hotel» — اب اس جگہ کا نام صرف یہی ہو گیا «Hotel» — چاچی کو کسی قدر یہ نئی بات پسند بھی آئی کیونکہ ایک انجانا اور اہم سا نام معلوم ہوتا تھا — قریب ہی سبزے کے فرش پر شامیانے لگا کر کھانے کی میزیں چن دی گئیں — اس کا سارا بند و بست چیف خانساماں کے سپرد ہوا — بڑا نٹ کھٹ آدمی تھا، جنگیوں کے سے لمبے لمبے ہاتھ — یہ کھانےوالا شامیانہ بھی خالی پڑا تھا — اس بات سے چاچی بولیا کے دل میں ٹھنڈک تھی کہ یہاں بھی سناٹا ہے — نجانے کیوں،

سارا میدان پار کرکے وہ اس کی مزاج پرسی کے لئے پہنچتی تھی کہ کہیں اونٹ بےلطفی تو نہیں محسوس کر رہا ہے—

فی الحال وہ عورت بھی میز کے پاس بیٹھی چائے کا پیالہ چڑھی رہی تھی— باتوں میں دخل دئے بغیر صرف سر ہلائے جاتی تھی— پرفیونوونا اپنے دل کا سارا غصہ انڈیلے دے رہی تھی— صاف نظر آرہا تھا کہ صرف گھوسن نہیں بلکہ یہ اونٹ والی بھی اپنے اونٹ کی وجہ سے کافی فکرمند ہے—

چاچی پولیا کے لئے یہ روزمرہ کا قصہ تھا— وہ اس کی عادی ہو چکی تھیں، لیکن اس بار جاتی سردیوں میں اچانک کچھ سے کچھ ہو گیا—

بہار کی شروعات تھی— ہوٹل کی دوسری منزل پر حسب معمول اس بار بھی گھوسنیں ٹھیری ہوئی تھیں— لیکن بہار ختم ہوئی، گرمی کا موسم آیا تو بیچ گرمیوں میں آرڈر ہوا کہ سارے کمرے خالی کر دئے جائیں— مسافروں کو کہیں ہوسٹل میں ٹھیرا دیا گیا اور ہوٹل کے منیجر نے اسٹاف کے سارے لوگوں کو جمع کرکے اعلان کر دیا کہ ہوٹل خالی

''خیر، بی بی، تم اپنا جی تھوڑا مت کرو،،
چاچی پولیا اس کا دل رکھنے کو کہتیں — ''مجھے
یہاں کتنے سال ہو گئے — جتنی گائے والیاں آتی ہیں،
شروع میں سب کے ساتھ یہی ہوتا ہے — گائے کی
وجہ سے ذرا ذرا سی بات پر رنج کرتی ہیں — پھر
گائے کو بھی عادت ہونے لگتی ہے — گائے تو گائے،
اجی آدمی کو عادت ہو جاتی ہے، سبحان تیری قدرت!،،

سرے کے کمرے میں گھوسنوں کے ساتھ ایک
اور عورت ٹھیرائی گئی — یہ خاموش مزاج اور بڑے
ڈیل ڈول کی عورت تھی — کہیں والگا پار کے کسی
پنچائتی فارم نمائش میں اونٹ لے کر آئی تھی —
چاچی پولیا اسے خاص طور سے دیکھنے گئیں — اونٹ
سانپ کی سی مغرور مڈیا اٹھائے کھڑا تھا اور منہ سے
جھاگ نکل رہے تھے — چاچی نے آگے پیچھے سے
گھوم پھر کر کئی بار اس کا معائنہ کیا اور ان کی
سمجھ میں نہیں آیا کہ قدرت نے یہ عجوبہ آخر کس
لئے پیدا کیا ہے — مگر وہ جو خاموش مزاج عورت
اس کے ساتھ آئی تھی وہ اپنے جانور کی پوجا کرتی
تھی — روزانہ رات کو اٹھ کر جاتی تھی، نمائش کا

تصویر پر آخری قلم پھیرتے وقت ہٹ ہٹ کر تنقیدی نظروں سے جانچتا ہے —

یہ ہوٹل پنچائتی کاشتکاروں کے لئے بنایا گیا تھا — وہ لوگ ماسکو کی زراعتی نمائش میں دیہات سے آتے تو یہاں ٹھیرا کرتے تھے — چاچی پولیا کا ٹھکانا دوسری منزل پر تھا اور اس منزل پر عام طور سے دودھ دوھنے والیاں قیام کرتی تھیں — جاتی سردیوں میں یہ لوگ آیا کرتی تھیں اور فارم سے بہترین نمونے کی گائیں ساتھ لایا کرتی تھیں — جب گرمیاں ہو چکتیں، پت جھڑ کے مہینے گزرنے لگتے اور نمائش بند ہونے کا وقت آتا تو وہ چلی جاتیں —

چاچی پولیا کو یہ بات پسند تھی کہ ان کی آسامیاں اس قدر رکھ رکھاؤ والی اور سنجیدہ عورتیں ہوتی ہیں — گرمیوں میں فرصت رہتی تو ان سے راہ و رسم بڑھانے کا موقع ملتا تھا — شام کے بعد جب یہ گھوسنیں نمائش سے ہوٹل واپس آتیں، تو چاچی ان کے کہے بغیر ہی چائے، چائے دانی اور کھولتا ہوا پانی تیار کرکے کمروں میں پہنچ جاتیں — گھوسنیں چائے پینے بیٹھتیں تو چاچی کو بھی پوچھ

تیار کرکے، تنور کی جھاڑ پونچھ کرکے قلعی کرنا اور مکان کی دیواروں پر پچارا پھیرنا ان کا روز کا معمول تھا — رادکی‌والیاں چاہے کتنا بھی کام کرتیں لیکن اس حد کو پہنچنا ان کے بس سے باہر تھا —

رادکی گاؤں سے چاچی پولیا اب سے پچیس برس پہلے نکلی تھیں — لیکن آج بھی ان کی جنگی اسپرٹ وہی تھی، اس میں کوئی فرق نہیں آیا تھا — اس چھوٹے سے پرسکون ہوٹل میں وہ پھرتی کے ساتھ اپنی جھاڑ پونچھ اور صفائی قائم رکھتی تھیں — روزانہ صبح کو ان کی ماتحت مہترانیاں لگ کر برامدوں اور کمروں میں جھاڑ پونچھ کرتیں، جیسے جہازی لوگ جہاز کا فرش رگڑتے ہیں — شیشے رگڑ رگڑکر صاف کئے جاتے اور اس وقت تک صفائی جاری رہتی جب تک وہ چمکنے نہ لگیں — پھر خود چاچی کھڑکی کے پاس پہنچ جاتیں اور کپڑا لےکر پھرکی کی طرح اسے تیز تیز رگڑتیں، شیشے ایسے چم چم کرنے لگتے جیسے سورج کی کرنیں — انھیں چمکا لینے کے بعد وہ چند قدم پیچھے ہٹتیں، خود اپنے کام کو تنقیدی نظر سے دیکھتیں، آنکھیں بھیچ لیتیں، جیسے مصور اپنی

دوسری منزل پر جو بڑی مہترانی تھی اسے سب لوگ چاچی ہولیا کہتے تھے—

یہ بھاری بدن کی ایک ادھیڑ عورت تھی جس کی بڑی بڑی ٹانگیں مردانہ بوٹ جوتوں میں پڑی رہتی تھیں— سب مہترانیاں آگ کی طرح اس عورت سے ڈرتی تھیں— اسے صفائی ستھرائی کا جنون تھا— صفائی رکھنے کی لت اس بری طرح تھی کہ خود رادکی گاؤں والوں کو اس پر حیرت ہوتی تھی جہاں سے چاچی آئی تھیں— سب میں اس بات کی شہرت تھی کہ رادکی گاؤں کی عورتیں صفائی کی دیوانی ہوتی ہیں—— روزانہ کھانا تیار کرنے کے بعد تنور پر سفید قلعی کرتی ہیں— لیکن چاچی ان میں بھی سب سے بڑھی ہوئی تھیں— جب وہ گاؤں میں رہتی تھیں تو کھانا

تاتیانا تئیس ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئیں — مشہور سوویت جرنلسٹ ہیں — ۱۹۳۴ء سے ''ایزویستیا'' اخبار کی خاص نامہ نگار کی حیثیت سے کام کرتی ہیں — ۱۹۵۰ء اور اس کے بعد ان کی کہانیوں اور مضامین کے کئی مجموعے نکل چکے ہیں —

بعض بعض وقت تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دن میں تارے نظر آ جاتے ہیں— ڈر یہ ہے کہ کہیں سوتے میں کسی روز نہ چل بسوں اور میرا بچہ سہم جائے— ایک مصیبت اور کھڑی ہو گئی ہے: قریب قریب ہر رات کو خواب میں اپنے مرحوم بال بچے دکھائی دیتے ہیں— زیادہ‌تر اس طرح نظر آتے ہیں کہ گویا میں خاردار تاروں کے پیچھے ہوں اور وہ ان کے باہر کھلے میں ہیں... میں ان سے باتیں کرتا رہتا ہوں، ابرینا سے، بچوں سے سب قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں، لیکن جیسے ہی میں تاروں کو ہاتھ سے ہٹانا چاہتا ہوں تو وہ چل دیتے ہیں، گویا دیکھتے دیکھتے ہوا میں تحلیل ہو گئے... تعجب کی بات، دیکھو، دن بھر تو میں خود کو اچھی طرح قابو میں رکھتا ہوں، کیا مجال، جو ہائے وائے منہ سے نکل جائے، لیکن رات کو بعض وقت آنکھ کھلتی ہے تو سارا تکیہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا پاتا ہوں...،،

وہ یہاں تک کہہ پایا تھا کہ جنگل میں میرے ساتھی کی آواز سنائی دی اور پانی میں چپوؤں کی چھپ چھپ ہونے لگی—

''کانٹے کے معاملے سے یہاں کی ڈرائیوری گئی، اگر یہ اکسیڈنٹ نہ ہوتا تو بھی میں اوریوپنسک سے کسی طرف کو چل ہی دیتا — دل پر ایسی اداسی چھا گئی ہے کہ اب مجھ سے ایک جگہ رہا نہیں جاتا، وحشت ہوتی ہے — ممکن ہے یہ چھوکرا جب ذرا بڑا ہو جائے اور اسے اسکول میں بٹھا دوں، تب کہیں مجھ میں بھی آدمیت آئے اور ایک ٹھکانے جم کر رہنے لگوں — ابھی تو اسے ساتھ لئے روس کی دھرتی ناپتا پھر رہا ہوں —،،

''اسے چلنے میں تو مشکل ہوتی ہوگی،، میں نے کہا —

''پاؤں پاؤں تو اسے کم ہی چلنا پڑتا ہے، زیادہ‌تر مجھ پر سواری کرتا ہے — کندھے پر بٹھا کر لے چلتا ہوں اور جب ذرا ٹانگیں سیدھی کرنا چاہتا ہے تو کندھے سے اترکر پیدل دوڑنے لگتا ہے سڑک کے کنارے، کدکڑے بھرتا ہے بکری کے بچے کی طرح — خیر، یہ تو سب چلتا ہی رہتا ہے، ہم جیسے تیسے بسر کر ہی لیتے لیکن ایک مصیبت یہ ہے کہ دل جھٹکے کھانے لگا ہے، اس کا پسٹن بدلنا چاہئیے...

ایک گاؤں سے گزر رہا تھا کہ پہیہ پھسل گیا۔ بیچ میں کہیں گائے آ گئی اور گاڑی سے ٹکرا کر جا پڑی۔ ٹکر لگنی تھی کہ، تم جانو دیہاتی عورتوں کی طبیعت، انہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا، لوگ دوڑ پڑے اور ٹریفک انسپکٹر کہیں سے فوراً نکل پڑا۔ اس نے میرا ڈرائیوری کا لائسنس لے لیا۔ میں نے بہت سمجھایا، خوشامد درامد کی لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ گائے جو گر گئی تھی، اٹھی، دم اٹھا کر اچکتی ہوئی چل دی گلیوں میں، لیکن میرا لائسنس ہاتھ سے جاتا رہا۔ ساری سردیوں وہی اپنی کارپینٹری کرتا رہا۔ میل جول کے ایک شخص سے خط و کتابت کی، اس کا بھی فوج میں ساتھ رہا تھا۔ تمہارے ضلع میں رہتا ہے، کشاری علاقے میں ڈرائیور کا کام کرتا ہے۔ اس نے خط لکھ کر مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ لکھا کہ چھ سات مہینے بڑھئی کا کام کرنا، پھر ہمارے علاقے میں تم کو ڈرائیوری کا نیا لائسنس مل جائے گا۔ چنانچہ اب میں اپنے بیٹے کو لے کر تمہارے ضلع کشاری میں جا رہا ہوں۔ پیدل کا سفر ہے۔

ملا تمہیں؟،، میں نے جواب دیا: ''بیٹے، میں تج جرمنی میں تلاش کرتا پھرا، پولینڈ میں ڈھونڈ رہا، سارے بیلوروس کا چکر لگا لیا اور تو کہیں اوریوپنسک میں جاکر ملا،، ـ ''اوریوپنسک کیا جرمنی سے قریب ہے؟ پولینڈ ہمارے گھر سے بہت دور ہے کیا؟،، غرض کہ سونے سے پہلے اسی طرح کی باتیں ہوا کرتی تھیں ـ

''تم کیا سمجھتے ہو کہ اس نے وہ چمڑے کے کوٹ والا سوال خواہ مخواہ کیا تھا؟ نہیں، بےوجہ نہیں ہو سکتا ـ مطلب یہ کہ اس نے کبھی اپنے اصلی باپ کو چمڑے کے کوٹ میں دیکھا ہوگا، وہی اسے یاد آ گیا ـ بچپنے کا حافظہ، تم جانو، گرمیوں کے موسم کی بجلی ہے جو لمحے بھر کو چمکتی ہے تو ہر طرف اجالا ہو جاتا ہے، اور پھر اندھیرا گھپ ـ ہی اس بچے کی یاد داشت تھی بجلی کی طرح، کسی سی لمحے کو چمکتی تھی ـ

''ممکن ہے وہاں اوریوپنسک میں ہم سال دو سال رہتے لیکن نومبر میں مجھ سے ایک غلطی ہو گئی: یہ کہ راستے میں مٹی کیچڑ تھی، میں گاڑی لے کر

بھی ملنا چاہئے، انڈا بھی ابلنا چاہئے، اور کوئی نہ کوئی گرم چیز کھانے میں بھی ہونی ضروری ہے — لیکن کچھ بھی ہو، کام تو نہیں روکا جا سکتا — میں نے صبر سے کام لیا اور اسے گھر پر مالکن کی نگرانی میں چھوڑ کر کام پر چلا گیا — وہ شام تک رویا اور شام ہوتے ہی مجھ سے ملنے ایلویٹر کی طرف تیر ہو گیا — رات گئے تک میرے انتظار میں وہیں بیٹھا رہا —

''اول اول تو اس کے ساتھ مجھے بڑی مشکل کا سامنا ہوتا تھا — ایک بار کیا ہوا کہ ہم باپ بیٹے سونے لیٹے، ابھی اندھیرا نہیں ہوا تھا، میں نے دن میں بڑی محنت کی اور تھک کر چور ہو گیا تھا — وانیوشکا کی عادت، کہ ہمیشہ چڑیوں کی طرح چہچہایا کرے لیکن اس روز خاموش — میں نے پوچھا: ''کیا بات ہے بیٹے، چپ کیوں ہے؟'' وہ چھت کی طرف دیکھتا جاتا ہے اور پوچھتا ہے: ''ابا، وہ تمہارا چمڑے کا کوٹ کیا ہوا؟'' مگر میرے پاس تو زندگی بھر کبھی چمڑے کا کوٹ نہیں رہا — آخر بات بنانی پڑی: ''وہ تو وورونیز میں رہ گیا —'' میں نے جواب دیا — ''اور اتنے دنوں تک میں کیوں نہیں

ھی پڑے — آھستہ سے اٹھوں، ماچس جلاؤں اور اسے
پیار سے دیکھنے لگوں...

''سویرا ھونے سے پہلے ھی آنکھ کھل گئی —
سمجھ میں نہیں آیا کہ گلا کیوں گھٹا جا رہا ہے؟
دیکھا تو برخوردار چادر سے پھسل کر میرے سینے
پر سوار ھیں اور اس طرح ٹانگیں پھیلائے پڑے ھیں
کہ میرا گلا دب گیا ہے — اس کے ساتھ سونے میں
تھی ذرا بےآرامی، لیکن اس کی عادت ھو گئی — اب
بغیر اس کے چین نہ آئے — رات کو جب وہ نیند میں
ھوتا ہے تو کبھی اسے تھپکتاھوں، سہلاتا ھوں، تو
کبھی جھنڈولے بالوں کو سونگھتا ھوں، دل سے بوجھ
اتر جاتا ہے، جی ھلکا ھو جاتا ہے — میرا دل تو
غموں کے مارے پتھر کا ھو گیا تھا...

''شروع شروع میں وہ میرے ساتھ ٹرک پر
بھی جایا کرتا تھا — میں نے پھر بعد میں سوچا،
نہیں، ایسے کام نہیں چلنےوالا — میری اکیلی جان
کو دنیا میں کیا چاھئے؟ روٹی کا ٹکڑا ھو اور پیاز
ں گنٹھی، نمک کی کنکری —— بس سپاھی کا سارا
ن کٹ گیا — اور اس کا معاملہ اور ہے: اسے دودھ

کا پتلون خریدا، قمیص لی، سینڈل لئے اور تنکوں کی ایک چھجے دار ٹوپی لی — جب لے کر گھر پہنچا تو پتہ چلا کہ نہ تو اس کے بدن کا سائز ہے، نہ کوالٹی اچھی ہے — کسی کام کا نہیں — پتلون پر تو مالکن بگڑ ھی گئی، کہنے لگی: ''تمہارا دماغ چل گیا ہے، بھلا، ایسی گرمی اور پشمینے کا موٹا کپڑا لائے ہو!،، فوراً اس نے سلائی کی مشین میز پر جما دی، صندوق میں ھاتھ ڈالا، اور گھنٹے بھر بعد میرے وانیوشکا کے لئے ساٹن کا نیکر تیار ہو گیا اور اسی کے ساتھ اچھی سفید قمیص، آدھی آستینوں کی — بستر پر بھی اسی کے ساتھ لیٹا اور ایک زمانے کے بعد یہ رات تھی جب مجھے آرام کی نیند آئی — لیکن رات میں کوئی چار بار سوتے سے اٹھنا پڑا — آنکھ کھلتی تھی تو وہ میری بغل میں گھسا ھوا تھا جیسے چڑیاں کوں کوں کرکے چھت کی کارنس میں گھستی ھیں — آھستہ آھستہ سانس لے — مجھے ایسی راحت ملی کہ سچ پوچھو تو بیان نہیں کر سکتا! ھلنا جلنا مشکل ھو گیا کہ کہیں اس کی نیند نہ اچٹ جائے، بے آرامی نہ ھو — پھر بھی کب تک — آخر سرک کر اٹھنا

لیا — اس کے ہاتھ صابن سے دھوئے، کھانے کی می
پر بٹھایا — گھروالی نے پلیٹ میں سالن نکال کر دی
مگر جوں ہی نظر پڑی کہ کھانے پر وہ کیسا ٹوٹ کر
گرا ہے تو آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی — چولھے کی
طرف منہ موڑکر کھڑی ہو گئی اور پیش بند پر
ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے — وانیوشکا نے دیکھ لیا کہ
وہ کونے میں کھڑی رو رہی ہے، دوڑا ہوا اس کے
پاس گیا اور دامن پکڑکر کھینچنے لگا: ''چاچی، آپ
روتی کیوں ہیں؟ ابا کو میں چائے خانے کے پاس
ملا ہوں، یہ تو خوش ہونے کا موقع ہے اور آپ رو
رہی ہیں — ،، یہ سننا تھا کہ وہ اور بھی پھٹ پڑی
اور روتے روتے برا حال کرلیا —

''کھانے سے نمٹ کر میں اسے بال کٹوانے لے
یا، حجامت بنوائی، گھر لاکر اپنے ہاتھ سے ناند
نہلایا، صاف ستھری چادر میں لپیٹا — اس نے
ے گلے میں باہیں ڈال دیں اور گود میں ہی
یا — احتیاط سے بستر پر لٹا دیا اور خود گاڑی
اناج پھٹکنے کی مشین پر گیا، اناج اتارکر گاڑی
ر پہنچائی اور دوکانوں کی طرف دوڑا — پشمینے

اور کانپ رہا — میں نے داھنے ھاتھ سے اسے اپنی طرف کھینچ لیا، گلے لگایا اور بائیں ھاتھ سے گاڑی اسٹارٹ کی — سیدھا اپنے گھر لے گیا — کہاں کا اناج، کس کی ڈیوٹی، میرے بس کا نہیں تھا مشین پر لے جانا —

''گاڑی پھاٹک پر چھوڑی اور اپنے نئے بیٹے کو ھاتھوں پر لئے ھوئے اندر گیا — وہ گردن کو شروع سے جو لپٹا تھا تو لپٹا ھی رھا — میرے گالوں پر کھونٹیاں نکلی ھوئی تھیں، مگر وہ گال سے گال ملائے رھا جیسے چپکا ھوا ھو — اسی حالت میں اسے اٹھائے ھوئے اندر لایا — گھر کا مالک اور مالکن اتفاق سے دونوں گھر پر تھے — دروازے کے اندر قدم رکھا تو دونوں آنکھوں سے انھیں بار بار اشارے کرتا جا رھا تھا — خوشی دکھاتے ھوئے میں بولا: ''لو، جی، اپنا وانیوشکا مل ھی گیا! بھلے آدمیو، ھمیں اپنے گھر میں آنے دو!،، وہ دونوں میرے جیسے بچارے بےاولادے — فوراً معاملے کی تہہ کو پہنچ گئے، جلدی جلدی ٹھیک ٹھاک کرنے لگے، بھاگ دوڑ شروع کر دی — نہلانے لگے مگر وہ گود سے اترنے کو کسی طرح تیار نہیں — خیر، بڑی مشکل سے کہہ سن کر راضی

''اف خدایا، یہ کہنا اور کیا سے کیا ہو گیا!
اس نے ایک دم میرے گلے میں باہیں ڈال دیں —
لپٹ گیا، گالوں کو پیار کرے، ہونٹ چومے، ماتھا
چومے اور پیار کرتے میں چڑیا کی طرح ننھی سی جھن
جھن کرتی آواز میں پکارتا جائے: ''میرے پیارے ابا!
میرے ابا، مجھے معلوم تھا، خوب معلوم تھا، تم
ایک نہ ایک دن میرا پتہ نکال لوگے! کچھ بھی ہو،
مل ہی جاؤگے! کتنے دن ہو گئے انتظار کرتے کرتے:
اب ملوگے، اب ملوگے!،، ایسی ننھی آواز میں وہ
کہے جا رہاتھا کہ اندر گاڑی میں گونجنے لگی، وہ
مجھ سے بالکل چمٹ گیا اور پتی کی طرح کانپے جائے —
میری حالت یہ کہ آنکھوں کے آگے دھندلکا اور دل
دھڑ دھڑ کرے، ہاتھ کانپیں... پتہ نہیں، اسٹیرنگ
کیسے سنبھالے رہا، معجزہ ہی ہو گیا! لیکن پھر
بھی گاڑی ایک گڑھے میں دھنسا لی اور انجن بند
کر دیا— جب تک آنکھیں صاف نہیں کر لیں، آگے
جاتے ہوئے ڈر لگتا تھا کہ کہیں کسی پر چڑھا نہ
وں — کوئی پانچ منٹ موٹر بند کئے بیٹھا رہا، اور
برا بیٹا پوری قوت سے مجھے چمٹا ہوا تھا، خاموش،

هاتھ بھر کا چھوکرا اور ابھی سے ٹھنڈے سانس بھرنا بھی آ گیا — اس کو بھلا ان باتوں سے کیا عرض! میں نے پوچھا: ''وانیا، تیرا باپ کہاں ہے؟'' آهسته سے بولا: ''لڑائی میں مارا گیا'' — ''اور ماں؟'' ''گاڑی میں ہم جا رہے تھے، اس پر بم پڑ گیا — ماں مر گئی'' — ''کہاں سے جا رہے تھے تم؟'' ''پته نہیں، کہاں سے، یاد نہیں مجھے... '' ''یہاں کوئی تیرا عزیز، رشتہ‌دار ہے یا نہیں؟'' ''نہیں، کوئی نہیں ہے'' — ''رات کو کہاں رہتا ہے؟'' ''جہاں بھی جگہ مل جائے —''

''اندر آنسو ابلنے لگے — میں نے فوراً فیصلہ کر لیا: ''کیا ضرورت ہمیں الگ الگ مصیبت بھرنے کی! اسی کو میں اپنا بیٹا بنا لوں گا'' — سوچتے ہی جی ہلکا ہو گیا، بدلی چھٹ گئی — میں اس کی طرف جھکا اور آهسته سے پوچھا: ''وانیوشکا، بیٹے! تجھے خبر ہے، میں ہوں کون؟'' ایک دم اس کے گلے سے سانس نکلا: ''کون ہو؟'' میں نے پھر بہت دھیمے سے جواب دیا: ''میں؟ میں تیرا باپ ہوں —''

...تی تھی — میں نے گاڑی سے باہر کو گردن نکالی
اسے آواز دی: ''ارے، وانیوشکا! جلدی سے موٹر میں
آ جا، تجھے چڑھی کھلا دوں، اناج پھٹکنے دینا ہے،
پھر یہیں پہنچا دوں گا— ساتھ روٹی کھائیں گے!''
آواز سنتے ہی وہ چونک گیا، برساتی سے چوکڑی بھری
تو پائدان پر پاؤں رکھ کر اوپر— دیکھو، پوچھتا
کیا ہے: ''چاچا، تمہیں کہاں سے معلوم ہو گیا
کہ میرا نام وانیوشکا ہے؟'' اس نے اپنی ننھی سی
آنکھیں خوب کھول لیں، میرا منھ تکے کہ اب کیا
جواب ملتا ہے— خیر میں نے اسے یوں ہی سمجھا
...مجھا دیا کہ بیٹے، میں تو بڑا گھاگ آدمی ہوں،
...ا دیکھی ہے—

''وہ داہنی طرف کے پائدان سے چڑھا تھا، میں
...ٹ کھول دیا، اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور گاڑی
...دی — بڑا چنچل چھوکرا تھا، مگر اندر آتے ہی
...م اسے چپ لگ گئی، سوچ میں پڑ گیا اور ہاں،
...ی لمبی، اوپر اٹھی ہوئی پلکوں میں سے میری
...کھتا جائے، ٹھنڈے سانس بھرے— ذرا سا

چائے خانے کا رخ کرےگا، کچھ نہ کچھ حلق میں اتارےگا ہی، آدھ پاؤ کا گھونٹ تھکن اتارنے کو بہت ہوا— مانتا ہوں، مجھے یہ بری لت ایسی لگی تھی کہ چھوٹتی نہیں... ایک دن بیٹھا تھا ٹھیکے پر، باہر نظر پڑی تو یہ چھوکرا وہیں آس پاس دکھائی دیا، دوسرے دن پھر وہیں نظر پڑا— چھوٹا سا گودڑی کا لال: منھ تربوز کے گودے میں سنا ہوا، مٹی کیچڑ تھوپے ہوئے، بال جھبرے، کنگھی تک نہیں ہوئی اور ننھی ننھی آنکھیں ایسے چمکیں جیسے بارش کے بعد کھلے آسماں میں تارے! مجھے وہ ایسا اچھا لگنے لگا کہ، ہے تو عجیب بات، پر اس کے بغیر کچھ کمی معلوم ہو— گاڑی کا پھیرا کرکے جب واپس ہونے لگتا تو اسے دیکھنے کی بے چینی دل کو لگ جاتی— ٹھیکے کے پاس ہی اس کی غذا مقرر تھی، جس نے جو بھی دے دیا—

''چوتھے دن کا قصہ ہے، میں سرکاری فارم سے ٹرک میں اناج لادکر چلا تو اسی ٹھیکے کی طرف گاڑی موڑ دی— میرا یہ چھوکرا وہیں برساتی کی سیڑھی پر بیٹھا ٹانگیں ہلا رہا تھا، صورت پر بھوک برس

میں میرا ایک دوست رہتا ہے، پچھلی سردیوں میں وہ بھی فوج سے سبک دوش ہوا تھا زخمی ہو جانے کی وجہ سے—— اور ایک زمانہ ہوا کہ مجھے اپنے یہاں آنے کا بلاوا بھی دے رکھا تھا—— یاد آیا تو منہ اٹھا کر اسی کی طرف چل پڑا—

''میرے دوست کے اولاد نہیں تھی— میاں بیوی اپنے ذاتی مکان میں شہر کے ایک کنارے رہا کرتے تھے— ویسے تو اسے اپاہج ہو جانے کی پنشن سرکار سے ملتی تھی، لیکن پھر بھی ایک لاری ڈپو میں ڈرائیور کے کام پر لگا ہوا تھا— میں نے بھی وہیں نوکری کر لی— دوست کے گھر پر ہی رہ پڑا، انہوں نے مجھے رہنے کی جگہ بھی دے دی— ہر طرح کا سامان ڈھو کر شہر سے باہر کی بستیوں میں پہنچایا کرتے تھے— آتی سردیوں میں اناج ڈھویا کرتے تھے— انھی دنوں اپنے نئے بیٹے سے جان پہچان ہو گئی، یہی جو دیکھتے ہو، ریت میں کھیل رہا ہے—

''جب لمبا پھیرا کرکے آتے تھے اور شہر کو واپسی ہوتی تھی تو، تم جانو، آدمی سب سے پہلے

میری طرف نہیں بلکہ دور کہیں ان جانی طرف کو دیکھ رہا ہو — صرف باچھوں میں ویسی مسکراہٹ بچی رہ گئی تھی جیسی میرے لال کی عادت تھی، میرا بچہ اناتولی، جو کبھی میرا تھا... میں نے اسے پیار کیا اور ایک طرف کو ہٹ گیا — لفٹیننٹ کرنل نے ماتمی تقریر کی — میرے اناتولی کے دوستوں اور ساتھیوں نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھے، پر میری سوکھی آنکھوں کے آنسو دل میں ہی خشک ہو گئے، رویا نہیں گیا مجھ سے، کیا جانے، اسی لئے دل آج تک روتا ہے —

''میں نے بدیس کی مٹی میں، جرمن کی زمین میں اپنی آخری خوشی کو، اپنی امید کو دفنا دیا — جب اسے دور کے سفر پر روانہ کرنے لگے تو میرے لال کے توپ‌خانےوالوں نے اپنے کمانڈر کو سلامی دی — اور میرے اندر کوئی چیز شق ہو گئی... میں وہاں سے اپنی طرف چلا آیا لیکن اپنے آپے میں نہیں تھا — پھر تھوڑے ہی دنوں میں فوج کی نوکری ٹوٹ گئی — اب کہاں جاؤں؟ کیا پھر وورونیز چلا جاؤں؟ نہیں، وہاں اب ہرگز نہیں جانا! مجھے یاد آیا کہ اوریوپسک

اور آهسته سے بولا : ''صبر کرو، تم باپ هو— تمہارا بیٹا کپتان سکولوف آج توپ‌خانے کے اپنے دستے میں مارا گیا— چلو، میرے ساتھ چلے چلو!''

''میں سارا هل گیا، مگر قدموں پر کھڑا رها— اب بھی یاد آتا ہے تو یوں لگتا ہے که خواب کی بات ہے، میں اس لفٹیننٹ کرنل کے ساتھ بڑی سی گاڑی میں کیسے گیا، ملبے سے بھری هوئی سڑکوں میں گاڑی کیسے نکال لی، دھندلا سا خیال آتا ہے که جوانوں نے صف‌بندی کر رکھی تھی اور تابوت سرخ مخمل میں لپٹا هوا رکھا تھا— اناتولی میری آنکھوں میں پھر رها ہے، جیسے، بھائی، تمہیں دیکھ رها هوں

کا جواب آ گیا — میں سمجھ گیا کہ میں اور میرا بیٹا جرمنوں کی راجدھانی کے قریب آ گئے ھیں، الگ الگ سمتوں سے بڑھے ھیں اور کہیں ایک دوسرے کے بالکل قریب ھی ھیں — انتظار کی بیکلی لگی ھوئی تھی کہ دیکھو، کس لمحے باپ بیٹے کا ملن ھوتا ھے — آخر وہ لمحہ آ گیا... ٹھیک ۹ مئی کی صبح کو، جو فتح کا دن تھا، میرے بیٹے اناتولی کو ایک جرمن نشانہ‌باز نے اپنی گولی کا نشانہ بنا دیا...

”دوپہر کے بعد کمپنی کے کمانڈر نے مجھے بلوایا — دیکھا تو اس کے پاس کوئی اجنبی بیٹھا تھا توپ خانے کا لفٹیننٹ کرنل — میں اندر گیا تو وہ اٹھ کھڑا ھوا جیسے رتبے میں اپنے سے بڑے کے آگے کھڑے ھوتے ھیں — میری کمپنی کے کمانڈر نے مجھ سے کہا: ”سکولوف، تمھارے پاس آئے ھیں یہ،، اور خود کھڑکی کی طرف منھ پھیر لیا — مجھے بجلی کا کرنٹ سا لگا، کیونکہ دل نے جان لیا: اچھے آثار نہیں ھیں — لفٹیننٹ کرنل میرے نزدیک آیا

لو، تھا تو آخر میرا ھی بیٹا، کپتان بن گیا، افسر ھو گیا ایک توپ خانے کا، کوئی مذاق ھے کیا! اور اوپر سے اتنے تمغے میڈل جیت لئے — اس کا باپ اگر "سٹوڈی‌بیکر"، گاڑی پر گولے ڈھوتا رھا، اور ایسا ویسا جنگی سامان لاد لادکر پہنچاتا رھا تو کیا ھے! باپ کا زمانہ لد گیا، اب تو کپتان کے دن ھیں آگے آگے —

"راتوں کو مجھے بوڑھوں کے سے ارمان ھونے لگے — سوچا: جنگ ختم ھو جائے تو بیٹے کی شادی کروں‌گا، اسے دولھا بناؤں‌گا اور خود پوتوں پوتیوں کو گود میں کھلاؤں‌گا، ذرا اپنی کارپینٹری کر لی اور پھر بچوں کی خدمت میں لگ گئے — غرض کہ اس طرح کے سارے چونچلے جو بوڑھوں بوڑھیوں میں ھوتے ھیں — لیکن اتنے میں سب پر بجلی گری — سردیوں میں ھم تابڑتوڑ دھاوے پر دھاوا کر رھے تھے، وقت نہیں ملتا تھا کہ ھم باپ بیٹے جلدی جلدی خط لکھ سکیں — لڑائی ختم ھونےوالی تھی، برلن کے قریب پہنچ گئے تھے کہ ایک دن صبح کو میں نے اناتولی کو پرزہ بھیجا، دوسرے ھی دن اس

گئی! کپڑا تکتا رہا، دل مسوستا رہا اور پھر اسٹیشن چلا آیا — وہاں گھنٹہ بھر بھی مجھ سے ٹھیرا نہیں گیا، اسی دن واپس اپنی ڈویژن میں چلا آیا —

''اس واقعے کے تین مہینے بعد ایک دن خوشی کی کرن چمکی جیسے گھناؤں میں سے سورج نکلتا ہے : اناتولی کا پتہ مل گیا — اس نے مجھے فرنٹ پر خط لکھا، دیکھنے سے کھلا کہ دوسرے فرنٹ سے لکھا ہے — پڑوسی ایوان ٹیموفی‌وچ کے ذریعے اسے میرا پتہ ملا تھا — خط سے معلوم ہوا کہ وہ شروع میں توپ خانے کے ٹریننگ کالج میں بھرتی ہوا تھا — حساب میں اس کی قابلیت دم آ گئی — سال بھر بعد ہی فرسٹ ڈویژن میں وہاں سے پاس کیا اور وہاں سے نمٹ کر سیدھا مورچے کو روانہ ہو گیا — یہ خط وہیں سے بھیجا تھا — لکھا تھا کہ کپتان کا رتبہ ملا ہے، ''پینتالیس،، ملی‌میٹر کے دہانے کی ایک بیٹری اس کی ماتحتی میں ہے، چھ تمغے اور میڈل اب تک انعام میں مل چکے ہیں — غرض یہ کہ باپ سے عزت میں آگے نکل گیا — پھر مجھے اس پر سچ مچ بری طرح فخر ہونے لگا! جو بھی کہو

نیلگوں فضا میں بادل یوں تیر رہے تھے جیسے سفید بادبانوں کے پر پھیلے ہوئے ہوں — لیکن ان لمحوں کی اذیت دینے والی خاموشی میں، یہ ناپیدا کنار دنیا جو بہار کی زبردست تکمیل کے لئے خود کو تیار کر رہی تھی، جو عالم وجود میں ہر زندہ شے کے قدم جمانے کے لئے تیار ہو رہی تھی، مجھے ان لمحوں میں یہ دنیا کچھ اور ہی لگی —

خاموشی گراں گزر رہی تھی — میں نے اس سے پوچھا:

"تو پھر کیا ہوا؟"

"پھر کیا ہوا؟" بیان کرنے والے کے منہ سے بے دلی سے نکلا — "آگے یہ ہوا کہ مجھے کرنل کی طرف سے مہینے بھر کی چھٹی کا آڈر آ گیا — ہفتے بھر میں ورونیژ جا پہنچا — اس جگہ تک پیدل گیا جہاں کبھی بھرے پرے کنبے کے ساتھ رہتا تھا — اب وہاں گہرا گڑھا تھا، اس میں پانی بھرا ہوا تھا — پانی پر کائی جم گئی تھی — چاروں طرف جھاڑ جھنکاڑ کمر کمر کھڑا تھا... ویرانہ، سناٹا، قبرستان کی سی خاموشی — اوف، کیا بتاؤں، دل پر کیا گزر

سوچنے لگا: ''کہیں یہ میری بے ڈھنگی زندگی خواب کی تو نہیں تھی؟'' جب تک قید میں رہا، قریب قریب روز رات کو، ماہر ہے کہ دل ہی دل میں، اپنوں سے، اپنے بچوں سے باتیں کیا کرتا تھا، ان سے چھیڑ چھاڑ کرتا تھا، سمجھاتا تھا کہ میرے پیارو، میں تمہارے پاس پہنچوں گا، تم میری طرف سے پریشان مت ہونا، میں جیتا جاگتا ہوں، زندہ سلامت ہوں اور ہم ملیں گے، ہنسی خوشی ساتھ گزاریں گے... مطلب یہ کہ دو برس تک میں زندوں سے نہیں، مردوں سے ہی بات کرتا رہا''۔

آپ بیتی بیان کرنے والے پر منٹ بھر کو خاموشی چھا گئی، اور پھر وہ بولا، مگر اس کی آواز بدلی ہوئی تھی، توڑ توڑ کر اور دھیمی آواز میں اس نے کہا:

''لاؤ، بھائی، تمبا کو پھونکیں... میرا گلا گھٹا جا رہا ہے—''

ہم دونوں نے سگرٹ جلا لی— پانی بھرے ہوئے جنگل میں لٹھ بڑھئی پرندے کی کھٹ کھٹ گونج رہی تھی— گرم ہوا میں اونچا درخت کی خشک بالیاں دھیرے دھیرے ہل رہی تھیں، اتھی ہوئی

بھنچ کر رہ گیا کہ کسی طرح کھلنے میں نہیں آتا تھا — میں خط پورا پڑھے بغیر چت لیٹ گیا — پھر جب ذرا لیٹا رہا تو اٹھ کر آخر تک پڑھا — پڑوسی نے خبر دی تھی کہ جب بم پڑا ہے تو اناتولی شہر گیا ہوا تھا — شام کو وہ بستی میں آیا، گھر کی جگہ زمین اڑی ہوئی دیکھی تو رات کو ہی پھر واپس شہر چلا گیا — جاتے وقت پڑوسی سے کہتا گیا کہ میں درخواست دوں گا: مجھے میری خوشی سے مورچے پر بھیج دیا جائے — اور بس —

''جب میرا دل کچھ ہلکا ہوا اور کانوں میں خون کی سنسناہٹ سنائی دی تو اس وقت یاد آیا کہ اسٹیشن پر مجھے رخصت کرتے وقت میری ایرینا کیسی تڑپی تھی — مطلب یہ کہ اس میں جو عورت کا دل تھا، وہ تبھی خبر دے رہا تھا کہ بس، اب اس دنیا میں ہم نہیں ملنے کے — اور مجھے دیکھو کہ میں نے اسے دھکا دے دیا... کیا نہیں تھا، گھربار تھا، کنبہ تھا، اس کے بنانے جوڑنے میں کتنے سال لگ گئے، اور سب کچھ ایک منٹ میں خاک سیاہ ہو گیا، میں دنیا میں اکیلا رہ گیا — میں

کبھی ایک دم سے کیلا چھوڑ دیتے تو میں اتنا
کنیا جاتا کہ ڈاکٹروں کے بقول ڈھے جاتا — خیر
تو ھٹا کٹا ھو گیا — اور دو ھفتے بعد یہ حالت ھوئی
کہ منہ میں نوالہ نہ لیا جائے — گیر سے خط کا
جواب نہیں آیا، اور میں صاف کہوں کہ دل کو
فکر لگ گئی — نہ بھوک لگے، نہ دماغ کام کرے،
نیند اڑ گئی، طرح طرح کے برے خیال دل میں آنے
لگے... تیسرے ھفتے وروینز سے خط ملا — یہ خط
حبیب نے نہیں لکھا تھا بلکہ میرے پڑوسی، لکڑی
کے ڈیکر ابوان تیموفیوچ کا خط تھا — خدا نہ کرے
نہ دشمن کو بھی ایسا خط ملے! پڑوسی نے میرے
خط کے جواب میں لکھا تھا کہ جون سن بیالیس میں
جرمنوں نے ھوائی جہاز کی فیکٹری پر بمباری کی اور
ایک بم سیدھا میرے مکان کے عین اوپر گرا — ایرینا
اور بچے اس وقت گھر پر ھی تھے... آگے اس نے
لکھا تھا کہ ان کا کچھ پتہ نہیں چلا اور جس جگہ
گھر تھا، اب وھاں ایک گہرا گڑھا رہ گیا ہے...
میں نے یہ خط ایک دفعہ میں آخر تک پڑھا نہیں
آنکھوں کے آگے اندھیر ھو گیا، دل ایسا

افسر تھے، سب نے بڑے تپاک سے، دل سے ہا
ملایا، ہاتھ ملا کر رخصت کیا — میں وہاں سے نک
تو بھی انتہا درجے کی ہلچل ہو رہی تھی دل میں
دو برس ایسے گزارے کہ انسانیت کا برتاؤ تک
میری یاد سے جاتا رہا تھا — اور ہاں بھائی، ایک
بات اور، عادت ایسی ڈلوادی تھی کہ جب افسروں
سے بات کرو تو گردن جھکا کر بات کرو، بہت دن
سے مجھے یہ عادت ہو گئی تھی جیسے ڈر لگا رہتا
ہو کہ سر اٹھاؤں تو مار نہ بیٹھیں کہیں —— ایسا
بنا دیا تھا ہمیں فاشسٹ کیمپوں میں...

''ہسپتال سے میں نے فوراً ایرینا کو خط ڈالا —
جو جو گزری تھی، سب مختصر لکھ دی، قید میں
کیسے پڑا، جرمن میجر کو لے کر کیسے بھاگا، خیر
سب لکھ دیا — ذرا مہربانی کرکے بتانا، یہ مجھ
میں بچوں کی سی شیخی کہاں سے آ گئی؟ رہا نہیں
گیا، خط میں یہ بھی لکھ مارا کہ کرنل نے وعدہ
کیا ہے، سرکار سے انعام دلوائے گا...

دو ہفتے کھانے اور سونے میں گزارے — تھوڑا
تھوڑا کرکے کھلاتے تھے لیکن کئی بار، ورنہ اگر

افسروں کے سامنے مجھے گلے لگا لیا اور بولا: ''تیرا شکریہ جوان کہ ایسا قیمتی تحفہ لایا جرمنوں میں سے — تیرا وہ میجر اور اس کا تھیلا دشمن کے بیس جانکار قیدیوں سے بڑھ کر ہمارے کام آیا — تیرے کارنامے کی رپورٹ بھیجوں گا کہ سرکار سے تجھے انعام اکرام ملے — ،، اس نے جو لفظ کہے، جس مہربانی سے پیش آیا، اس سے میرے اندر بیقراری بڑھ گئی، ہونٹ کانپنے لگے، روکوں تو رکیں نہیں — بس، منہ سے صرف اتنا نکلا: ''کامریڈ کرنل، میری ایک عرض ہے، مجھے پیدل دستے میں لگا دیجئے — ،،

''مگر کرنل ہنسنے لگا، میرے شانے تھپتھپائے، بولا: ''لڑنے کیا جائےگا تو، ابھی تجھ سے اپنی ٹانگوں پر کھڑا تو ہوا نہیں جاتا! آج میں تجھے ہسپتال بھیجتا ہوں — وہاں ذرا علاج ولاج ہوگا، تجھے کھلا پلا کر ٹھیک کریں گے — پھر گھر جائیو، اپنے گھروالوں سے ملنے، مہینے بھر کی چھٹی ملےگی — جب گھر سے واپس آئےگا تو دیکھیں گے کہاں بھیجنا ہے تجھے — ،،

کرنل اور اس کے تہہ خانے میں جو اور دوسرے

دوڑا ہوا آیا، دانت نکال کر بولا: ''اوہو، جرمن
فرٹز کے بھوت، راستہ بھول گئے؟'' میں نے جرمن
وردی چیر پھاڑ کر پھینک دی، جرمن ٹوپی بھی اتار کر
پاؤں میں روند ڈالی اور اس سے بولا: ''ارے
برخوردار، میرے بچے! میں کون سا فرٹز ہوں، میں
تو وورونیژ کا رہنے والا ہوں! وہاں پیدا ہوا، دشمن
کی قید میں پھنسا ـــ سمجھا؟ اور اب تو اسے سوٹے
بورے کو کھول کر سنبھال لے جو گاڑی میں بیٹھا
ہے، اس کا بیگ اٹھا لے اور مجھے اپنے افسر کے پاس
لے چل ـــ''

''میں نے پستول اس کے حوالے کیا اور ہاتھوں
ہاتھ لے جایا گیا ـــ شام کو کرنل کے سامنے پیشی
ہوئی ـــ یہ اس ڈویژن کا کمانڈر تھا ـــ تب تک
مجھے خوب کھلا پلا چکے تھے، غسل کرا دیا
تھا، پوچھا پاچھا تھا، نئی وردی دے دی تھی ـــ
جب میں تہہ خانے میں اندر کرنل کے سامنے قاعدے
کے بموجب حاضر ہوا تو اندر باہر سے صاف ستھرا
تھا، پوری یونیفارم میں گیا تھا ـــ کرنل میز کے پاس
سے اٹھ کھڑا ہوا، مجھ سے ملنے آگے بڑھا ـــ سارے

جیسے سمجھ ھی نہیں رھا ھوں — ایکسلریٹر اور زور
سے دبا دیا، پوری ۸۰ کی اسپیڈ چھوڑ دی — اتنے
وہ سمجھیں کہ معاملہ کیا ہے اور انہوں نے پیچھے
سے گاڑی پر گولی برسانی شروع کی، میں نکل کر
دونوں فریقوں کی مار سے باھر زمین پر پہنچ گیا —
گڑھوں سے بچتا بچاتا ایسے جا رھا تھا جیسے خرگوش
بھاگتا ہے —

پیچھے سے جرمن تڑاتڑ مار رہے ھیں، اور یہاں
سے اپنوں نے تاک لیا — مشین گنوں سے استقبال
ھو رھا ہے — سامنے کے شیشے کو چار جگہ سے پھوڑ
دیا — ربڑی ایئر گولیوں کی باڑھ میں آ گیا... جھیل
کے پاس ایک چھوٹا سا جنگل تھا، اس کی طرف گاڑی
موڑ دی — ھمارے آدمی گاڑی کی سمت کو دوڑے،
میں نے گاڑی اس جنگل میں ڈال دی، دروازہ چوپٹ
کھول دیا، زمین پر گر گیا اور اسے چومنے لگا —
سنے میں سانس نہیں ٹھہر رھا تھا...

''ایک نوجوان چھوکرا، جس کے فوجی کوٹ
کے دونوں شانوں پر سرخ رنگ کی پٹیاں لگی ھوئی
تھیں، پہلی بار میں نے اس طرح کی پٹی دیکھی، آگے

آئے گا تو ہمارے آدمیوں کو اس کے منھ سے کام
کی باتیں معلوم ہوں گی — اس کی جیب میں سے میں
نے پستول "پرابےلوم" کھینچ لیا اور اپنی جیب میں
ڈال لیا — پچھلی سیٹ میں ایک کھٹکا ٹھونک دیا
اور ٹیلفون کا تار لے کر میجر کی گردن میں پھنسایا
اور اس تار کو پیچھے والے کھٹکے میں پکی گانٹھ
لگا دی — یہ اس لئے کہ موٹر تیز چلے تو کہیں
میری سواری داھنے بائیں الٹ نہ جائے — پھرتی کے
ساتھ میں نے جرمن وردی اوپر سے ڈانٹ لی اور ٹوپی
چڑھا لی، پھر گاڑی سیدھی ادھر چھوڑ دی جدھر
زمین پر دھواں دھوں ہو رہی تھی، جدھر لڑائی چل
رہی تھی —

جرمنوں کی اگلی لائن کو میں دو آڑوں کے
بیچ میں سے کنی کاٹ کر پار کر گیا — خندق میں
سے مشین گن والوں نے سر اٹھایا، میں نے جان بوجھ کر
رفتار دھیمی کر دی تاکہ وہ دیکھ لیں، میجر ہے
گاڑی میں — لیکن انہوں نے شور مچا دیا، ہاتھ
ہلا ہلا کر اشارے کرنے لگے — مطلب یہ کہ: ادھر
مت جاؤ، ادھر مت جاؤ — اور میں ایسے بن گیا

تو لوٹ بھی جھٹک لیتا — یہ مال بھی اگلی سیٹ کے
نیچے ٹھونس دیا اور چل رفوچکر —

وہ جون کی صبح تھی ڈکر تھے — میرے مخبر
نے آکر کہا کہ چلو، شہر سے باہر جانا ہے نوروشنا
کی طرف چلو — وہاں پر وہ موجود ہوا رہا تھا —
چلے، مخبر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور اونگھنے لگا،
اور میری یہ حالت کہ سینے سے دل دھڑک کر نکل
جائے گا — گاڑی میری سے لے جا رہا تھا — شہر
سے باہر نکل کر میں نے رفتار ہلکی کر دی، پھر
گاڑی روک لی، باہر نکلا، ادھر ادھر نظر دوڑائی:
دور پر دو لاریاں آہستہ آہستہ چلی آ رہی تھیں —
میں نے وہ لوہا نکالا، گاڑی کا پچھلا پٹ کھول دیا —
موٹا پچھلی سیٹ سے کمر لگائے خراٹے لے رہا تھا
جیسے سوئی کی بغل میں پڑا ہو — میں نے اس کی
کنپٹی پر زور سے وہ لوہا مارا — سر آگے کو
ڈھلک گیا — اپنا اطمینان کرنے کے لئے میں نے
ایک ضرب اور جمائی — میرا منشا یہ نہیں تھا کہ
بالکل ہی جان سے مار دوں — میں تو زندہ پکڑ کر
لے جانے کی سوچے ہوئے تھا کہ جب اسے ہوش

پھول کر کپا ہو گیا، آنکھوں کے نیچے تھیلیاد گئیں...

''ہاں تو —— میں نے سوچا —— اب آ گیا وقت — اور انتظار نہیں کرنا! اس بار میں اکیلا نہ بھاگوں گا، اپنے اس موٹو کو بھی اڑا لے جاؤں گ ہمارے والوں کے کام آئے گا!''

''جہاں مکانوں کے ڈھیر پڑے تھے، اس جگ میں نے ڈھونڈھ کر ایک لوہے کی دو سیری نکالی، اۓ گاڑی کی جھاڑن میں لپیٹ کر رکھ لیا کہ اگر موقع لگا اور اس سے حملہ کیا تو خون نہیں نکلے گا۔ ٹیلفون کے تار کا ایک ٹکڑا راستے سے اٹھالیا — جو کچھ مجھے درکار تھا، سنبھال کر رکھ لیا اور گاڑی کی اگلی سیٹ کے نیچے چھپا دیا — جرمنوں کے ہاں سے بھاگنے والے دن کو ابھی دو دن باقی تھے کہ پٹرول پمپ سے واپسی پر راستے میں ایک جرمن نظر پڑا، بری طرح پئے ہوئے، بالکل لت پت — یہ جرمن جمعدار تھا — دیوار کے سہارے جا رہا تھا — میں نے گاڑی روکی، اسے ٹھیل کر اندر کھنڈر میں لے گیا اور وہاں اس کی وردی اتروالی اور سر سے اس

تیار کرائے — یہاں پہنچ کر میری نیندیں اچاٹ هو گئیں — رات رات بهر اسی ادهیڑبن میں گزر جاتی تهی که کیسے یہاں سے بهاگ نکلوں، اپنے وطن کی طرف —

''هم شہر پولوتسک پہنچے — ایک روز صبح سویرے مجهے اپنے توپ خانے کی گڑگڑاهٹ سنائی دی — دو سال میں پہلی بار یه آواز سنی تهی — جانتے هو، بهائی، دل میں کیسی هلچل مچ گئی؟ جب میری شادی نہیں هوئی تهی اور ایرینا سے ملنے جاتا تها تب بهی دل میں هلچل هوتی تهی، لیکن اس روز کی سی پہلے کبهی نہیں هوئی! لڑائی ان دنوں پولوتسک سے کوئی اٹهاره کلومیٹر پورب میں چل رهی تهی — شہر میں جرمنوں کو بہت طیش آنے لگا تها — بات بات پر غصه کرتے تهے، اور میرا وه موٹا اور بهی زیاده پینے لگا تها — دن کو میں اسے شہر کے باهر لے کر جاتا تها، وه وهاں حکم احکام دیتا که بچاؤ کے ناکے کیسے مضبوط کرنے هیں اور شام کو تن تنہا پینے میں جٹ جاتا — اور بهی

کرے تو بس دیکھے جاؤ، منہ چلتا ھی رہے گا! سارے
سارے دن کھائے جاتا تھا اور اوپر سے بوتل کھول
کر کنیاک کے گھونٹ بھرتا رھتا تھا — کبھی
کبھار میرے ھاتھ بھی کچھ لگ جاتا تھا: راستے
میں رک جائے، سوکھے گوشت کے ٹکڑے چاقو سے
کاٹ کر، پنیر کے ساتھ کھائے اور اوپر سے شراب
کے گھونٹ بھرے — موڈ اچھا ھو تو مجھے بھی
ایک آدھ ٹکڑا ڈال دے جیسے کتے کو دیتے ھیں —
ھاتھ میں کبھی نہیں پکڑاتا تھا — سمجھتا تھا کہ
یہ اس کے رتبے سے گری ھوئی بات ہے روٹی کا
ٹکڑا خود قیدی کے ھاتھ میں دینا — خیر، جو کچھ
بھی تھا، تاھم کیمپ کی زندگی سے یہاں کا کوئی
مقابلہ نہیں — وھاں سوکھ چکا تھا، یہاں تھوڑی
بہت آدمی کی صورت نکل آئی — ذرا ذرا کرکے بدن
میں جان آنے لگی —

"دو ھفتے تک میں اپنے میجر صاحب کو پوٹسڈم
سے برلن، برلن سے پوٹسڈم لاتا لے جاتا رھا — پھر
مورچے کے پاس اس کی ڈیوٹی لگ گئی — کام یہ
تھا کہ ھماری فوج کے مقابلے کے لئے ڈیفنس لائن

سے پہلے ڈرائیور کا کام کیا ہو — ایک قدم آگے،، —
ہم سات آدمی ڈرائیور رہ چکے تھے، آگے بڑھ گئے —
ہمیں انہوں نے بھرے ہوئے اوپر کے لمبے گون دے
دئے اور پھرے میں پوٹسڈم روانہ کر دیا —

''وہاں پہنچے تو ہم ساتوں کو الگ الگ
کام پر لگا دیا — محکمے ''ٹوڈٹ،، کے حوالے کیا —
جرمنوں کے ہاں اس نام کا ایک محکمہ تھا جو سڑکیں
بناتا تھا اور ڈیفنس کی لائن کھڑی کرتا تھا —،

''میں نے ''اوپل ایڈمرال،، کی گاڑی چلانی شروع
کی — یہ جرمن انجینیر تھا میجر کے عہدے کا آدمی —
اوفوہ! کیا موٹا تازہ فاشسٹ تھا یہ میجر! چھوٹا
قد، توند نکلی ہوئی، لمبائی اور چوڑائی، دونوں میں
ایک سا — پیچھے سے جاسے چوڑے پٹھے، بالکل بنی
بنائی عورت لگتی تھی — سامنے سے دیکھو تو کوٹ
کے کالر کے اوپر ٹھوڑی کے نیچے تین ٹھوڑیاں اور
لٹکتی تھیں اور پیچھے گردن پر چربی کی تین الیٹیں
پڑی رہتی تھیں — میرا اندازہ تو یہ ہے کہ اگر
کاٹو تو دو من چربی اس میں سے نکلے — چلتے میں
بھبکے چھوڑتا تھا ریل کے انجن کی طرح — جگلی

دیکھ لئے ہیں مگر میں وہی ہوں، جانور نہیں بنا سکے مجھے —

''اس کے بعد کمانڈنٹ کی ہنسی بند ہو گئی، چہرے پر سنجیدگی آ گئی، اپنے سینے پر لٹکی ہوئی لوہے کی دونوں صلیبیں ٹھیک کیں، ہتھیار چھوڑ کر میز کے پاس سے ہٹ گیا اور بولا: ''سن سکولوف، تو اصلی روسی سپاہی ہے — بہادر سپاہی ہے — میں —— میں بھی سپاہی ہوں اور لایق دشمنوں کی عزت کرتا ہوں — تجھ پر گولی نہیں چلاؤں گا — اور آج کا دن بھی ایسا ہے کہ ہمارے جگر دار جوان والگا پر پہنچ گئے ہیں اور پورے استالن گراد پر قبضہ کر لیا ہے — ہمارے لئے یہ بڑی خوشی کا موقع ہے — آج میں تیرے ساتھ عالی ظرفی کا برتاؤ کروں گا، جا تجھے زندگی بخشی! اپنے بلاک کو چلا جا، تیری بیباکی کا انعام دیا —،، میز پر سے اٹھا کر اس نے ایک ڈبل روٹی دے دی، جو کچھ زیادہ بڑی نہیں تھی، اور اس پر چربی کا ٹکڑا رکھ دیا —

''میں نے وہ لے کر پوری طاقت سے سینے سے

اپنی رٹ: ''معاف کیجئے، ہر کمانڈنٹ، مجھے دوسرے گلاس کے بعد بھی کچھ کھانے کی عادت نہیں ہے!''

اس نے گال پھلا لئے، خراٹا سا لیا اور پھر زور سے قہقہہ لگایا، قہقہے کے بیچ میں جلدی جلدی کچھ کہا بھی جرمن میں — یعنی اس نے میری بات اپنے دوستوں کو سنائی — وہ بھی ہنس پڑے، کرسیاں پیچھے کو کھینچ لیں، اپنے تھوبڑے میری طرف پھیرے، دیکھتے ہی میں بھانپ گیا کہ اب کے جو دیکھ رہے ہیں تو نظر بدلی ہوئی ہے، ذرا نرمی آگئی ہے —

''کمانڈنٹ نے بوتل سے تیسرا گلاس بھرا اور ہنسی کے مارے اس کے ہاتھ کانپنے لگے — یہ گلاس میں نے آہستہ آہستہ پیا، روٹی کا ذرا سا ٹکڑا بھی دانت سے کاٹا، باقی میز پر رکھ دیا — میرا دل چاہ رہا تھا کہ ان مردودوں کو دکھا دوں کہ اگرچہ میں بھوک سے مرا جا رہا ہوں، پھر بھی جو ٹکڑا انہوں نے میری طرف پھینکا ہے اس پر نہیں لپکوں گا، مجھ میں باقی ہے وہ، اپنی روسی اکڑ، اپنی عزت کا پاس — سارے جتن کرکے انہوں نے

نجات کے نام پیتا ہوں ––،، یہ کہہ کر اس کے ہاتھ سے گلاس لیا اور دو گھونٹ میں سارا کا سارا حلق میں انڈیل لیا –– اس کے ساتھ جو ناشتہ تھا، وہ چھوا نہیں –– تمیز کے ساتھ میں نے ہتھیلی سے ہونٹ پونچھے اور کہا: ''شکریہ آپ کی تواضع کا، میں تیار ہوں، ہر کمانڈنٹ، چلئے –– چل کر، میرا قصہ پاک کیجئے ––،،

''وہ نظر جما کر میری صورت تکنے لگا اور بولا: ''مرنے سے پہلے منہ میں تو کچھ ڈال لیا ہوتا ––،، میں نے جواب دیا: ''میں پہلا گلاس چڑھانے کے بعد نہیں کھایا کرتا ––،، اس نے دوسرے گلاس میں شراب انڈیلی اور میری طرف بڑھا دی –– میں نے وہ دوسرا گلاس بھی غٹاغٹ چڑھالیا اور پھر ناشتے کو نہیں چھوا –– میں جان پر کھیل گیا، جی میں سوچا: ''اچھا ہے، باہر صحن میں نکلنے اور گولی کھانے سے پہلے پی کر نشے میں دھت تو ہو جاؤں گا ––،، کمانڈنٹ نے سفید بھویں بہت اوپر کو چڑھالیں اور پوچھنے لگا: ''کیا بات ہے، روسی ایوان؟ کچھ منہ میں نہیں ڈالے گا؟ شرما مت!،، اور میں نے پھر وہی

دیا، ایک گلاس میں اوپر تک بوتل سے جن انڈیلی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا، اس پر تھوڑی سی چربی لگائی اور یہ سب مجھے دینے لگا — بولا: ''لے، روسی ایوان، موت سے پہلے یہ پی جا، جرمن فوج کی فتح کے نام پر—''

''میں اس کے ہاتھ سے شراب کا گلاس اور روٹی لے چکا تھا، مگر جب میرے کان میں آخری لفظ پڑے تو جیسے کسی نے مجھ پر آگ جھونک دی! جی میں سوچا: ''میں روسی سپاہی ہوکر جرمن فتح کے نام پر پی جاؤں، یہ نہیں ہو سکتا — ہر کمانڈنٹ، اور تجھے کیا چاہئے؟ مرنا تو ہئی ہے مجھے، میری طرف سے جہنم میں جائے تو اور تیری یہ شراب!''

''میں نے گلاس میز پر رکھ دیا، اس کے اوپر ڈبل روٹی کا ٹکڑا بھی — ''آپ کی تواضع کا شکریہ، لیکن میں پیتا نہیں ہوں — '' وہ مسکرا دیا: ''مطلب یہ کہ تو ہماری فتح کے نام پر نہیں پینا چاہتا؟ یہ بات ہے تو، چل اپنی موت کے نام پی جا —'' اب میرے ہاتھ سے کیا جاتا تھا؟ میں نے اس کے منھ پر کہہ دیا: ''اپنی موت اور ساری مصیبتوں سے

آیا ھوا، اور پستول سے کھیل رہا تھا — کبھی ایک ہاتھ میں لے، کبھی دوسرے میں، ٹک ٹک میری صورت دیکھے جائے سانپ کی طرح، اور پلک تک نہ جھپکے — میں نے اپنے دونوں ہاتھ پہلو میں چھوڑ دئے، اٹین‌شن ھوکر ایڑی بجائی اور اونچی آواز میں خبر دی: ''ھر کمانڈنٹ! جنگی قیدی اندرئی سکولوف، آپ کے حکم سے حاضر ہے—'' وہ مجھ سے پوچھتا کیا ہے: ''کیوں بے، روسی ایوان، بول، چار کیوبک میٹر پتھر کوٹنا بہت کام ہے؟'' میں بولا ''جی بالکل ٹھیک، ھر کمانڈنٹ یہ بہت ہے'' — ''اور تیرے اکیلے کی قبر کو یہ کافی ہے؟'' ''جی بالکل ٹھیک — ھر کمانڈنٹ، کافی ہے بلکہ اور بچ رہے گا —''

''وہ میز سے اٹھ کھڑا ھوا اور بولا: ''ٹھیر، میں تجھے یہ عزت ابھی بخشتا ھوں — جو تو نے بکا ہے، اس پر خود اپنے ہاتھ سے گولی ماروں گا — یہاں اندر مناسب نہیں رہے گا، چل، باھر احاطے میں چلتے ھیں — وھاں تیرا حساب پاک ھو جائے گا—''

''جو حکم ھو'' میں نے جواب دیا — وہ کھڑا رہا، کچھ سوچا، پھر پستول وھیں میز پر ڈال

''کمانڈنٹ کے کمرے میں کھڑکیوں پر پھول
چنے ہوئے تھے، صفائی ستھرائی بہت تھی، جیسی
ہمارے یہاں اعلا درجے کے کلب میں ہوتی ہے —
میز پر کیمپ کے سارے افسر ڈیرا جمائے ہوئے تھے،
کل پانچ آدمی تھے — جن سے ملتی جلتی سفید
شراب اڑ رہی تھی اور سور کی عمدہ چربی پر ہاتھ
صاف ہو رہا تھا — میز پر بہت عمدہ قسم کی جن
کی بوتل، روٹی، چربی، اچار کے نمکین سیب، ایک
سے ایک قسم اچار اور کھانوں کے ڈبے کھلے ہوئے —
ایک نظر میں ان کا سارا چارہ دیکھ لیا اور اس
کا دیکھنا تھا، یقین ماننا، ایسی طبیعت اکی کہ قے
ہوتے ہوتے رہ گئی — میں بھوک سے بھیڑیا ہو رہا
تھا، آدمیوں کی غذا یاد سے بھی مٹ چکی تھی اور
یہاں جو دیکھتا ہوں تو سامنے ایک سے ایک ذائقہ
موجود...

''جیسے تیسے طبیعت تو سنبھال لی لیکن نظر
میز سے نہیں ہٹتی تھی — بہت جبر کرکے ادھر
سے نظر پھیری —

''بالکل میرے سامنے میولر بیٹھا تھا ترنگ میں

ے سکولوف اندرئی؟،، آواز پڑی — میں نے جواب دیا — ''ہمارے پیچھے آؤ — تم کو لاگیر فیورر نے خود طلب کیا ہے —،، ظاہر بات تھی کہ کیوں طلب کیا ہے —— میرا خاتمہ کرنے کو —

''میں ساتھیوں سے، دوستوں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوا —— سب جانتے تھے کہ موت کے منھ میں جا رہا ہوں —— ٹھنڈا سانس بھرا اور چل دیا — کیمپ کے احاطے میں باہر چلنے لگا تو سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا — ستارے چمک رہے تھے — ان کو الوداع کہا — سوچتا جا رہا تھا: ''لے بھئی، بہت دکھ جھیل لئے تو نے، اندرئی سکولوف! کیمپ کے حساب سے، نمبر تین سو اکتیس، بس ہوا —،، ایرینکا اور بچوں پر دل کڑھنے لگا — پھر کڑھن جاتی رہی، قرار آ گیا — میں نے ہمت باندھنی شروع کی کہ جب پستول کا سامنا ہو تو اس کی نال سے بے جگری کے ساتھ آنکھیں چار کر سکوں، جیسے ایک سپاہی کو کرنا چاہئے، تاکہ دشمن میرے آخری لمحے میں یہ نہ دیکھے کہ زندگی سے رخصت ہونا مجھ پر کیا شاق گزر رہا تھا...

کے سامنے سے گزر رہاہے، ساتھ میں ان کے ایس
والوں کی ٹولی ہے، اور اپنا سیدھا ہاتھ کمر
پیچھے کو کر رکھا ہے— سیدھے ہاتھ کے پن
پر چمڑے کے دستانے چڑھائے رہتا تھا، اور دستا
کے اندر سیسے کا استر جڑا ہوا تھا تاکہ مارے
تو خود اس کی انگلیوں کو ضرب نہ پہنچے— سامنے
سے گزرتا جا رہا ہے اور ہر تیسرے آدمی کے منہ
پر گھونسا جڑ دیتا ہے— ایک ہی گھونسے میں
خون ٹپکوا دیتا تھا— اس حرکت کا نام اس نے
رکھا تھا "بولہ اتارنے کا انجکشن"— یہ روز کا
عمل تھا— کیمپ میں سب ملاکر چار بلاک تھے—
آج اس نے پہلے بلاک کو "انجکشن" دیا، تو کل
دوسرے کی باری ہے اور پرسوں تیسرے کی، یہ سلسلہ
باندھ رکھا تھا— بڑا پکا تھا حرامی، کیا مجال جو
کبھی ناغہ ہو جائے—

"جس دن میرے منہ سے وہ کیوبک میٹر والی
بات نکلی، اس کے دوسرے دن اسی کمانڈنٹ نے
مجھے بلوایا— رات کا اول وقت تھا، بیرک میں ایک
ترجمان دو پہریداروں کو لئے ہوئے آیا— "کون

کیوبک میٹر بھی کافی سے زیادہ رہے گا —،، کہنے کو تو کہہ دیا میں نے لیکن تم جانو، ہمارے والوں میں کوئی کمینہ بھی چھپا ہوا تھا، اس نے جھٹ سے کیمپ کے افسروں تک پہنچا دی یہ میری کڑوی بات —

''کیمپ کا جو کمانڈنٹ تھا یا وہ جسے ان کی زبان میں ''لاگیر فیورر،، کہتے تھے، ایک جرمن تھا میولر نام کا — قد اوسط درجے کا، بدن گٹھا ہوا، سفید تنے ہوئے بال اور خود بھی بہت گورا، سر کے بال بھی بالکل سفید رنگ کے، بھویں، پلکیں، یہاں تک کہ آنکھیں بھی اڑے ہوئے رنگ کی تھیں — آنکھیں اوپر کو نکلی ہوئی — روسی بولتا تھا ایسے جیسے ہم تم — اور ہاں ''a،، کی آواز ''au،، کر کے نکالتا تھا جیسے والگا کنارے والے بولتے ہیں — ماں بہن کی گالی بکنے میں چھٹا ہوا استاد — پتہ نہیں، کہاں سے اس منحوس نے یہ کاری گری سیکھ لی تھی؟

''اس کا دستور یہ تھا کہ ہمیں بلاک کے سامنے لائن لگوا کر کھڑا کر دیا ہے —— بیرک کو یہ لوگ بلاک کہتے تھے —— قیدیوں کی صف

گڑی جاتی تھیں، جیسے ہم وہاں غیر کی زمین پر جرمنی میں ہی رہ پڑنے کی التجائیں کر رہے ہوں — کیمپ کے جو سنتری اور افسر وغیرہ تھے، وہ خوب رنگ‌رلیاں منائیں، پئیں، گیت اڑائیں، بغلیں بجائیں، عیش کریں —

''ایک دفعہ کیا ہوا کہ ہم سب کام سے تھکے ہارے شام کو اپنی بیرک میں آئے — دن بھر بارش ہوئی تھی — ہمارے چیتھڑے بھیگ کر چوھڑا ہو گئے تھے، ٹھنڈی ہوا لگنے سے تھرتھر کپکپی چھوٹی ہوئی تھی — کتوں کی طرح کانپ رہے تھے — دانت سے دانت بج رہا تھا — کپڑے کہاں سکھائیں، بدن کہاں سینکیں، کوئی ٹھکانا نہیں — کیونکہ اس بلا کی لگی ہوئی تھی کہ جان لبوں پر، بلکہ اس سے بدتر — قاعدہ یہ تھا کہ شام کے بعد کھانے کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا —

''میں نے بیرک میں آتے ہی اپنے گیلے چیتھڑے اتارے، انہیں تختوں کے چبوترے پر بھینکا اور بولا: ''چار کیوبک میٹر مانگتے ہیں ہر آدمی سے — اور ہم میں سے ہر ایک کی قبر میں کتنا لگے گا؟ ایک

کردیا — یہ جگہ ڈریسڈن شہر کے قریب تھی — جب ہم وہاں پہنچے ہیں تو اس وقت کیمپ میں ہمارے کوئی دو ہزار آدمی قید تھے — سب کو پتھر کی کھان میں لگا رکھا تھا — ہاتھوں سے جرمنوں کے پتھر ڈھونا، ہاتھ سے کوٹنا، توڑنا، اور فی کس چار کیوبک میٹر روزانہ مقرر تھا — کیسی جان لیوا مشقت تھی ان سوکھے مارے لوگوں پر، جن کے لئے محنت مشقت کے بغیر یوں ہی جینا مشکل ہو رہا تھا — تو یہاں لگ گئی لین ڈوری — دو مہینے آئے کو نہیں ہوئے تھے کہ ہمارے ایک سو بیالیس آدمی کے گروپ میں سے گنتی کے ستاون بچے — کیوں، کیسی گزرتی ہوگی بھائی؟ بدتر؟ حالت یہ کہ ابھی اپنے مردوں کو گاڑنے سے فرصت نہیں اور اوپر سے سارے کیمپ میں افواہ پھیل رہی ہے کہ جرمنوں نے استالن گراد* دبا لیا اور اب آگے، سائبیریا کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں — ستم بالائے ستم، یوں کچل کر رکھ دیا تھا کہ آنکھیں زمین میں

---

* اب یہ شہر والگا گراد کہلاتا ہے — (ایڈیٹر)

دن مار ہی ڈالیں گے، بدن میں لہو نہیں رہے گا، سارا لہو ہی جائیں گے، پٹتے پٹتے آخر ٹھنڈا ہو جائے گا— میں جانوں، ہم سبھوں کو بھون ڈالنے کے لئے جرمنی میں بھٹیاں کم پڑ گئیں—

''اور کھانے کی پوچھو تو وہ بھی ہر جگہ ایک ہی سا ملتا تھا—ڈیڑھ سو گرام موٹا جڑیلا اناج، اس میں آدھوں آدھ لکڑی کا برادہ اور چقندر کا پتلا شوربہ... گرم پانی کہیں مل جاتا تھا، کہیں وہ بھی نہیں— خود اندازہ کر لو، بتانے کی کیا ضرورت— لڑائی شروع ہونے سے پہلے میرا وزن ۸۶ کلوگرام تھا اور آتی سردیوں میں پچاس سے زیادہ نہیں رہا— ہڈیوں پر چمڑی لگی رہ گئی تھی— خود اپنی ہڈیوں کا وزن اٹھانا دوبھر ہو گیا تھا— آڈر تھا کہ اپنا کام پورا کئے جا، زبان سے کچھ مت کہہ، کام ایسا بھاری کہ گھوڑے کی کمر جواب دے جائے اور پورا نہ ہو—

''ستمبر لگ رہا تھا جب کیوسترین والے کیمپ سے سوویت جنگی قیدیوں میں کے ہم ایک سوبیالیس آدمی کو نکال کر کیمپ نمبر ۱۴—B میں تبدیل

میں بھاوڑا چلایا، مٹی کھودی، تیورنجن میں بھی
تھوڑے دن رہا، اس کی ایسی تیسی، کون سی جگہ
ہوگی جرمنوں کے ملک میں، جہاں کی خاک نہیں
پھانکی— وہاں ہر جگہ قدرت کا تماشا الگ ہے،
لیکن ہمارے بھائیوں پر جو ستم توڑے ہیں، مارا،
پیٹا، گولیوں سے بھونا، وہ سب جگہ ایک سا تھا—
عذاب نازل ہو ان پر، مارنے میں تو ایسے بے درد
تھے کہ ہمارے یہاں جانور کو بھی ایسے نہیں
مارتے— گھونسے، لات، ربڑ کے ہنٹر، لوہے کی جو
چیز بھی ہاتھ آ گئی، وہ اٹھائی، مارنا شروع کر دیا—
رائفل کے دستوں اور لکڑی لاٹھی کی جو مار تھی
اس کا تو ذکر ہی کیا کرنا—

''مارنے پیٹنے کا کوئی ایک کارن نہیں تھا،
یہ روسی ہے، مارو، سفید رنگ کو کیوں دیکھا،
مارو، ان سوروں کے ہاں خدمت کرتا ہے، مارو—
ٹھیک سے کیوں نہیں دیکھتا، مارو اسے، ٹھیک سے
قدم کیوں نہیں اٹھاتا، مارو اسے، ٹھیک سے کیوں
نہیں مڑتا، مارو اسے... اس کے علاوہ بھی مار پڑتی
تی تھی، یوں ہی بلاوجہ کہ مارتے مارتے ایک

نے بدن کا گوشت ادھیڑ ڈالا — ننگے بدن اور لہو لہان حالت میں کیمپ پہنچایا — بھاگنے کی سزا میں سب سے الگ کوٹھری میں مہینے بھر کی قید تنہائی ملی، پھر بھی زندگی تھی... زندہ بچ گیا!

''یاد کرکے دل دکھتا ہے، میرے بھائی، اور بیان کرنے سے اور بھی تکلیف ہوتی ہے، کہ دشمن کی قید میں کیسے کیسے دکھ جھیلے ہیں — جب یاد آتا ہے کہ کیسی کیسی جانوروں کی سی اذیتیں ہمیں دی گئی ہیں، کیسے وہ اذیتیں ہم کو سہارنی پڑیں وہاں پر، جرمنی میں، جب ان دوستوں کی ساتھیوں کی یاد آتی ہے جو دکھ سہتے سہتے مر گئے وہاں، کیمپوں کے اندر، تو سچ کہتا ہوں یوں لگتا ہے کہ دل دھڑکتے دھڑکتے حلق میں آ گیا ہے، سانس اٹک جاتا ہے —

''دو سال جنگی قیدی رہا ہوں، کہاں کہاں کی خاک نہیں چھوانی مجھ سے! اپنے دنوں میں آدھے جرمنی میں دھکے کھاتا پھرا ہوں: سیکسنی میں رہا، سمنٹ کے کارخانے میں اینٹیں ڈھالیں، روھر کے علاقے میں کوئلے کی کانوں میں کام کیا، بویریا

ڈر لگا — جنگل وہاں سے کوئی تین کلومیٹر کے فاصلے پر پڑتا تھا — میں وہیں کھیت میں لیٹ رہا کہ دن گزار لوں — دونوں مٹھیوں میں جئی بھرلی، دانے چابے اور باقی جیبوں میں ٹھونس لئے کہ آگے کام دیں گے، اتنے میں کتوں کی بھونک سنائی دی، اسی کے ساتھ موٹر سائیکلوں کی پھٹ پھٹ... دل کی دھڑکن رک گئی کیوں کہ کتوں کی آواز برابر نزدیک آتی جارہی تھی — میں پیٹ کے بل لیٹ گیا اور ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا کہ کم سے کم منھ تو بھنبھوڑنے سے بچے گا — تو وہ بالکل میرے سر پر آگئے اور منٹ بھر میں سارے کپڑے لتے چیر پھاڑ ڈالے — میں بالکل مادر زاد ننگا رہ گیا — جئی کے کھیت میں انہوں نے مجھے، جیسے جی چاہا گھسیٹا، آخر میں ایک شیر سا کتا میرے سینے پر چڑھ گیا، آگے کے دونوں پنجے اس نے آگے بڑھائے اور میرے ٹیٹوے کا رخ کیا، لیکن اس پر ابھی منھ نہیں مارا تھا —

''دو موٹر سائیکلوں پر جرمن آ پہنچے — شروع میں تو دے مکا، دے لات، مار مار کر ادھ موا کر دیا، پھر مجھ پر کتے ہشکار دئے — ان کے پنجوں

بوزنان کی مٹی کھود کھود کر نکال رہا تھا اور چاروں طرف دیکھتا جاتا تھا — نظر پڑی کہ ہمارے دو سنتری کچھ کھانے پینے بیٹھ گئے تھے اور تیسرا دھوپ میں کچھ اونگھ گیا — میں نے پھاوڑا ایک طرف ڈالا اور چپکے سے جھاڑیوں میں ہو گیا... اور پھر وہاں سے جو سر پر پاؤں رکھکر بھاگا ہوں — تو سورج کی طرف منھ اٹھائے اڑ لیا...

''لگتا ہے کہ انہیں سنتریوں کو فوراً ہی میرے بھاگ جانے کا پتہ نہیں چلا — مجھے دیکھو، یا تو سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا، یا نجانے کہاں سے اس بلا کی طاقت آ گئی — ایک دن رات کے اندر قریب قریب چالیس کلومیٹر تیر کر دئے — یہ سب تو ہوا لیکن میری جو مراد تھی، وہ پھر بھی دل کی دل میں رہ گئی : چوتھے دن، جب میں اس منحوس کیمپ سے بہت دور نکل آیا تھا، انہوں نے پکڑ لیا — میری بو سونگھتے ہوئے سراغی کتے چلے آ رہے تھے — جئی کے ایک کھیت میں، جہاں ابھی فصل کھڑی تھی، انہوں نے مجھے گھیر لیا —

''سویرے کے وقت کھلے میدان میں آگے جاتے

''ان بدنصیبوں کو گولی ماردی، اور ہم ۔کو
ہانکتے ہوئے آگے لے گئے — لفٹیننٹ، اس وقت سے،
جب ہم نے غدار کا گلا گھونٹا تھا، پوزنان پہنچنے
تک میرے ساتھ ساتھ لگا رہا — پہلے ہی دن سے
چلنے میں میرا ہاتھ دبائے جاتا تھا — پوزنان پہنچ کر
کسی وجہ سے ہمارا ساتھ نہیں رہا —
''تو دیکھو بھائی معاملہ کیا تھا: میں شروع
سے اس فکر میں لگ گیا کہ کسی صورت سے اپنے
والوں کی طرف نکل بھاگوں — بھاگنا ایسے کہ پھر
ہاتھ نہ آؤں — پوزنان تک پہنچنے میں ایک بار
بھی اس کا موقع نہیں نظر آیا کہ غچہ دے جاؤں —
پوزنان میں ہمیں قیدیوں کے اصلی کیمپ میں ڈال
دیا — یہاں کیمپ میں اس قسم کی گنجائش مل
گئی — مئی کا مہینہ ختم ہو رہا تھا — ہم لوگوں
کو ایک چھوٹے سے جنگل میں بھیجا، جنگل کیمپ
کے پاس ہی تھا — مطلب یہ کہ ہم قیدیوں میں
سے جو لوگ مرگئے تھے، انہیں گاڑنے کے لئے قبر
کھو دیں — اس وقت تک بہت سے ہمارے بھائی
پچش لگ لگ کر ختم ہوچکے تھے — میں بھی

''کریژنوف نے جو کہا تھا وہی ہوا — صبح ہوتے ہی ہم سب کو گرجا کے باہر لائن میں لگا دیا — چاروں طرف سے مشین گن والوں نے ہمیں گھیر لیا اور ایس ایس کے تین افسروں نے ان لوگوں کو چھانٹنا شروع کردیا جو ان کے خیال میں خطرناک تھے — پوچھ گچھ کرنے لگے، کمیونسٹ کون ہے، کمانڈر کون ہے، کمیسار کون ہے — لیکن ایک بھی نہیں ملا — وجہ یہ کہ ہم میں کوئی ایسا سور نہیں تھا جو غداری کر جاتا اور بتا دیتا — اور کمونسٹ تو ان قیدیوں میں آدھے سے کچھ ہی کم رہے ہوں گے — افسر بھی تھے، اورظاہر ہے کہ کمیسار بھی تھے — دو سو سے اوپر کی لائن لگی بھی، ان میں سے چار آدمی چھانٹے — ایک یہودی تھا، تین روسی تھے — عام سپاھیوں میں سے روسی اس لئے آفت میں پڑے کہ ان تینوں کا رنگ سانولا تھا اور بال چھلےدار تھے — جہاں ایسا آدمی دیکھا، اس کے پاس آئے، پوچھا : ''یہودی؟،، وہ کہتے جا رہا ہے، نہیں، میں روسی ہوں، مسا نہیں چاہتے، حکم کردیا : ''نکل باہر،، —— اور بس —

پڑا ہے، یہ تمہیں دشمن کے حوالے کرنے والا ہے؟،،
اس کی طرف اشارہ کرکے میں نے پوچھا — پھر اس نے
جواب میں سر ہلا دیا — میں نے کہا: ''اچھا
دیکھو، اس کی ٹانگیں مضبوطی سے تھام لو — کہیں
پاؤں نہ پٹکے ! ذرا کڑے ہاتھوں پکڑنا!،، اور میں
اس پر جھپٹ پڑا، دونوں پنجے ٹینٹوے میں گاڑ دئے،
اسے چیخنے کی بھی مہلت نہیں دی — سینے پر چڑھے
چڑھے کئی منٹ اسے گھونٹے رہا، پھر ہٹ گیا —
چلو، قصہ پاک کیا — غدار ٹھنڈا ہو گیا، زبان
لوٹ گئی تھی اس کی!

''پر اس کے بعد مجھے گھن آنے لگی — طبیعت
بری ہوگئی — جی چاہے، کہیں، کسی طرح ہاتھ
دھولوں، جیسے آدمی کا گلا نہیں گھونٹا بلکہ کوئی
رینگنے والی گندی بلا رگڑ دی ہو... زندگی میں
پہلی بار میں نے کسی کا خون کیا تھا اور وہ بھی
پنے آدمی کا... مگر وہ کون سا اپنا تھا؟ ایسے
ندار سے تو غیر بھلے — میں اٹھ کھڑا ہوا اور اس
ے، وہ جو لفٹیننٹ تھا میں نے کہا: ''چل کامریڈ،
اں سے کھسک لیں — گرجا گھر بڑی جگہ ہے —،،

''دونوں خاموش ہو گئے، اور میرا یہ حال کہ اس حرامی‌پن پر غصے سے تھر تھر تھر تھر کانپوں — میں نے سوچا: ''ٹھیرجا، کتے کی اولاد، اپنے افسر کو دشمن کے حوالے کرنے کا موقع ہی نہیں دوں گا تجھے! پہلے یہ تو دیکھوں، اس گرجا گھر سے زندہ کیسے جاتا ہے تو — تیری تو ٹانگیں پکڑکے گھسیٹیں گے لاش کی طرح!،، ذرا ذرا اجالا ہونا شروع ہوا — دیکھتا کیا ہوں کہ میرے برابر میں ایک موٹے تھوبڑے والا چت لیٹا ہے، دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنا رکھا ہے اور اس کے پاس اندر کی ایک قمیص میں نوجوان چھوکرا بیٹھا ہوا ہے، گھٹنوں میں ہاتھ لپیٹے ہوئے — دبلاپتلا، اٹھی ہوئی ناک کا، منھ پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں — میں نے دماغ لڑایا کہ ''یہ ایسا سوکھا مارا ہے، اس موٹے مشٹنڈے سے اکیلا نہیں نمٹ سکتا — مجھی کو اس کا کام تمام کرنا پڑےگا —،،

''میں نے ہاتھ سے اسے ٹھوکا دیا — کان کے پاس منھ لاکے پوچھا: ''تم ہو لفٹیننٹ؟،، اس نے کچھ جواب نہ دیا، صرف سر ہلا دیا کہ ہاں— ''یہ جو

اتنے دن تک، اب تم اپنا بھگتان خود کرنا —،، یہ بات اس نے کہی جو بالکل ہی میرے نزدیک بیٹھا تھا — اس کے بائیں طرف سے، ادھر پاس کسی نوجوان آدمی کی آواز یہ کہتے ہوئے سنائی دی: ''مجھے ہمیشہ سے شک تھا کریژنیف کہ تم اچھے آدمی نہیں ہو— خاص کر جب تم نے پارٹی میں آنے سے انکار کر دیا اور یہ بہانہ بنا دیا کہ میں پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں — مگر یہ گمان کبھی نہیں تھا کہ تم غداری پر بھی اتر سکتے ہو— تم کہتے تھے لکھا پڑھا نہیں، لیکن مڈل تو پاس کیا تھا تم نے؟،، اس کے ساتھ والے نے لفٹیننٹ کو ڈھیلی ڈھالی آواز میں جواب دیا: ''ہاں پاس کیا تھا، تو کیا؟،، دیر تک وہ دونوں خاموش رہے پھر اس نے، لفٹیننٹ کی آواز معلوم ہوتی تھی، التجا کی: ''کامریڈ کریژنیف، کہیں ایسا مت کرنا، بتانا مت میرے بارے میں —،، وہ دوسرا ہنس دیا — بولا: ''کامریڈ تمہارے رہ گئے فرنٹ کے اس پار، میں کامریڈ نہیں ہوں تمہارا — مجھ سے کچھ مت کہو سنو، میں تو صاف بتا دوں گا کہ تم کون ہو— اپنی کھال سب کو پیاری ہے —،،

آپس میں چپکے چپکے باتیں کرنے لگے، ایک دوسرے سے سرگوشی ہونے لگی: کون کہاں سے آیا ہے؟ کس ضلع کا ہے؟ دشمن کے چنگل میں کیسے پھنسا؟ ایک ہی دستے سے جو لوگ آئے تھے، یا ایک کمپنی میں رہ چکے تھے، جان پہچان تھی وہ آہستہ دبی آواز میں ایک دوسرے کو پکارنے لگے — میرے کان میں بھنک پڑی، میرے پاس کے دو آدمی آپس میں کانا پھوسی کر رہے تھے — ایک بولا: ''اگر کل کہیں آگے لے جانے سے پہلے انہوں نے ہمیں لائن میں کھڑا کر دیا اور پوچھ گچھ کرنے لگے کہ کون کمیسار ہے، کون کمیونسٹ ہے، کون کون یہودی ہے تو لفٹیننٹ ،تم اپنے آپ کو چھپانا مت! چھپانے سے تمہارا کام نہیں چلنے والا — تم سوچتے ہوگے کہ اگر وردی کا کوٹ نکال دیا ہے تو بچ گئے اور جوانوں میں پہچان نہیں ہونے کی؟ نہیں، ایسے کام نہیں چلنے والا! میں تمہاری حامی نہیں بھر سکتا — پوچھیں گے تو سب سے پہلے میں تمہاری طرف انگلی اٹھا دوں گا! مجھے تو معلوم ہے کہ تم کمیونسٹ ہو، بلکہ مجھے بھی پارٹی میں لانے کے لئے اکساتے رہے

بڑا: ”ارے کیا کروں، خدا کے پاک کیر کو کیسے کندہ کر دوں، مجھ سے نہیں ہوگا! میرا ایمان میرے ساتھ ہے، میں عیسائی ہوں، کیا کروں بھائیو، بتاؤ؟“
اور لوگوں کو، تم جانو، کیسے ہوتے ہیں — کسی نے ٹھٹھہ مارا، دوسرا اسے گالیاں دینے لگا، تیسرے کو مسخراپن سوجھا، وہ اسے اور چنگیزخانی کے مشورے دئیے جا رہا ہے — اس بچارے کے ضبط سے باہر ہوا جا رہا ہے معاملہ، اور ہم سب کی موج ہو گئی — مگر اس سارے قصے کا انجام برا ہوا — شروع میں تو اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، منت سماجت کی کہ مجھے ذرا دیر کو باہر جانے دو — آخر اسے جواب مل گیا — فاشسٹ نے دروازے کی جھری میں سے مشین گن داغ دی اور اسے بورے میں تھما دیا — تڑ تڑ تڑ گولی برسی — وہ اہل ایمان تو وہیں ڈھیر ہوا، اس کے ساتھ تین آدمی بھی ختم ہوئے، ایک اور بری طرح زخمی ہوا — صبح ہوتے ہوتے وہ بھی چل بسا —
”مرنے والوں کو وہیں ایک جگہ لٹا دیا — ہم سب سر جھکا کر بیٹھ گئے اور چپ چاپ سوچنے لگے: شروعات کچھ اچھی نہیں رہی... تھوڑی دیر بعد

ہے اور تو نے اسے جھٹکا دے دیا—،، مجھے سنائی
دیا کہ وہ چپکے سے ہنسا اور بولا: ''میں تو سمجھا
تھا کہ داھنے ھاتھ سے مجھے مار بیٹھوگے لیکن
خیر، تم بھلے مانس نکلے— تمہارا ھاتھ ٹوٹا نہیں
تھا، صرف اپنی جگہ سے اکھڑ گیا تھا— اب میں نے
ھڈی بٹھا دی ہے— بتاؤ، اب کیا حال ہے؟ کچھ
افاقہ ھوا؟،، واقعی مجھے بھی لگا کہ درد نکلتا جا
رھا ہے— دل سے اس کا احسان مانا— اور وہ مجھے
چھوڑ کر اندھیرے میں اوروں کی طرف چل دیا—
چپکے چپکے پوچھتا جائے: ''کیوں، کوئی زخمی ہے؟،،
یہ ھوا اصل ڈاکٹر! دشمن کی قید میں ہے، گھپ
اندھیرا ہے، پھر بھی اپنا فرض ادا کئے جا رھا ہے—

''بڑی بےچین رات تھی— باھر پاخانے تک
کی اجازت نہیں تھی— جب ھم دو دو کی جوڑی میں
گرجا کے اندر بھرے گئے، بڑے سنتری نے اسی وقت
وارننگ دے دی تھی کہ کسی کو باھر نہیں جانا—
شام ھو آئی تو ھمارے لوگوں میں سے ایک مذھبی
آدمی کو رات کے وقت ضرورت پیش آ گئی— دیر تک
تو وہ تھامے رھا، تھامے رھا— آخر کب تک! چیخ

تمہارے کسی کام آ سکوں؟،، میں نے اس سے اپنا
دکھڑا بیان کیا کہ بھائی، میرا بایاں شانہ کٹا جا
رہا ہے، سوج گیا ہے اور بےانتہا درد ہو رہا ہے —
اس نے جم کر کہا: ،،اچھا تو کوٹ اتار دو اور
نیچے کی قمیص بھی نکال لو —،، میں نے اس کے
کہنے پر عمل کیا — اس نے شانے کے قریب اپنی
پتلی پتلی انگلیوں سے میرا بایاں بازو ٹٹولنا اور ملنا
شروع کیا — ایسا الٹا سیدھا چھیڑا کہ آنکھوں پہ
اندھیرا چھا گیا — میں نے درد کے مارے دانت بھینچ
لئے اور بولا: ،،ارے ظالم، تو انسانوں کا ڈاکٹر نہیں
لگتا، ڈھور ڈنگر کا ڈاکٹر ہوگا — دکھتی ہوئی جگہ
کو یوں دبائے دے رہا ہے، بےرحم!،، وہ نہیں مانا —
دبائے، کھینچے چلا گیا اور بگڑ کر بس ایک ہی
بات کہی: ،،آواز مت کر، چپ رہ! اور اوپر سے بات
کرنے چلا ہے — ذرا سنبھالیو، یہاں درد ہوگا زیادہ —،،
ہاں، واقعی، پھر جو اس نے ہاتھ پکڑ کر موڑا ہے تو
جان نکل گئی — آنکھوں کے آگے چنگاریاں اڑ گئیں —
،،ہوش آیا تو میں بولا: ،،یہ تو کیا کر رہا
ہے، فاشسٹ کم‌بخت؟ میرا تو ہاتھ ٹکڑے ہوا پڑا

پہننے کی — زیادہ‌تر ان قمیص والوں میں جونیر افسر تھے — انہوں نے وردی کے کوٹ اور بند گلے والی قمیصیں بدن سے الگ کر دی تھیں تاکہ سپاہی میں اور ان میں کوئی پہچان نہ ہونے پائے — ان کے علاوہ توپ خانے کے جوان بھی قمیص کے بغیر رہ گئے تھے — مورچے پر لگے ہوئے توپیں داغ رہے تھے، اسی حالت میں گرفتار ہوگئے —

''رات کو زور کی بارش پڑی، ہم سارے کے سارے پانی میں شرابور ہو گئے — معلوم نہیں گرجا کے گنبد پر توپ کا بھاری گولا پھٹا تھا، یا اوپر ہوائی جہاز سے بم پڑا تھا — چھت بالکل شق ہو گئی تھی — کہیں کوئی ایسا ٹھکانا نہیں بچا تھا جہاں بارش سے بچ سکیں — محراب و منبر تک محفوظ نہیں تھے — چنانچہ ساری رات ہم نے گرجا کی کال کوٹھری میں بھیڑ بکری کی طرح گزاری — رات کا پچھلا پہر تھا، میرے کان میں آواز آئی، کوئی میرا ہاتھ چھو کر پوچھ رہا تھا: ''کیوں کامریڈ، تم زخمی ہو گیا؟'' میں نے کہا: ''کیوں، تمھیں کیا فکر ہے؟'' وہ بولا: ''میں فوجی ڈاکٹر ہوں، شاید

''سورج ڈوبا تو جرمنوں نے پہرہ گارڈ اور بڑھا
دیا — ایک لاری بھر کر مشین گن والے آ گئے،
کوئی بیس آدمی ہوں گے — انھوں نے جلدی جلدی
مارچ کرانا شروع کر دیا — ہمارے لوگوں میں سے
جو بہت زخمی تھے وہ اوروں کے ساتھ تیز قدم نہیں
اٹھا سکے، انھیں وہیں سڑک پر گولی مار کر ڈھیر کر
دیا — دو آدمیوں نے بھاگ نکلنے کی کوشش کی،
اتنا نہ جانا کہ چاندنی رات ہے، صاف کھیت ہیں
دور تک کا آدمی دکھائی دیتا ہے، وہ بھاگے تو
ان کو بھی گولی پڑی — اور ختم — رات گئے ہمیں
کسی گاؤں میں پہنچایا جو آدھا جل کر راکھ
ہو گیا تھا — رات گزارنے کو ایک گرجا گھر میں
دھکیل دیا — گرجا کا گنبد ٹوٹ پھوٹ کر برابر
ہو چکا تھا — پتھر کا فرش، پیال تک کا تنکا نہیں —
اور ہم سب کے سب بغیر بڑے کوٹ کے تھے —
بعضے بعضے کے پاس فوجی جیکٹ اور پتلون سالم تھے،
مگر بچھانے کی کوئی چیز نہیں تھی — اور ایسے بھی
تھے جن کے بدن پر بند گلے کی قمیص تک نہیں
رہ گئی تھی، صرف چھینٹ کی قمیصیں تھیں اندر

میں ایک کلومیٹر کی رفتار سے ٹہیلتا ہوا جا رہا تھا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ آگے جانا ہے لیکن دائیں بائیں قدم پڑ رہے ہیں۔ شرابیوں کی طرح جھونک کھاتا چلا جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ ہمارے اور قیدیوں کے جتنے بھی پیچھے سے آ لئے۔ جس ڈویژن سے میں آیا تھا اسی کے آدمی تھے۔ دس جرمن مشین گنیں سنبھالے انہیں گھیرے میں لا رہے تھے۔ ان میں جو آگے آگے تھا جب وہ میرے برابر پہنچا تو خواہ مخواہ بغیر کچھ کہے سنے، اپنی مشین گن کا ہتھا زور سے میرے سر پر جما دیا۔ میں گرنے ہی والا تھا، گرتا تو وہ زمین میں سلا دیتا، لیکن ہمارے آدمیوں نے چلتے میں مجھے ہاتھوں پر تھام لیا، گرنے نہیں دیا اور بیچ میں کھینچ لیا۔ کوئی آدھ گھنٹے تک ہاتھوں ہاتھ سنبھالے چلے گئے۔ جب میری جان میں جان آئی تو ساتھ والوں میں سے ایک نے کان میں جھک کر کہا: ”خدا نخواستہ گر مت پڑیو! جیسے بھی بن پڑے چلا چل نہیں تو جان سے مار دیں گے یہ۔“ مجھ سے جیسے بھی بن پڑا، قدم بڑھاتا رہا، چلتا گیا۔

میں اچھے تھے جوتے — وہ ہاتھ سے اشارہ کرکے بولا: ''اتار دے،، — میں زمین پر بیٹھ گیا، جوتے اتارے اور اس کے حوالے کر دئیے — اس نے میرے ہاتھوں سے جھپٹ لئے — میں نے ٹانگوں کی پٹیاں بھی کھول ڈالیں، وہ بھی اس کی طرف بڑھانے لگا کہ یہ بھی لے لے، نیچے سے اوپر تک ایک نظر اس پر ڈالی — وہ غصے سے چیخ پڑا، اپنی زبان میں گالی دی اور پھر مشین گن سنبھال لی — اور جو اس کے ساتھ کے تھے، کھلکھلا کر ہنس پڑے — پھر آرام سے چل دئیے — بس ایک سانولا سڑک تک پہنچتے پہنچتے کوئی تین بار میری طرف کو مڑا، آنکھیں چمکائیں اور ایسے غصے میں گھورے جیسے کوئی بھیڑیا ہو — بھلا دیکھو، جیسے اس نے میرے جوتے تھوڑئی اتروائے ہیں، میں نے اس کے اتار لئے ہیں —

''خیر، بھئی، اور سبیل بھی کیا تھی — سڑک پر ہو لیا — جتنی گالیاں یاد آئیں بکتا گیا اور مغرب کی طرف چلتا گیا —— جنگی قیدی بن کر!..

''پیروں سے چلا نہیں جاتا تھا — گھنٹے بھر

جیسے میری بلا سے مجھے کیا، بدن میں کون سی جگہ بھنبق ھونےوالا ھے —

''جوان چھوکرا، خاصے سڈول بدن کا، سانولاسلونا، ھونٹ ایسے پتلے پتلے جیسے تاگا اور آنکھوں میں شرارت بھری ھوئی — ''یہ نہیں سوچےگا، بس تڑاق سے مارےگا،، میں نے اپنی جگہ انداز کیا — واقعی، اس نے بندوق تان بھی لی تھی — میں اس سے آنکھیں چار کئے رھا، ٹک ٹک دیکھا کیا — دوسرا جو تھا، جمعدار ھوگا شاید، عمر میں اس سے بڑا لگتا تھا، کہنا چاھئے کہ پکی عمر کا آدمی تھا، وہ کچھ پکارا، اسے، جوان کو ایک طرف کو ھٹا دیا، میرے پاس آیا، اپنی زبان میں کچھ بڑبڑایا اور میرا سیدھا ھاتھ لے کر کہنی پر سے موڑا — مطلب یہ کہ رگ پٹھے ٹٹول کر دیکھے — دیکھ بھال کر بولا: ''او، او،، یعنی بہت مضبوط — راستے کی طرف اشارہ کیا جدھر سورج ڈوب رھا تھا — یعنی ''چل، لداؤ کے خچر، ھماری سرکار میں محنت کربو —،، ھوشیار نکلا کتے کی اولاد!

''سانولے نے میرے جوتے تاک لئے — دیکھنے

رہا مچی ہوئی آنکھوں سے، پھر مٹی میں منہ دھنسا لیا، آنکھیں بند کر لیں — انہیں دیکھنا برا لگ رہا تھا، دل برا ہوا جا رہا تھا...

"میں سمجھا، اب تو سب نکل گئے، ذرا سر اٹھایا، اتنے میں چھ مشین گن والے موجود — مجھ سے کوئی سو گز کے فاصلے پر قدم بڑھائے چلے جا رہے ہیں — میں نے جو دیکھا تو وہ سڑک سے مڑ گئے اور سیدھے میری طرف کو آنے لگے — چپ چاپ آ رہے ہیں — سوچا: "لو آ گئی یہ میری موت سر پر" — میں اٹھ کر بیٹھ گیا —— لیٹے لیٹے مرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا —— پھر میں کھڑا ہو گیا — ان میں سے ایک ابھی تھوڑے قدم پر تھا کہ کندھے کو جھٹکا دے کر مشین گن اتار لی — دیکھو تو، آدمی بھی کیا بلا کا پتلا ہے — ایسا وقت اور مجھے ذرا بھی گھبراہٹ نہیں ہوئی، دل میں کوئی کسی طرح کا وسوسہ نہیں آیا — اسے دیکھوں اور سوچوں کہ "اب وہ تڑاق سے گولی داغے گا اور چھٹی — مگر دیکھوں تو نشانہ کہاں تاکتا ہے، سر پر لگاتا ہے یا سینے پر؟"

سمجھ گیا، دشمن کے نرغے میں ہوں، یعنی یہ کہ فاشسٹ سر پر کھڑے ہوں گے: چل، قیدی — دیکھا یہ سب ہوتا ہے لڑائی میں...

''اوف، میرے بھائی، مشکل ہے یہ سمجھنا کہ آدمی پر کیا گزرتی ہے جب اپنی مرضی کے بغیر دشمن کی قید میں پڑ جائے — جس پر خود یہ بپتا نہ پڑی ہو، اس کی سمجھ میں فوراً یہ بات آ بھی نہیں سکتی، آدمی کی طرح اس کے دل میں اتر ہی نہیں سکتی کہ یوں دشمن کے چنگل میں پھنسنا، یہ معاملہ ہے کیا —

''خیر، تو ہوا یہ کہ پڑا ہوں مٹی میں اور کانوں میں آواز آ رہی ہے، ٹینک گڑگڑا رہے ہیں — اوسط درجے کے چار جرمن ٹینک میرے پاس سے ہوکر بڑی تیزی میں گزر گئے اور اس طرف بڑھے جدھر سے میں گولے لادکر لایا تھا... اوہ، کیسی مصیبت کی گھڑی گزری ہے! پھر ٹریکٹر گئے توپیں کھینچتے ہوئے، اس کے پیچھے جنگی باورچی خانہ گزرا، پھر پیدل فوج آئی — کچھ ایسی گھنی نہیں تھی، بہت ہوگی تو ایک کمپنی ہوگی — پڑے پڑے دیکھتا

مجھے پیٹتا رہا ہو— دیر تک پیٹ کے بل زمین پر سرکتا رہا، آخر جیسے تیسے اٹھ کھڑا ہوا— پھر بھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ ہوں کہاں اور یہ مجھ کو ہوا کیا ہے— یادداشت بالکل ہی صاف ہو گئی— ایک بار اٹھا تو پھر لیٹنے سے ڈر لگے کہ کہیں لیٹ گیا اور اٹھا نہ گیا تو کیا ہوگا، وہیں مر رہوں گا— کھڑے کھڑے جھونک کھاتا رہا جیسے آندھی طوفان میں سرو کا درخت—

"جب ہوش ٹھکانے آیا تو مجھے کچھ یاد پڑا، اچھی طرح ادھر ادھر نظر دوڑائی— دل کی یہ حالت جیسے کوئی شکنجے میں کس کر بھینچ رہا ہو— چاروں طرف توپ کے گولے پڑے ہوئے تھے جو میں اپنی گاڑی میں لئے جا رہا تھا، ذرا دور پر میرا ٹرک الٹا پڑا تھا، بالکل پرخچے اڑے ہوئے اور لڑائی میرے پیچھے چل رہی تھی— میرے پیچھے... یہ کیسے؟

"تم سے کیا چوری، صاف کہہ دوں، ٹانگیں جواب دے گئیں اور میں کھڑے قد سے گر پڑا جیسے کوئی بیچ میں سے کاٹ دے کیوں کہ میں

اب کیا کروں؟ پیچھے موڑ لوں گاڑی؟ نہیں —
یہ بھی نہیں — میں نے پوری طاقت سے ایکسلریٹر
دبا دیا! بیٹری تک پہنچنے میں کلومیٹر بھر رہ گیا
ہوگا، سڑک کا موڑ بھی پار کر لیا تھا اور اب پہنچا،
اب پہنچا — کہ، بھائی میرے، لیکن پہنچنے کی
نوبت ہی نہ آئی... لگتا ہے کہ دور مار بھاری
توپ کا گولہ میرے ٹرک کے پاس آکر پڑا اور اس
نے گرا لیا — نہ دھماکہ سنائی دیا، نہ کچھ، اتنی
خبر ہے کہ سر میں کچھ پھڑاؤ سے ہوا، آگے کا
کچھ پتہ نہیں — کیسے میں زندہ بچ گیا، نہیں
معلوم، کتنی دیر تک سڑک کے کنارے گڑھے کے
پاس پڑا رہا، سمجھ میں نہیں آتا — آنکھیں کھولیں
تو دیکھ رہا ہوں، پاؤں پر کیڑے ہونے کا دم
نہیں: سر کانپ رہا ہے، سارے بدن میں زور کا درد
کہ ٹکڑے اڑے جائیں جیسے تیز بخار میں ہوتا
ہے، آنکھوں کے آگے اندھیرا، بائیں کندھے میں
بڑے زور کی چسک ہو رہی تھی، کوئی چیز اندر سے
کاٹے ڈال رہی تھی، سارا بدن درد کے مارے پھٹا
پڑتا تھا، یوں سمجھو، دو دن رات سے کوئی اندادھند

سکولوف، نکل جائے گا؟،، اس میں پوچھنا کچھنا کا ہے کا تھا — وہاں میرے بھائی بند جان سے ہاتھ دھوئے بیٹھے ہیں اور میں یہاں ھچر مچر کروں گا — میں نے جواب دیا: ''بات کیا کرنی! نکال کے لے جانا ہے، بس ختم!،، وہ بولا: ''اچھا تو ھوا ھو جا! ساری جان لگا دیجیو!،،

''تو میں ھوا ھو گیا — زندگی میں کبھی ایسی گاڑی نہیں چلائی جیسی اس بار! مجھے خبر تھی کہ اوپر ٹرک میں آلو نہیں بھرے ھیں، بڑی احتیاط سے، سنبھال کے ڈرائیو کرنا ہے — لیکن کس کی احتیاط، کہاں کی احتیاط، وہاں تو ھمارے جوان خالی ھاتھوں لڑ رہے تھے، اور راستہ توپ خانے کی باڑھ سے لرز رھا تھا — کوئی چھ کلومیٹر تو میں گاڑی اڑا لے گیا، ذرا دیر میں اپنی منزل پر پہنچنے والا تھا کہ سڑک سے موڑ لے کر ادھر کو ھو لوں جہاں نشیب میں ھمارا توپ خانہ لگا ھوا ہے، اتنے میں کیا دیکھتا ھوں، ماں قسم! داھنے بائیں، سڑک کے دونوں طرف کھلے میدان میں پیدل جوان بھاگے جا رہے ھیں اور ان کے سروں پر گولے پھٹ رہے ھیں —

مرتبہ ٹانگ پر — پہلی بار جو زخم لگا تو وہ اوپر جہاز میں سے گولی پڑی تھی، دوسری دفعہ بم گولا پھٹنے سے — جرمن نے میری گاڑی اوپر سے اور داھنے بائیں تک سے چھید ڈالی، پھر بھی، یار، شروع میں تو میں نکل لے گیا — بچتا گیا، بچتا گیا، لیکن آخر مشکل کی گھڑی آ گئی... لوزوینکی کے قریب قید ہو گیا — یہ مئی ۴۲ء کا ذکر ہے — بہت برا پھنسا تھا ہوا یہ کہ جرمن زور میں بڑھتا آ رہا تھا اور سامنے سے ہماری ۱۲۲ ملی‌میٹر دھانے والی توپ کی ایک بیٹری ٹھنڈی پڑ گئی، گولہ بارود تھڑ گیا — میری گاڑی پر اوپر تک بم لادے — میں خود بھی لادنے میں شریک تھا — قمیص پسینے کے مارے بدن پر چپک گئی لیکن میں بھی لدوائے چلا گیا — بہت تیزی سے پہنچنا تھا کیوں کہ لڑائی سر پر چڑھی چلی آ رہی تھی — بائیں طرف سے کسی کے ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دے رہی تھی، داھنے سے گولوں کی تڑاتڑ، سامنے سے گولی کی بوچھار — آثار بگڑے ہوئے تھے...

''ہماری موٹر کمپنی کا کمانڈر بولا: ''کیوں،

اتنا بڑا بوجھ سنبھال پائیں! مگر دیکھو، سہارھی گئیے، بوجھ گرنے نہیں دیا! اور یہ اس طرح کے مردود، مردار، ھائیے واویلا کے خط لکھ لکھ کر بچاری محنتی عورت کے گھٹنے توڑ ڈالتے ھیں — ادھر اسے خط ملا، ادھر اس دکھیا نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھایا — کام کی پوچھو تو اس میں کام کرنے کا بوتا نہیں رھتا — نہیں! مرد ذات ھوکر، سپاھی ھوکر تیرا کام تو، بھائی، یہ ھے کہ جو تجھ پر پڑے سہار جا، ضرورت ھو تو سب سہہ لے اور اف مت کر — لیکن اگر تجھ میں عورت ذات زیادہ بھری ھوئی ھے، تو جا، لہنگا پہن گوٹ لگا ھوا، یہ اپنے پتلے چوتڑ ھی کم سے کم پھلا لے — پیچھے سے دیکھنے میں تو عورت لگےگا، اور پھر کھیت میں جا کر چقندر کا گھانس پھونس نکال، گائیے دوہ — مورچے پر تیرا کیا کام، تیرے بغیر بھی یہاں دھانس بہت ھے!

"ابھی لڑتے ھوئے مجھے سال بھر نہیں گزرا تھا کہ دو بار زخمی ھوا، مگر دونوں دفعہ اچٹتی ھوئی لگی: ایک دفعہ تو ھاتھ پر زخم آیا، دوسری

لکھنے بیٹھو تو ہوتا ہی کیا ہے اس میں، یہی کہ بھئی، یہاں سب خیریت ہے، تھوڑی بہت جھڑپ ہوئی ہے — اگرچہ ہم اس وقت پسپا ہو گئے ہیں، تاہم عنقریب اپنی طاقت سمیٹ کر بڑھیں گے اور پھر دشمن کو ناکوں چنے چبوا دیں گے — بس یہی سب لکھا جاتا ہے — سب بہت گمبھیر تھا، لکھنا لکھانا کہاں کا! پھر یہ بھی ہے کہ محنے برہا کے راگ گانا اچھا نہیں لگتا — ایسے لوگ ایک آنکھ نہیں بھاتے جو ٹسوے بہایا کرتے ہیں کہ روز کے روز، وقت ناوقت جوروؤں کو، اپنی پیاریوں کو لکھے چلے جا رہے ہیں خواہ مخواہ، کاغذ پر رینٹ مل رہے ہیں — ''بڑی مصیبت ہے، جان عذاب میں ہے، آنکھ جھپکتے میں گولی پڑنے والی ہے —،، اس طرح کے خط لکھتا ہے کتے کی اولاد، فریاد کرتا ہے، دہائیاں دیتا ہے، رال ٹپکاتا ہے اور اتنی سی بات نہیں سمجھتا کہ وہ بچارے جورو بچے جو پیچھے رہ گئے ہیں، وہ ہم سے کچھ زیادہ عیش نہیں کر رہے — سارے کا سارا اثر تو انھی پر لدا ہوا ہے — ہماری عورتوں اور بچوں کے کندھے پتھر کے ہوں تب جاکر وہ

اس کے ہونٹ کھریا کی طرح سفید ہو رہے تھے — کچھ ہونٹ بھی ہلائے، مجھے تکے جا رہی تھی، آنکھ نہیں جھپکی، سارا بدن آگے کو جھکا ہوا تھا، جیسے تیز ہوا کے مخالف رخ پر دوڑنا چاہتی ہو... اس کی پلیٹ فارم والی یہ تصویر عمر بھر کے لئے میرے دل میں بس گئی ہے: ہاتھوں سے سینہ دبائے ہوئے ہے، ہونٹ سفید پڑے ہوئے ہیں، آنکھیں پھٹی پھٹی، ان میں آنسو بھرے ہیں... ایرینا جب خواب میں آتی ہے تو زیادہ‌تر اسی طرح دکھائی دیتی ہے... ہائے، کیا بری گھڑی تھی! میں نے اسے کیوں دھکا دیا؟ آج تک، جب بھی وہ بات یاد آتی ہے تو یوں لگتا ہے کہ دل پر کوئی کند چھری پھیر رہا ہے...

"ہمیں یوکرین میں بیلایا تسیرکوف شہر کے پاس کے دستوں میں لگا دیا — مجھے ایک بڑا ٹرک "زیس — ٥" دیا اور میں وہ لے کر مورچے کو روانہ ہو گیا — لڑائی کی داستان تمھیں کیا سنانی، تم خود دیکھ چکے ہو، جانتے ہو کہ شروع میں کیا کچھ گزر گئی — گھر سے خط پر خط آیا کرتے تھے اور میں خط لکھنے کا چور — کبھی کبھار لکھ دیا —

اس لمحے بھی، مر رہا ہوں گا، مگر اس روز جو میں نے ایرینا کو دھکا دے دیا تھا، اپنا یہ قصور معاف نہیں کرنے کا!،،

وہ پھر دیر تک خاموش رہا — کاغذ میں تمباکو موڑ کر سگریٹ بنانی چاہی، لیکن اخباری کاغذ سنبھلا نہیں، پھٹ گیا اور سارا تمباکو اس کے گھٹنوں پر بکھر گیا — آخر جیسے تیسے تمباکو لپیٹ لیا، کئی بار لمبے لمبے کش لئے، زرا کھانسا اور پھر اس نے آگے کہنا شروع کر دیا:

''غرض کہ ایرینا سے بمشکل الگ ہوا — دونوں ہتھیلیوں میں اس کا چہرہ لیا، پیار کیا، مگر ہونٹ بالکل برف ہو رہے تھے — بچوں سے رخصت ہوا — ڈبے کی طرف دوڑا، دوڑتے میں دروازے کی سیڑھی پر پاؤں رکھ دیا — گاڑی آہستہ آہستہ پلیٹ‌فارم چھوڑ رہی تھی — گھروالوں کے سامنے سے ڈبہ گزرنے لگا تو کیا دیکھا کہ بچے، بن باپ کے ہوکر ایک دوسرے سے لگے کھڑے تھے، میری طرف ہاتھ ہلا رہے تھے، مسکرانا چاہتے تھے لیکن ان سے مسکرایا ہی نہیں گیا — ایرینا نے سینے پر ہاتھ بھینچ لئے —

سمجھایا: ''ایرینکا، میری پیاری، سن تو سہی، دھرج رکھو! رخصت ہو رہے ہیں، منھ سے دو بول تو کہہ دے—،، وہ بولی بڑی مشکل سے، مگر ایک ایک لفظ پر ہچکیاں لگ گئیں: ''میری جان... اندرئی... عمر بھر کی جدائی ہے... اب اس دنیا میں... نہیں ملنے کے...،،

''ایک تو اپنا دل پھٹا جا رہا اس کے صدمے سے اور اوپر سے اس کے یہ بین— اتنا نہ سمجھی کہ بھرے گھر سے چھوٹنا کچھ مجھے بھی آسان نہیں لگ رہا تھا— میں کوئی سسرال میں پوری کچوری کھانے تھوڑئی جارہا تھا— آدمی ہوں، مجھے بھی غصہ آ گیا— زبردستی اس کی باھیں گردن میں سے چھڑائیں اور ہولے سے اس کے شانے کو دھکا دے دیا— دھکا کیا دیا تھا، یوں کہو کہ ذرا ٹھوکا دے دیا، مگر طاقت تو مجھ میں بلا کی تھی— وہ لڑھکی اور تین قدم دور جا پڑی، پھر اٹھ کر میری طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگی، ہاتھ اس نے پھیلا رکھے تھے— دیکھتے ہی میں چیخ پڑا: ''بھلا، ایسے کسی کو وداع کرتے ہیں؟ تو مجھے وقت سے پہلے ہی زندہ گاڑنے

اسے سترھواں سال لگا تھا — اور میری ایرینا... کیا بتاؤں، سترہ سال ہم ساتھ رہے، لیکن ایسی کبھی نہیں دیکھی تھی — رات بھر آنکھوں سے جھڑی لگی رہی — قمیص کے کندھے، سینہ، سب اس کے آنسوؤں سے تربتر — صبح کو پھر وہی رونا پیٹنا... ہم اسٹیشن پر آئے، ترس کے مارے ایرینا کو مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا — روتے روتے اس کے ہونٹ سوج گئے تھے، دوپٹے کے نیچے سے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں ایسی کھوئی کھوئی تھیں جیسے کسی آدمی کی عقل جاتی رہی ہو — افسروں نے گاڑی میں بیٹھنے کا آڈر کر دیا اور ایرینا کی حالت خراب، نڈھال ہوکر میرے سینے پر سر رکھ دیا — گردن میں باھیں ڈال دیں اور سارے بدن سے تھرتھر کانپ رہی ہے — جیسے کسی پیڑ کو کاٹا جا رہا ہو... بچے اسے سنبھال رہے ھیں، میں منا رہا ہوں، مگر سب بیکار! دوسری عورتیں اپنے اپنے خاوندوں سے، بیٹوں سے باتیں کر رہی ھیں اور میری عورت مجھ سے چمٹی ہوئی ہے، جیسے پتہ ٹہنی سے لپٹ جاتا ہے — بس سر سے پاؤں تک لرزے کانپے جا رہی ہے، منھ سے ایک لفظ نہیں نکلتا — میں نے بہیترا

مکان دو کمروں کا بنا کر کپڑا کر لیا— گھر میں دو کمرے تھے، ایک گودام کا کوٹھا اور چھوٹی سی صحنچی— میری گھروالی نے دو بکریاں لے لیں— اور اس سے بڑھ کر کیا چاہئے؟ بچوں کو دودھ کی کھیر میسر، سر پر چھت، بدن پر کپڑا، پاؤں میں جوتا، سب کام ٹھیک ٹھاک— ایک خرابی رہ گئی— میں نے اچھی جگہ نہیں چنی گھر بنانے کو، ہوائی جہاز کی فیکٹری سے بالکل قریب ایک چھوٹا سا قطعہ آراضی الاٹ ہوا تھا— وہیں بنا لیا— اگر کسی اور جگہ دیواریں کھڑی کی ہوتیں تو شاید میری زندگی کا طور کچھ اور ہی ہوتا...

''ہوا کیا کہ اتنے میں لڑائی چھڑ گئی— دوسرے دن جنگی کمیٹی کا بلاوا آگیا اور تیسرے دن، یہ لو، ریل پر سوار ہو جاؤ— میرے کنبے کے چاروں آدمی پہنچانے آئے: ایرینا، اناتولی اور دونوں بیٹیاں —— ناستینکا اور اولیوشکا— سب بچوں نے بڑی ہمت سے کہ لیا مگر بچیوں کو سنبھلنا مشکل ہو گیا— ان کی آنکھ میں آنسو کی بوند آ ہی گئی— اناتولی کو جھرجھری سی آئی جیسے سردی لگ گئی ہو— تب

استیپی میں چلا آ رہا تھا تو چاروں طرف اجالا تھا، صاف دکھائی دے رہا تھا اور اب بیس کلومیٹر چل کر معلوم ہوا کہ پیچھے استیپی میں دھواں بھرا ہوا ہے— یہاں سے مڑکر دیکھو تو تمیز نہیں ہوتی کہ کہاں جنگل ہے، کہاں گھاس کھڑی ہے، کس جگہ کھیت لہلہا رہے ہیں، کہاں چراگاہ رہ گئی ہے...

''یہ دس برس ایسے بیتے کہ میں نے دن رات کام کیا— خوب اچھی طرح کام کیا— اوروں سے کچھ برا رہن سہن نہیں تھا ہمارا— بال بچوں کی بھی خوشی تھی— تینوں کے تینوں اسکول میں فرسٹ کلاس آتے تھے— بڑا جو تھا اناتولی، وہ تو حساب میں ایسا تیز نکلا کہ بڑے گزٹ تک میں اس کے بارے میں چھپ گیا— اس میں کہاں سے ایسی زبردست قابلیت نکل آئی حساب کی، سچ پوچھو تو خود میں تعجب میں ہوں— میرے دل کو تو بہت ہی اچھا لگا، بیٹے پر فخر ہونے لگا، ایسا ویسا فخر کہ کچھ کہنے کو نہیں!

''ان دس برسوں میں تھوڑا بہت پیسہ بھی ہم جمع کر لیا اور جنگ سے پہلے ایک معمولی سا

بچے ہونے لگے — پہلے تو ایک بیٹا ہوا — پھر کچھ سال پیچھے دو بیٹیاں اور آ گئیں... میں بھی بار دوستوں سے کٹنے لگا — جو تنخواہ ملے، سیدھا گھر لے کر آؤں — کنبہ اتنا بڑا سا ہو گیا، پینے پلانے کی گنجائش ہی نہیں رہی — چھٹی کے دن بس ایک ڈونگا بیئر پی لیا اور آگے آیت!

''۲۹ء کی بات ہے کہ مجھے موٹرگاڑی سے دل چسپی ہو گئی — موٹر کہ سیکھ لیا — ٹرک چلانے لگا — اس میں ایسا جی لگا کہ پھر کارخانے جانے کی نیت ہی نہیں ہوئی — اسٹیرنگ کے وھیل پر زیادہ لطف آنے لگا — ٹرک، لاری چلاتے چلاتے دس برس تیر ہو گئے — خبر بھی نہیں ہوئی کہ دن کیسے بیتے — دس برس یوں نکل گئے جیسے خواب دیکھا ہو — دس برس کیا ہوتے ہیں! کسی پکی عمر کے آدمی سے پوچھ کر دیکھئے کہ بھئی، تم نے اتنے سال گزارے، کچھ پتہ چلا'' وہ بتا دے گا کہ جی تو لئے، لیکن خاک خبر نہ ہوئی کہ وقت کیسے گزر گیا — گزرا ہوا زمانہ ایسا لگتا ہے جیسے وہ سامنے دور تک استیپی پھیلا ہوا ہے دھواں دھواں سا — صبح کو جب میں

''صبح کو وہ کام پر جانے سے کوئی دو گھنٹے
پہلے اٹھا دیتی تھی تاکہ ٹھیک سے تیار ہو جاؤں— اسے
خبر تھی کہ جب پی جاتا ہوں تو کھانے کا ہوش نہیں
رہتا، تو وہ نمکین کھیرے، کھٹائی پڑے ہوئے یا کوئی
اور ایسی ترشی ناشتے میں آگے رکھ دیتی تھی، وادکا
بھر کر ایک جام بھی ساتھ میں، تاکہ خمار اتر جائے:
''لو، تھوڑی سی پی لو، اندرئی، کہ بدن نہ ٹوٹے،
آئندہ مت پینا، میرے پیارے!'' بھلا بتائیے، جب اتنا
بھروسہ کیا جائے تو کس کی مجال ہے جو خلاف کر
جائے؟ پی لیتا تھا تو زبان سے کچھ کہے بغیر، اس
کا شکریہ ادا کرتا تھا صرف آنکھ کے اشارے سے پیار
کرکے کام پر روانہ، مزے مزے میں- جب میں نشے
میں گھر آتا تھا اگر کہیں وہ طعنے تشنے شروع کر
دیتی، چیخ پکار مچاتی، ہنگامہ کھڑا کر دیتی تو کیا
ہوتا؟ پھر میں دوسرے دن قسمیہ پئے ہوئے آتا— جن
گھروں میں بیوی کو عقل نہیں ہوتی وہاں یہی
تماشا ہوتا ہے— میں دیکھ چکا ہوں— مجھے
...ہ ہے—

''خیر، تو بہت دن نہیں گزرے تھے کہ بال

گلی‌ولی کا خیر ذکر کیا — نوجوانی کا زمانہ تھا، بدن مضبوط، ہٹا کٹا جیسے بھوت کا، پنٹے در آتا تو پیتا ہی چلا جاتا اور ھمیشہ اپنے پیروں سے گھر پہنچنے کی عادت تھی — ایسا بھی ہوا ہے کبھی کبھی کہ آخری منزل پہلے گیئر میں طے کی ہے، مطلب یہ کہ پاؤں کے ساتھ دونوں ھاتھ ٹیکتا ہوا گھر تک پہنچا ہوں — مگر اس پر بھی وہ نہ کبھی طعنے الہنے دیتی تھی، نہ چیخ پکار کرتی تھی، نہ کوئی جھگڑا فساد ہوتا تھا — بہت ہوا تو یہ کہ ذرا مجھ پر مسکرا دی میری ایرینکا اور وہ بھی بڑی احتیاط سے کہ کہیں نشے مس مجھے برا نہ لگ جائے — پیروں میں سے جوتے اتار کر آھستہ سے کہتی ''ذرا اوپر کو سرک کے لیٹ جاؤ اندرئی، کبھی سوئے میں بستر سے لڑھک جاؤ — '' اور میں جٹی کے بورے کی طرح دھوں سے پلنگ پر جاپڑتا اور آنکھوں میں سارا گھر گھومنے لگتا تھا — اور ایک وہ تھی — سوتے سوتے یوں لگتا تھا جیسے اپنے ھاتھ سے آھستہ آھستہ سر سہلاتی جا رہی ہے، اور پیار سے کچھ دھیمی آواز میں کہتی جا رہی ہے، مطلب یہ کہ میرے حال پر ترس کھا رہی ہے...

جانے — نرمی سے، پیار سے، مہربانی سے پیش آتی تھی،
اؤبینکت میں لگی ہوئی ہے، سارے جتن کر رہی ہے
کہ جو تھوڑا بہت میسر ہے اسی میں تر لقمہ گلے میں
اتار دے — اس کی صورت دیکھو تو جی ہلکا ہو جائے،
ذرا دیر بعد سینے سے لگا کر یہی کہتے بن پڑے: ''معاف
کریو، ایرینکا پیاری، میں تجھ پر برس پڑا تھا، وہ بات
یہ کہ ہمارے یہاں کام پر آجکل گڑبڑ ہو جاتی ہے—''
پھر ہم دونوں کے بیچ میں صلح صفائی ہو جاتی —
دل کو راحت ہونے لگتی — معلوم ہے بھائی، گھر میں
ایسی بیوی ہو تو گھر کے باہر آدمی کو کیا لگتا ہے؟
دیکھو، صبح سویرے اٹھتا بالکل چاق چوبند، کارخانے
جاتا اور کوئی سا بھی کام ہو، میرے ہاتھ میں آیا نہیں
کہ چالو! سمجھے یوں کام ہوتا ہے اگر،
بیوی ہو، اور دل سے دل مل جائے تو —
ایسا بھی ہو جاتا تھا کہ تنخواہ ہاتھ
دوستوں کے ساتھ چل دئے پینے پلانے —
جھاستے گھر جا رہا ہوں، پاؤں قابو
سیدھے پڑ رہے ہیں کہ دیکھنے والوں
چھوٹی لگ رہی ہے چلنے میں،

سے واپس آگیا — گھر بیچ دیا اور وروپیر چلا گیا — شروع میں تو بڑھئیوں میں کام کرتا رہا، پھر کارخانے میں روزگار مل گیا — لوہے کے کام میں کاری گر ہو گیا — جلدی سے شادی بیاہ کر ڈالا — بیوی بھی ملی تو ایسی جو یتیم خانے میں پلی بڑھی تھی — بالکل بن ماں باپ کی لڑکی — قسمت سے بڑی اچھی بیوی ملی! طبیعت کی نیک، ہنس مکھ، سمجھ دار اور خدمت گزار — میرا اس کا کیا مقابلہ — جس سے اپنے آپے دال کا بھاؤ معلوم تھا، شاید اسی وجہ سے طبیعت میں اتنی سہار آگئی تھی — بقول شخصے، اگر ایک پہلو سے دیکھو تو ایسی کوئی خاص خوبی اس میں نظر نہیں آئے، لیکن میں کوئی ایک پہلو سے تھوڑئی دیکھتا تھا، میں نے تو آنکھ بھر کر سامنے سے دیکھا، واہ کیا عورت تھی! اس سے بڑھ کر خوب‌صورت، اس سے بڑھ کر منھ مانگی حورو ساری دنیا میں چراغ لے کر ڈھونڈھوں تو مجھے نہ ملی، نہ ملے!

''کام سے آیا ہوں، تھکا تھکایا، بلکہ بعضے وقت تو غصے میں بھوت ہو رہا ہوں، منھ سے اول ٹول نکل دیا مگر کیا مجال، جو کبھی جواب میں اف تو کر

بھرے ہوئے ٹانکے دکھا رہا تھا — اس فوجی نے قریب قریب نئے فوجی بوٹ پہن رکھے تھے لیکن موٹے موٹے اونی موزوں کو جابہ‌جا کیڑے نے کھا لیا تھا — ان کو کسی عورت نے اٹھا کر بھی نہیں دیکھا ہوگا... اس کو دیکھتے ہی مجھے خیال آیا: ''یا تو اس کی بیوی مر چکی ہے، یا بیوی سے بنتی نہیں ہے — ''

بیٹے کو جاتے ہوئے دور تک دیکھتا رہا، پھر ذرا کھانسا اور آگے بتانے لگا — میں همه تن گوش ہو گیا:

''شروع میں میری زندگی معمولی سی تھی — ورونیژ صوبے میں جنم لیا — سن ۱۹۰۰ کی پیدائش ہے میری — جب خانہ جنگی ہوئی ہے ملک میں تو اس وقت میں سرخ فوج کے ساتھ تھا کیکویدزے کے ڈویژن میں — سن ۲۲ کے قحط میں کیوبان کی طرف چلا گیا، کولاکوں (کھاتے پیتے کسانوں) کے لئے جان لگا دی — اسی وجہ سے آج زندہ ہوں — ماں، باپ اور چھوٹی بہن سب بھوک سے مر گئے ہیں — دنیا میں اکیلا رہ گیا — رہے عزیز رشتہ‌دار، چاہے دنیا بھر چھان مارو، کہیں کوئی نہیں — سال بھر وہاں رہا — پھر کیوبان

تفریح کا سامان ہمیشہ موجود ہے— مگر دیکھو، کہیں پانی میں پاؤں مت بھگوئیو، نزلہ ہوجائیگا!،،

اس سے پہلے جب ہم خاموشی سے تمباکو پی رہے تھے، میں نے نظر بچا کر باپ بیٹے کو دیکھا تو بڑی عجیب بات لگی— لڑکا سادہ لباس میں تھا لیکن سلیقے کے کپڑے تھے: یہ کہ لمبے دامن کا کوٹ اس کے بدن پر ایسا چست تھا اور اندر استر میں استعمال کی ہوئی بھیڑ کے بچے کی نرم پوستین ٹکی ہوئی تھی، یہ کہ اس کے چھوٹے چھوٹے بوٹ جوتے اس طرح کے سلے ہوئے تھے جو اونی موزوں پر بالکل فٹ آجائیں، کوٹ کی آستین جہاں سے نکل گئی ہوگی، وہاں اس خوبصورتی سے رفو کیا گیا تھا کہ ان سب علامتوں سے کسی عورت کی توجہ کا، کسی ماں کی ہنرمندی اور سلیقے کا پتہ چلتا تھا— لیکن باپ کا حلیہ اس کے بر خلاف تھا— اس کے بدن پر کئی جگہ سے نکلا ہوا روئی کا دگلا بےاحتیاطی اور پھوہڑپن کی سلائی کا نشان دے رہا تھا، اور فوجی وردی کے ٹھنڈے اور گھسے گھسائے پتلون پر جو پیوند لگا تھا، وہ سنبھال کر نہیں لگایا گیا تھا بلکہ مردانہ ہاتھ کے جلدی جلدی

دئیے اور کندھے جھکا لئے — میں نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور نہ جانے مجھ کو کچھ ہو گیا... آپ نے کبھی ایسی آنکھیں دیکھی ہیں جو راکھ چھڑکی ہوئی لگتی ہوں اور ایسی جان لیوا افسردگی ان پر طاری ہوتی ہے کہ ان میں جھانکنا مشکل ہو جاتا ہے؟ اس اجنبی کی آنکھیں، بس، ایسی ہی تھیں —

ٹٹرے میں سے اس نے ایک سوکھی چھپٹی توڑ لی اور منٹ بھر خاموشی کے ساتھ ریت پر اسے برش کی طرح چلاتا رہا، ایک عجب قسم کی مبہم تصویر بنی اور پھر وہ بولا:

''بعض اوقات رات کو آنکھ نہیں لگتی، آدمی خالی آنکھوں سے اندھیرے کو تکے جاتا ہے اور سوچتا ہے: 'زندگی! تو نے میری راہ میں کانٹے ہی کانٹے کیوں بھر دئیے؟ یہ کس قصور کی سزا ہے آخر؟، نہ اندھیرے میں اس کا جواب ملتا ہے، نہ دن کے اجالے میں... نہ جواب ملتا ہے، نہ اس کی امید ہے کہ ملے گا!،، ایک دم اس نے خود کو سنبھالا، بچے پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور اس سے بولا: ''جا بیٹے، کھیل پانی کے پاس — جہاں بہت سا پانی ہو وہاں بچوں کی

اس نے گرمیوں میں پہننے کی فوجی پتلون کی
جیب میں سے خول میں لپٹا ہوا ایک عنابی رنگ کا
ریشمی بٹوا نکالا، اس کی تہیں کھولیں— اتفاق سے
اس کے ایک کونے پر میں نے یہ الفاظ کڑھے ہوئے
دیکھے: ''لیبدیانسکی ھائی اسکول کی چھٹی کلاس کی
طالب علم کی طرف سے ایک عزیز فوجی کو—''

عم نے گِتِر کے نئے ہوئے سخت تماکو کے کش
لئے اور دیر تک چپ چاپ دم لگاتے رہے— میرا دل
چاھا کہ پوچھوں تو بچے کے ساتھ کہاں جانے کا
ارادہ ہے اور ایسے خراب راستے پر نکلنے کی ایسی کیا
مجبوری ہے، لیکن میرے پوچھنے سے پہلے وہ خود ھی
کہنے لگا:

''تو کیا تم ساری لڑائی ڈرائیوری کرتے رہے؟''

''ھاں، قریب قریب ساری لڑائی—''

''مورچے پر؟''

''ھاں، مورچے پر رہے— ''

''میرا بھی یہی حال ہے— گلے گلے پانی رہا
لڑائی کا— ''

اس نے بڑے بڑے سانولے ھاتھ گھٹنوں پر ڈال

کہہ کر وہ خاموش ہوگیا، پھر ذرا دیر بعد پوچھنے
لگا: ”کیوں بھائی، کس کا انتظار ہے؟ اپنے افسر کا؟“
مجھے اچھا نہیں لگا کہ اسے اس غلط فہمی
سے نکالوں کہ میں کسی کا ڈرائیور نہیں ہوں — میں
نے جواب دیا:
”ہاں، انتظار تو کرنا ہی ہوگا —“
”ندی کے اس پار سے آنے والی ہے سواری؟“
”ہاں — “
”تمہیں پتہ ہے، نوکا کتنی دیر میں آجائے گی؟“
”کوئی دو گھنٹے میں —“
”بہت اچھے رہے — خیر، میرا کیا، مجھے کون
سی جلدی پڑی ہے، آرام کرلیں گے — میں ادھر سے
گزر رہا تھا، دیکھا تو اپنا ایک بھائی ڈرائیور بیٹھا
ہوا ہے — سوچا، چلو، چلتے ہیں، ایک آدھ دم لگا
لیں گے ساتھ ساتھ — اکیلے میں بیڑی سگریٹ پینا کیا،
کرنا بھی مزا نہیں دیتا — مزے میں زندگی گزرنی ہے
معلوم ہوتا ہے: نلکی والی سگریٹ پھونکتے ہو — بیکو
بیکٹ — کیوں ہے نا؟ بیشک تمباکو بیمار کیوڑا،
ہوں کسی کرم کے نہیں — خیر، چلو، یہ میری اینٹ
پ ہے، اب تو اسی کو دھونک لو — “

''واہ جی، نیلا میں کیوں ہوتا بڑے میاں؟ بالکل لڑکا تو ہوں، اور سردی سے کیوں ٹھٹھرتا؟ ہاتھ بس ٹھنڈے ہیں تو بات یہ ہے کہ برف کے گولے بنا رہا تھا ہاتھوں سے — ''

باپ اپنی پیٹھ پر سے سامان کی خالی سی پوٹلی اتار کر تھکن کے ساتھ میرے پاس ہی ٹرے پر بیٹھ گیا اور مجھ سے کہنے لگا:

''اس مسافر نے میرا ناطقہ بند کر رکھا ہے! وہ تو ہوا مگر اس کے کارن میں بہی تھک کر چور ہو گیا — قدم بڑھاتا ہوں تو وہ دوڑنے لگتا ہے — ایسے پیدل ہمراہی کے ساتھ ساتھ چلنا بڑا مشکل ہے — جہاں مجھے ایک قدم رکھنا ہے، تین قدم رکھتا ہوں — اس کے ساتھ چلنا گھوڑے اور کچھوے کی دوڑ ہو گیا — پھر مڑمڑ کے دیکھتے ہی جاؤ — ذرا غفلت ہوئی کہ وہ پانی میں چھپ چھپ کرنے لگتا ہے یا برف کے ٹکڑے توڑ کر منہ میں ڈال لیتا ہے، مٹھائی کی گولی کی طرح چوسنے لگتا ہے — نہیں، آدمی کے بس کی بات نہیں ہے ایسے مسافر کے ساتھ رستہ کاٹنا، اور وہ بھی، جب پیدل چلنا پڑے — '' اتنا

کے قریب پہنچا تو بھاری، پھٹی ہوئی آواز میں میری
طرف منہ کرکے بولا:
"سلام، بھائی — "
"سلام" میں نے جواب دیا اور اس کے بڑھے
ہوئے چوڑے اور کھردرے ہاتھ سے ہاتھ ملایا —
وہ شخص بچے کے قریب جھکا اور اس سے کہا:
"بیٹے، انہیں چچا کو سلام کرو — یہ بھی
تمہارے باپ کی طرح ڈرائیور دکھائی دیتے ہیں — ہم
تم تو لاری چلاتے ہیں اور ان کے پاس یہ موٹر ہے،
موٹر کار چلاتے ہوں گے — "
لڑکے نے اپنی روشن آنکھیں اوپر کیں، جو آسمان
کی طرح صاف شفاف تھیں، اور مجھ سے نگاہ چار کی،
ذرا مسکرایا اور بیباکی سے اپنا ننھا سا سرد گلابی ہاتھ
میری طرف بڑھا دیا — میں نے ہولے سے اس کا ہاتھ
تھاما اور پوچھا:
"یہ کیا بات ہے، بڑے میاں: اتنا ٹھنڈا ہاتھ؟
ادھر گرمی ہے اور تم سردی سے ٹھٹھرے جا رہے ہو؟"
بچوں کی سی اثر انگیز معصومانہ نیک‌دلی کے
ساتھ وہ لڑکا بڑھ کر میرے زانو سے لگ گیا اور اس نے
تعجب سے اپنی زردی مائل بھویں اوپر کو اٹھائیں:

میں اتنی گرمی تھی کہ مجھے افسوس ہونے لگا: خواہ مخواہ کیوں یہ فوجیوں کا سا دگلا اور روئی کا پاجامہ لاد لیا — سردیاں ختم ہونے کے بعد یہ پہلا دن تھا جب واقعی گرمی پڑنی شروع ہوئی تھی — یوں ٹٹرے کے جنگلے پر بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا کہ تنہائی ہے، سناٹا ہے، آس پاس کوئی نہیں — سر پر سے پرانا فوجی کن ٹوپ اتار کر ہوا میں گیلے بالوں کو سکھا رہا ہوں، جو محنت سے کشتی کھینے کے بعد بھیگ گئے ہیں اور بے خیالی سے ان منہ پھیلائے ہوئے سفید بادلوں کو دیکھ رہا ہوں جو دھندلی نیلاہٹ میں تیرتے پھر رہے ہیں —

اتنے میں نظر جو پڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ گاؤں کے بالکل آخری مکانوں کی طرف سے کوئی شخص نکل کر سڑک پر آیا — وہ ایک چھوٹے سے لڑکے کا ہاتھ تھامے ہوئے آرہا تھا — قد میں وہ لڑکا زیادہ سے زیادہ پانچ چھ سال کا معلوم ہوتا تھا — وہ دونوں تھکے قدموں گھاٹ کی طرف جا رہے تھے لیکن موٹر گیڑی دیکھی تو میری طرف مڑ گئے — لمبے قد اور جھکے ہوئے شانوں کا آدمی تھا — جب وہ اس جنگلے

کنارے سے ذرا ہٹ کر ریت پر ٹٹی کا کٹہر
الٹا پڑا تھا — میں اسی پر بیٹھ گیا — سوچا ذرا سگریٹ
پی لوں — لیکن جب اپنے روئی کے کوٹ کی داھنی جیب
میں ھاتھ ڈالا تو یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوا کہ
نلکی والی سگریٹ "بیلومور" کا پیکٹ بھیگ کر لگدی
ھو چکا تھا — جب ہم ندی پار کر رہے تھے تو
ایک لہر نیچے تختے والی اس کشتی کے پہلو پرزور سے
آکر پڑی اور کمر تک مجھے کیچڑ پانی میں شرابور
کر گئی — اتنی مہلت کہاں تھی کہ سگریٹ کا
خیال آجاتا، اس وقت تو یہ پڑی تھی کہ چپو چھوڑ کر
جلدی سے جلدی پانی الیچ دیں تاکہ نوکا ڈوبنے سے
بچ جائے، مگر اب اپنی غفلت کا افسوس ہو رہا تھا
اور جیب میں سے احتیاط کے ساتھ پانی میں ڈوبا ہوا پیکٹ
نکالا، اکڑوں بیٹھ گیا اور بھیگی ہوئی سگریٹوں کو،
جو پیلی پڑ گئی تھیں، ایک ایک کرکے ٹٹرے پر چننے
لگا —

دو پہر کا وقت تھا — سورج خوب چمک رہا
تھا جیسے مئی کے مہینے میں ہوتا ہے — امید تھی
کہ ذرا دیر میں سگریٹیں خشک ہو جائیں گی — دھوپ

اٹھا کر ہم نے اس کمزور سہارے کے سوراخوں میں ٹھونس دیا اور جب تک دوسرے کنارے پر نہیں پہنچ گئے برابر پانی الیچتے رہے— گھنٹے بھر میں بالاخر یہ فاصلہ طے ہو گیا— ڈرائیور نے گاؤں میں جاکر جیپ نکلی اور کشتی تک لے آیا— پھر جبو سنبھالتے ہوئے بولا:

''اگر یہ کمبخت ناند بیچ میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر نہ ہو گئی تو میں دو گھنٹے میں ادھر سے ان کو لےکر آتا ہوں— اس سے پہلے آپ ہماری راہ مت دیکھئےگا—،،

گاؤں ایک طرف کو دور سے لوک رہا تھا اور گھاٹ کے پاس ایسا سناٹا تھا جو ویرانوں میں ہوتا ہے، گھنے پت‌جھڑ کے موسم میں یا بہار شروع ہوتے وقت— پانی سے سیلن کی بو آ رہی تھی، جس میں سڑے ہوئے سرکنڈے کی بدبو بھی شامل تھی، اور دور استیپی سے، جو کہرے کے اودے دھنویں میں ڈوبی ہوئی تھی، نرم جھونکے اپنے دامن میں اس زمین کی سدا جوان، سدا تروتازہ سوندھی سوندھی خوشبو لئے ہوئے آ رہے تھے، جس نے برف سے ابھی ابھی رہائی پائی تھی—

کہیں چھ گھنٹے میں جا کر ہم آدھا فاصلہ طے کر پائے اور دریائے یلانکا کے اس مقام پر پہنچے جہاں، دریا پار کرنے کے لئے کشتی ملتی تھی—

موخوفسکوئے گاؤں کے سامنے وہی معمولی سی ندی جو گرمیوں میں جگہ جگہ سوکھی پڑی رہتی تھی، اس کا پاٹ کھاڑی اور جھاڑی ملا کر کوئی ایک کلومیٹر کا ہو گیا تھا— ہمیں چپٹی تہہ کی ایک ایسی نوکا میں ندی پار کرنی تھی جو خود بھی رس رہی تھی اور تین آدمی سے زیادہ بوجھ نہیں سنبھال سکتی تھی— گھوڑوں کو ہم نے یہیں چھوڑا— دوسرے کنارے پر ایک کالخوز کی کھپریل تلے کوٹھری میں پرانی اور جہاں دیدہ جیپ ہمارے انتظار میں کھڑی تھی، جو ہم سردی کے موسم میں آتے ہوئے ادھر چھوڑ آئے تھے— میں اور ڈرائیور، ہم دونوں اس چھوٹی سی بوسیدہ کشتی پر سوار ہو لئے جس کی سواری خطرے سے خالی نہیں تھی— میرا ساتھی سامان سمیت ندی کے ادھر رہ گیا— ابھی کشتی نے لنگر اٹھایا تھا کہ تلی کے بوسیدہ تختوں میں سے اندر جگہ جگہ پانی کے فوارے ابلنے لگے— جو کچھ ہاتھ لگا،

قریب ـــــ لیکن اسے طے کرنا بہی دوبہر معلوم ہوا ــ میں اور میرا ساتھی، ہم دونوں دن نکلنے سے پہلے روانہ ہوگئے ــ خوب کہائے پئے گہوڑوں کی جوڑی بمشکل زور لگا لگا کر ہماری گاڑی کو کہینچ رہی تھی ــ نرم اور سخت برف ملی ہوئی ریتیلی زمین اندر تک اتنی سیل چکی تھی کہ دھرے تک پہیے اس میں دھسے جاتے تھے اور گہنٹے بہر میں گہوڑوں کے دونوں پہلوؤں پر اور پتلی باگ اور کاٹھی کے نیچے صابن کے سے پہولے ہوئے سفید جہاگ نظر آنے لگے ــ صبح کی تازہ ہوا میں گہوڑے کے پسینے کی بس اور اس کے ساز پر جو بہت سا کولتار کا روغن تھا ـــــ اس کی بو یوں گہل مل گئی کہ بہبکے چہوٹنے لگے اور نشہ سا آنے لگا ــ

جہاں گہوڑوں کو گاڑی کہینچنا دشوار ہوتا تہا، ہم دونوں اتر کر پیدل چلنے لگتے تہے ــ جوتوں کے نیچے نمخوردہ برف چرمر کرتا تہا، قدم اٹہانا بہاری پڑتا تہا مگر سڑک کے دونوں طرف جمے ہوئے برف کے پگہلتے ہوئے ریزے دھوپ میں چمچم کر رہے تہے، ان میں سے ہوکر گزرنا اور بہی مشکل تہا ــ

یوگینیا گریگوریونا لیویتسکایا کے
نام جو ۱۹۰۳ء سے سوویت یونین
کی کمیونسٹ پارٹی کی ممبر ھیں

جنگ کے بعد دریائے دون کے اوپر والے علاقے پر پہلا موسم بہار آیا اور اپنے ساتھ بڑے زور کا شور شراٹا لایا۔ مارچ کے آخر میں آزوف سمندر کے قریب سے ھوا کے گرم جھونکے آنے لگے، اور دو دن کے اندر دریا کے بائیں طرف کا ریتیلا ساحل برف سے بالکل صاف ھو چکا تھا، استیپی میں برف سے اٹے ھوئے نالے اور کھڈ اور زیادہ پھیل گئے تھے، ندی نالوں نے جمے ھوئے رف کے پرخچے اڑا دئیے اور بےتحاشا دوڑنا شروع کر یا — راستوں سے گزرنا قریب قریب ناممکن ھو گیا۔

ایسے میں نا وقت مجھ کو بوکانوفسکایا قصبے کا فر کرنا پڑا — بوکانوفسکایا تک کا فاصلہ کچھ ایسا یادہ نہیں تھا —— یہی کوئی ساٹھ کلومیٹر کے

میخائل شولوخوف ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ روسی ادب میں مشہور سوویت ادیب ہیں۔ ان کے ناول "دون بہتا رہا" اور "اچھوتی زمین" عالمی تہذیب میں قابل فخر مقام رکھتے ہیں۔

شولوخوف نے یہ کہانی "تقدیر آدمی کی" ۱۹۵۶ء میں لکھی تھی۔ اس پر ایک فلم بنی تھی جسے ترجمتی فلمی میلے میں بجا [illegible] گے۔

شہرِ وجود

تقدیر آدمی کی



فہرست

روسی سے ترجمہ: ظ انصاری

بہترین
روسی
کہانیاں
۳

آجکل کی
سوویت
کہانیاں

بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر
ماسکو

АНТОЛОГИЯ РУССКОГО РАССКАЗА

III

СОВРЕМЕННЫЙ СОВЕТСКИЙ РАССКАЗ

Издательство литературы на иностранных язык
Москва